مفتی جعفر حسینؒ خصوصی نمبر

ماہنامہ
افکارِ العارف
لاہور

Monthly
Afkar-e-AL-ARIF
Lhr
August, 2023

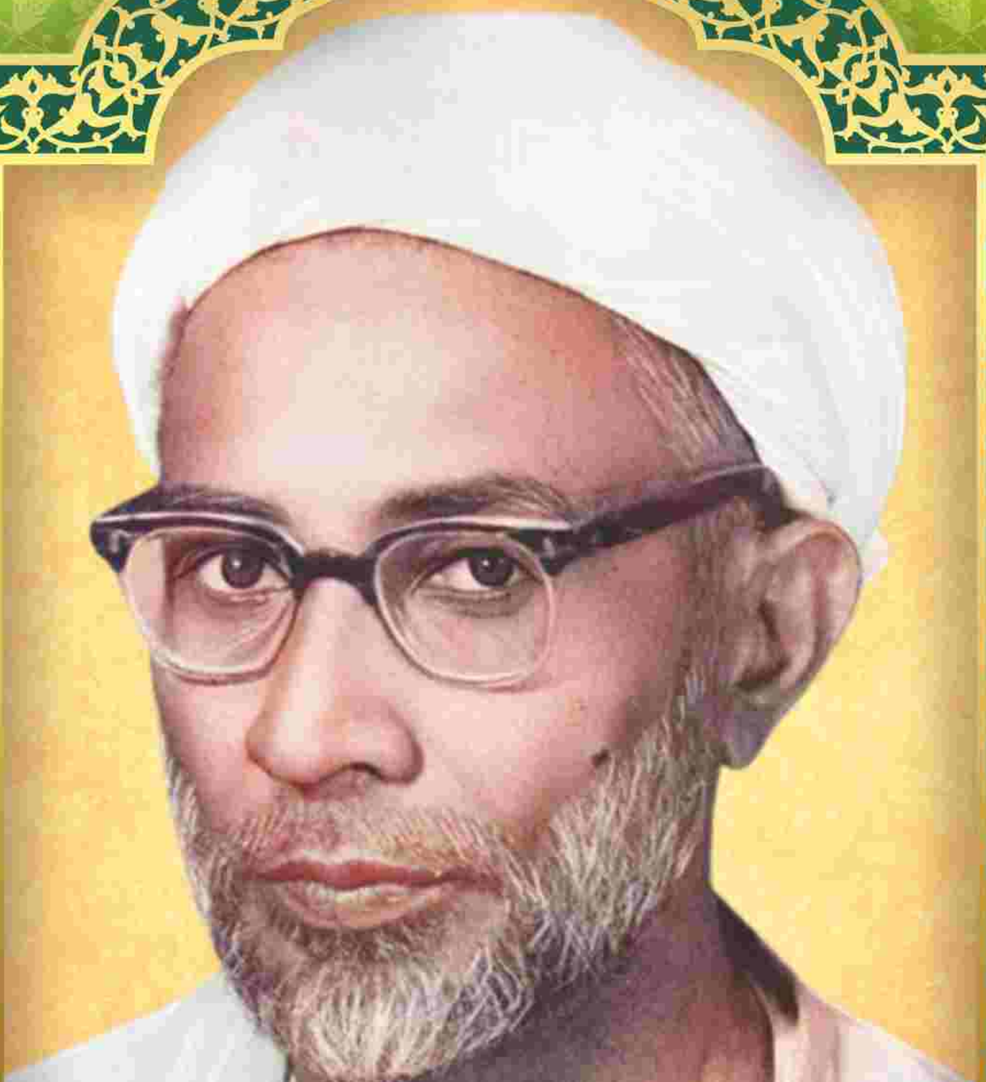

قائدِ ملت جعفریہ علامہ مفتی جعفر حسینؒ

1914ء–1983ء

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انساں نکلتا ہے

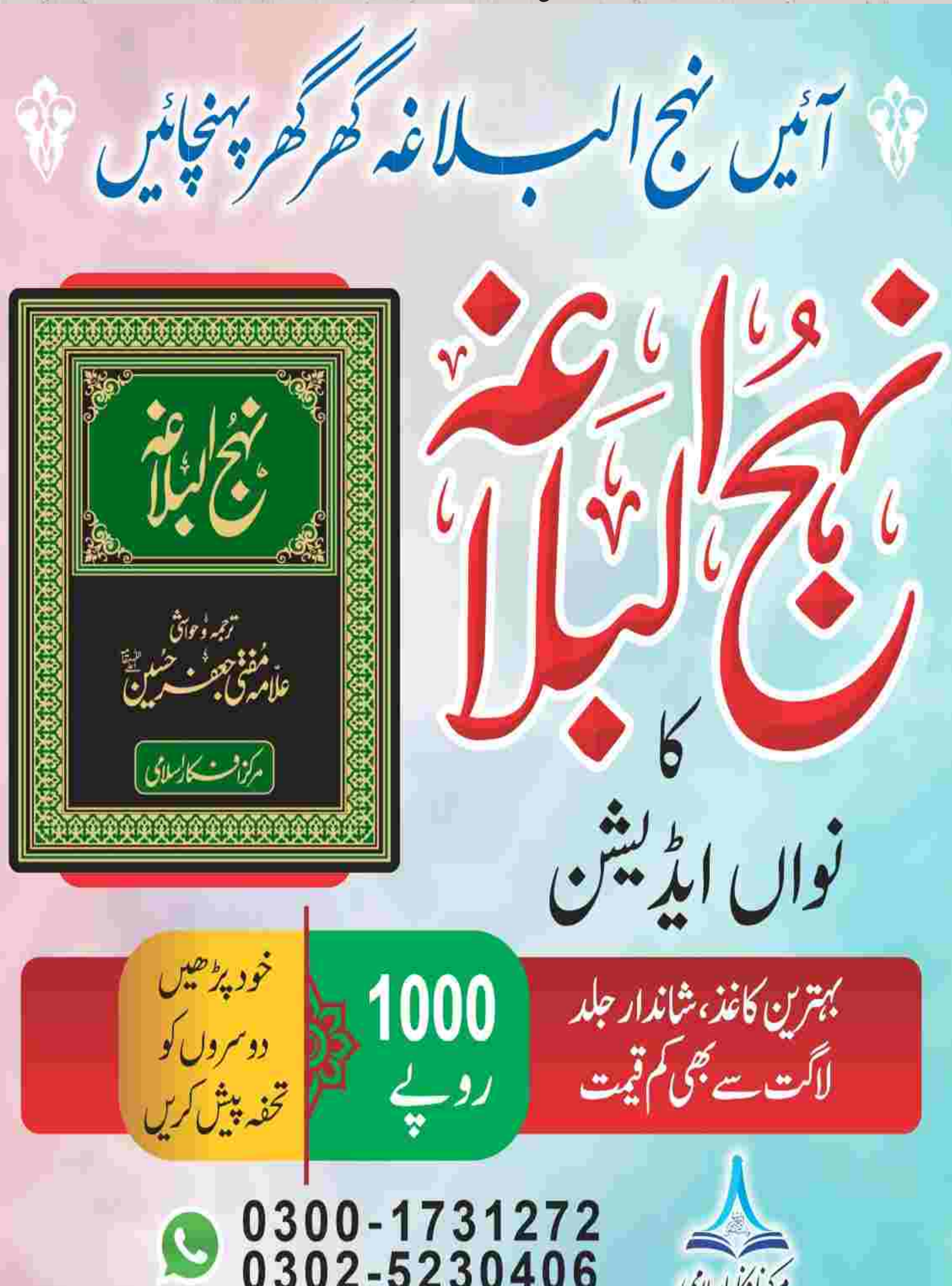
آئیں نہج البلاغہ گھر گھر پہنچائیں
نہج البلاغہ
ترجمہ و حواشی
علامہ مفتی جعفر حسینؒ
مرکز افکار اسلامی
نہج البلاغہ
کا
نواں ایڈیشن
خود پڑھیں
دوسروں کو
تحفہ پیش کریں
1000
روپے
بہترین کاغذ، شاندار جلد
لاگت سے بھی کم قیمت
0300-1731272
0302-5230406
مرکز افکار اسلامی

ماہنامہ افکارِ العارف لاہور
MONTHLY AFKAR-E-AL-ARIF LAHORE

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ

جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا
(حضرت علیؑ)

اگست 2023ء | جلد نمبر 15 | شمارہ نمبر: 08
ڈیکلریشن نمبر: PCPB-495 | رجسٹرڈ نمبر: CPL-60

دامن العارف میں

اداریہ (قائد ملت جعفریہ، مفتی جعفر حسین)	ارشاد حسین ناصر (ایڈیٹر)	02
پیغام مرکزی صدر	حسن عارف	04
نہج البلاغہ (حرفِ اول)	مفتی جعفر حسین مرحوم	05
علامہ علی نقی نقن کے ترجمہ قرآن کے امتیازات	مفتی جعفر حسین مرحوم	09
علامہ مفتی جعفر حسین؛ علمی و قلمی خدمات	مقبول حسین علوی	16
علامہ مفتی جعفر حسینؒ	حاجی محمد شریف	22
تاثرات بسلسلہ وفات علامہ مفتی جعفر حسینؒ	علامہ نقن	35
علامہ مفتی جعفر حسینؒ سے پہلی ملاقات	کوثر نیازی مرحوم	38
علامہ مفتی جعفر حسین مجتہدؒ؛ عکس زندگانی	اعجاز علی مرزا	42
علامہ مفتی جعفر حسینؒ، اتحاد کے مظہر	نثار علی ترمذی	49
خدا کی رزاقیت	رمیز الحسن موسوی	54
انٹرویو؛ قائد ملت مفتی جعفر حسینؒ؛ روزنامہ جنگ	مفتی جعفر حسین مرحوم	60
علامہ مفتی جعفر حسینؒ کی رحلت پر اخبارات کے اداریئے	ادارہ	64
تعزیتی پیغامات رحلت مفتی جعفر حسین قبلہؒ	ادارہ	66
بزم ارجمندان؛ مفتی جعفر حسین مجتہدؒ	اسحاق بھٹی مرحوم	70
علامہ مفتی جعفر حسینؒ	ابوعمار زاہد الراشدی	74
رپورٹ بھکر کنونشن؛ مطالبات و قراردادیں	پروفیسر خادم حسین لغاری	75
6 جولائی؛ تاریخی اسلام آباد کنونشن	پروفیسر خادم حسین لغاری	78
شہید محمد حسین شاد	ادارہ	81
مفتی جعفر حسین مرحوم	پروفیسر محمد طاہر	82
31 علماء کے 22 نکات	ادارہ	84
خاطرات و واقعات	تدوین؛ ارشاد حسین ناصر	87
قائد ملت، ملک فیض بخش کی زبانی	توقیر ساجد	90
قائد مرحوم مفتی جعفر حسینؒ	مولانا امداد حسین گھلو	92

مینجنگ ایڈیٹر: حیدر ثقفی
ایڈیٹر: ارشاد حسین ناصر
خاتون ایڈیٹر: خواہر عظمیٰ شیرازی
لیگل ایڈوائزر: سید عون سجاد ایڈووکیٹ

مجلس ادارت
- ڈاکٹر راشد عباس سید
- ناصر عباس شیرازی
- سید نثار علی ترمذی
- یافث نوید ہاشمی
- شیخ سلمان رضا
- ایم حیدر

ڈیزائننگ: حسن نصراللہ

ادارے کا مراسلہ نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں

بیرون ملک نمائندگان
لبنان: علی اکبر | کویت: ذوالفقار مطہری
تہران: سید اصغر کاظمی | قم المقدس: سید مدثر ترمذی
امریکہ: سجاد بلوچ | برطانیہ: چوہدری امین طاہر

قیمت خصوصی شمارہ -/300 روپے
زرِسالانہ 1000 روپے
زراشتراک بیرون از ملک
بھارت، ایران، سعودی عرب، ابوظہبی، کویت، امریکہ، لبنان، یوکے 25 ڈالرز

پبلشر ارشاد حسین نے بینکوئٹ پریس لاہور سے چھپوا کر 5۔مسلم ٹاؤن موڑ وحدت روڈ، لاہور سے شائع کیا۔

Afkaralarif@gmail.com
برائے رابطہ: ماہنامہ افکار العارف المصطفےٰ ہاؤس 5۔مسلم ٹاؤن موڑ وحدت روڈ لاہور فون
0423-5912650
0333-4424817

اگست 2023

اداریہ

ہم کل بھی سردارِ صداقت کے امین تھے ہم آج بھی انکارِ حقیقت نہ کریں گے

قائد ملت جعفریہ مفتی جعفر حسین، چالیسویں برسی
افکار و کردار، خدمات کو نئی نسل تک پہنچانا ہونگے!

اگست
2023

ماہنامہ افکار العارف لاہور

افکار العارف قائد شہید کے افکار کا ترجمان و ناشر ماہنامہ مجلہ ہے جسے قائد شہید کی شہادت کے بعد شروع کیا گیا تھا جو اس وقت سے مسلسل اشاعت پذیر ہے، بلا شک وشبہ اس پلیٹ فارم سے ملت کے تمام طبقات کو مختلف ملکی، عالمی، دینی، تہذیبی، تعلیمی، ثقافتی، اسلامی، انقلابی عناوین، ملت کے سلگتے مسائل، فرقہ واریت، دہشت گردی، شہادتوں، عزاداری، امت مسلمہ کے مسائل، پاکستان کے سیاسی، سماجی ایشوز، نیز طلبا جو کسی بھی قوم کا مستقبل ہوتے ہیں کی تعلیمی و دینی رہنمائی و تربیت کے حوالے بہترین مواد فراہم کیا ہے، ہم یہ کہ سکتے ہیں کہ اس پلیٹ فارم نے ایک ادارے کے طور پہ کسی بھی ملکی سطح کے ادارے یا درس گاہ سے بڑھ کے رہنمائی و تربیت کا فریضہ سرانجام دیا ہے، ملت کے عظیم محسنین کے حالات زندگانی کو اگلی نسلوں تک پہنچانے اور ان کی پہچان و معرفت کے حوالے سے بھی یہ ادارہ اپنی مثال آپ رہا ہے، بہت سے پیش آمدہ مشکلات کے باوجود ہم نے کوشش کی کہ لوگوں سے ارتباط و روابط منقطع نا ہونے پائیں، گزشتہ برس ادارے نے نہایت ہی مشکل حالات میں قائد شہید علامہ سید عارف حسین الحسینی رح کی مجاہدانہ زندگی، خدمات، حالات و واقعات، مشکلات، تنظیم، تحریک، فعالیات اور مقدمہ قتل کے حوالے سے اندرون و بیرون مما لک سے بہترین لکھاریوں سے خوبصورت مضامین لکھوا کے نہایت ہی جاذب نظر یادگار مجلہ شائع کیا، ایک سو سولہ صفحات پہ مشتمل یہ رنگین مجلہ فقط ایک مجلہ نہیں بلکہ ایک کتاب کہی جاسکتی ہے جو مکمل شہید قائد کے حالات زندگی پہ مشتمل تھا، اسے عاشقان شہید بالخصوص عام عوام نے بے حد سراہا، اس کی افادیت و اہمیت بارے اپنے تاثرات کا کھل کے اظہار کیا، اس پزیرائی نے ہمارے حوصلوں کو جلا بخشی اور ہم آگے بڑھے اور ایک اور ملت کے عظیم محسن علامہ سید صفدر حسین نجفی رح کی برسی دسمبر میں تھی تو ان کی ذات، خدمات، ملی و قومی کردار بارے ایک سو صفحات پہ مشتمل مجلہ شائع کیا تو اسے بھی بے حد سراہا گیا، اس پہ تبصرے ہوئے، اس کے بعد سفیر انقلاب ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید کی برسی مناسبت سے مارچ میں ان کی زندگی، حالات و واقعات، ملی کردار، تنظیمی و اجتماعی جدوجہد اور شہادت کے واقعات بارے ایک خوبصورت میگزین سو صفحات پہ مشتمل شائع کیا گیا جس کی پذیرائی اپنی مثال آپ رہی، اب قائد ملت جعفریہ، عظیم شخصیت، محسن ملت جناب مفتی جعفر حسین مرحوم کی چالیسویں برسی کی مناسبت سے اگست کا شمارہ ان کی زندگی حالت و واقعات، کارہاءے نمایاں و گرانقدر، ذاتی و اجتماعی زندگی و جہد مسلسل، علمی و قومی، ملی خدمات بارے ایک خصوصی مجلہ آپ کے ہاتھوں میں ہے، ہم نے کم ترین وسائل میں ان مجلوں کو آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے، ہمارے نزدیک ان ملت کے

مخلصین، اہل تقوی و ورع، ملی و قومی خدمت گزاران کے حوالے سے وسائل نا ہونے کے باوجود مجلوں کا چھپ کے سامنے آ جانا معجزوں سے کم نہیں، کہ جب کام شروع کیا تو کسی بھی قسم کے وسائل دستیاب نہیں تھے مگر جیسے جیسے کام آگے بڑھا وسائل پیدا ہوتے گئے اور رکاوٹیں دور ہوتی گئیں، ہاں ہم چونکہ مختصر ٹیم ہیں، اس وجہ سے ہماری استعداد، اور خواہش و سوچ کے مطابق میگزین تیار نہیں ہو سکے ان سے کہیں بہتر شکل میں آ سکتے تھے مگر حالات کی ستم ظریفی کہیں یا کچھ عملی مجبوریاں کہ ہم وہ نہیں کر پائے جو حق تھا، اس کے باوجود ہم سمجھتے ہیں کہ یہ مجلّے ان شخصیات کے عناوین سے ایک بنیادی حیثیت کے طور پہ موجود ہیں جو اندرون و بیرون ممالک ان شخصیات پہ کام کرنے والوں کو رہنمائی کا ذریعہ بن کے اپنی ارزش و اہمیت واضح کرتے رہیں گے۔ قائد مرحوم کی ملی و قومی خدمات کا وسیع دائرہ اور امامیہ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن پاکستان کے ساتھ ان کا ارتباط و تعلق، ان کے ساتھیوں تاریخی جدوجہد کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔ اس تعلق و ارتباط کا تقاضا بھی تھا کہ تنظیم کا ترجمان رسالہ آج کی نسل تک اس عظیم الہی شخصیت کے حالات و واقعات اور عظیم جدوجہد کو منتقل کرے، رکاوٹیں، مسائل، مشکلات کا ایک پہاڑ تھا جن کو دیکھ کے مایوسی ہو جاتی ہے، اور اچھا خاصا بندہ بھی پیچھے ہٹ جاتا ہے مگر ایک تنظیم کے ادارے کی وجہ سے مایوسی کو گناہ سمجھتے ہوئے ہم آگے بڑھتے رہے اور مالک کون و مکان کا لطف شامل حال ہوتا رہا اور یہ خوبصورت مجلہ آپ کے ہاتھوں میں پہنچانے میں کامیاب ہوئے۔ آئی ایس او اپنی تشکیل سے ہی علماء کے ساتھ مربوط رہی ہے۔ علامہ مفتی جعفر حسین مرحوم کے ساتھ قیادت سے قبل اور قیادت کے دوران امامیہ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن پاکستان اور امامیہ آرگنائزیشن پاکستان نے آپ کا بھرپور ساتھ دیا۔ بھکر کنونشن ہو یا اسلام آباد کا اجتماع ان دونوں تنظیموں کے نوجوان اپنے قائد کے دست و بازو بنے رہے۔ پورے ملک قائد محبوب کے دوران کے انتظامات میں یہی تنظیمیں پیش پیش تھیں نیز قبلہ مفتی صاحب مرحوم نے بھی اپنا دست شفقت ہمیشہ نوجوانوں کے سروں پر رکھا، ان کے پروگراموں میں شرکت کرتے تھے، حوصلہ دیتے تھے اور تعاون کرتے تھے۔ آپ کی بے پناہ محبتیں ہیں کہ چالیس سال گزرنے کے بعد بھی اس تنظیم نے اپنے مربیوں کو نہیں بھلایا۔ یہ حقیر سا خراج تحسین ہے جسے قائد ملت جعفریہ علامہ مفتی جعفر حسین مرحوم کی خدمات عالیہ کے عوض پیش کر رہے ہیں۔ قائد ملت مفتی جعفر حسین مرحوم جیسی ذات اقدس و مہربان کہ جو اپنی مثال آپ کہے جا سکتے ہیں، ان کی الہی شخصیت، ان کا علمی و دینی مقام و مرتبہ، ان کی ملی و قومی خدمات، ان کی جدوجہد، ان کی کامیابیاں، ان کا جوانان سے ارتباط و تعلق، جوانان کی تربیت کے لیے ان کا اہمیت دینا، ان کا عزاداری امام حسینؑ کے لیے، نیز مکتب اہلبیت کے لیے نا سازی طبع کے باوجود میدان میں عملی جدوجہد کے لیے وقف کرنا ایسے امور ہیں جن پہ چالیس سال گذر جانے کے بعد منتقل کرنے کی کوشش کرنا جن احباب کے تعاون سے ممکن ہوا، پروردگار ان کو سدا اسلامت رکھے۔ مفتی جعفر حسین قبلہ مرحوم کی شخصیت اتنی بڑی تھی کہ ان کے بارے یہ شعر پورا اترتا ہے۔۔

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتا ہے

آپ کے ہاتھوں میں موجود مجلہ؛ مفتی جعفر حسین نمبر کیسا ہے اس کے بارے آپ اپنی آرا سے ضرور آگاہ کریں، ہم آپ کی تجاویز کو خوش آمدید کہیں گے اور آئندہ شماروں میں بہتری لانے کی پوری کوشش کریں گے۔ اس کار خیر میں آپ بھی شریک ہو سکتے ہیں، اسے خرید کر پڑھیے، ضرور پڑھیے، دوسرے احباب کو متوجہ کیجیے، اپنے علاقے کے اسکول کالج یونیورسٹی، مدرسے یا پبلک لائبریری میں تحفہ دیجیے، تا کہ اس عظیم شخصیت کے افکار سے آگاہی پھیل سکے۔

حرف آخر؛ اس مجلہ کی ترتیب، تنظیم، تصاویر، مواد حتی اشاعت کے وسائل کے عنوان سے خصوصی ٹیم (جناب برادرم سید نثار علی ترمذی، برادرم جعفر حسین ابن ملک فیض بخش مرحوم (نواسہ)، علامہ مقبول حسین علوی (مرکز افکار اسلامی) برادر اعجاز مرزا کی کاوشوں اور بھرپور تعاون کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

پیغام مرکزی صدر (امامیہ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن پاکستان)

بمناسبت چالیسویں برسی قائد ملت جعفریہ مفتی جعفر حسین

خاک میں کیا صورتیں ہونگی کی پنہاں ہوگئیں

امامیہ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن پاکستان کو یہ اعزاز و افتخار حاصل ہے کہ اس نے پاکستان کی تاریخ میں ملت کی قیادت وسیادت کرنے والی شخصیات اور ملی وقومی جماعتوں کی نا صرف پشت بانی کی ہے بلکہ آگے بڑھ کے ہر اہم تحریک، ایشو میں ہراول دستہ کا کردار ادا کیا ہے، قائد ملت جعفریہ علامہ مفتی جعفر حسین قبلہ کے انتخاب، فعالیت، تحریک، جدوجہد، مشکلات، مسائل، تنظیمی تحرک نیز اپنے جوانوں کی تربیت، رہنمائی، اور ملی وقومی امور میں ہمیشہ فعال کردار ادا کیا، مفتی جعفر حسین قبلہ نے بھی امامیہ اسٹوڈنٹس کے جوانوں کو کسی بھی مرحلہ پر تنہائی اور جدائی کا احساس نہیں ہونے دیا، بلکہ ملت کے اس مستقبل کو اپنے پروبال فراہم کیے تا کہ زمانے کی چیرہ دستیوں سے محفوظ رہا جا سکے، قائد ملت جعفریہ مفتی جعفر حسین قبلہ کے بھکر میں انتخاب، تاریخ ساز جدوجہد، بالخصوص اسلام آباد کنونشن کے انتظامات، ملک بھر سے آنے والے شیعیان حیدر کرار کی میزبانی، کے عنوان سے نیز حکومت کیساتھ مزاکرات سمیت تمام مراحل میں تنظیم کی قیادت نے اپناک ردار بھرپور انداز میں ادا کیا، جس کی تاریخ گواہ ہے، خصوصی طور پہ شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی کے کردار کو اپنے پرایوں نے تسلیم کیا۔

جہاں تک مفتی صاحب کی تاریخی جدوجہد کے دیگر مراحل کا تعلق ہے بالخصوص تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کی ملک کے دیگر علاقوں میں تنظیم سازی، و روابط تو اس میں بھی بھرپور طرح سے معاونت و کردار سامنے ہے، یہ وہ زمانہ تھا جب امامیہ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن پاکستان، اپنے سینئرز کی تنظیم امامیہ آرگنائزیشن کیساتھ مکمل ہم آہنگی اور باہمی طور پہ اپنی تمام فعالیات سرانجام دیتے تھے، امامیہ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن پاکستان کو یہ اعزاز و افتخار حاصل ہے کہ اس نے قائد ملت جعفریہ مفتی جعفر حسین کی زندگی، ان کی تحریکی زندگی، کارہائے نمایاں، جدوجہد کے تمام مراحل اور ان کی زندگی کے بعد ان کے جانشین علامہ سید عارف حسین الحسینی شہید کی قیادت وسیادت میں جو کردار ادا کیا وہ نا قابل فراموش ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ اگر امامیہ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن پاکستان کے کردار کو ان بزرگان کی جدوجہد سے علیحدہ کر دیا جاءے تو شاید اس کے علاوہ کچھ قابل ذکر نا رہے، آج مفتی جعفر حسین کی چالیسویں برسی کے موقع پہ ہمیں یہ سعادت حاصل ہو رہی ہے کہ ان کی زندگی، جدوجہد، حالات و واقعات، تاریخی کامیابیوں، کو آج کی نسل تک پہنچانے کیلئے اپنے ترجمان مجلہ کی خصوصی اشاعت کا اہتمام کیا ہے، اس مجلہ کے ذریعے نوجوان نسل کو ان بزرگ ہستی کے ملی وقومی کردار اور خدمات سے آگاہی سے انہیں اپنی روشن تاریخ کو جاننے کا بہترین موقعہ ملے گا۔

امامیہ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن پاکستان اس مقصد، اس ہدف، اس نظریہ کے حصول کیلئے آج بھی سرگرم عمل ہے اور فعال کردار ادا کر رہی ہے، ہم نے اس راستہ کو نہیں چھوڑا، ہم نے اس ہدف کو نہیں بھلایا، ہم نے اس مقصد کو فراموش نہیں کیا، ہم اس راہ میں اپنی تاریخ کو دہراتے رہیں گے، ہم ہر قربانی دینے کیلئے آج بھی تیار ہیں، ہم اس منزل کے حصول کیلئے آگے بڑھتے رہیں گے جس کے لیے ہمارے بزرگان نے قربانیاں دی ہیں، ہم شہداء کے خون کی وراثت کی نگہبانی کرتے ہوئے اس امانت کو اگلی نسل تک منتقل کرتے رہیں گے۔

ہم اس خوبصورت مجلہ کی اشاعت پر افکار العارف کی ٹیم کو تبریک پیش کرتے ہیں جنہوں نے یہ ایک تاریخی کام کیا، پروردگار ان کی زحمات کو اپنی بارگاہ میں قبولیت کا درجہ عطا کرے۔ جن احباب نے اس مجلہ کی اشاعت میں تعاون کیا ہے پروردگار انہیں اس کی جزا دے، کہ یہ کار خیر وصدقہ جاریہ ہے۔

راہ حق میں آپ کا ساتھی

حسن عارف

مرکزی صدر

امامیہ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن پاکستان

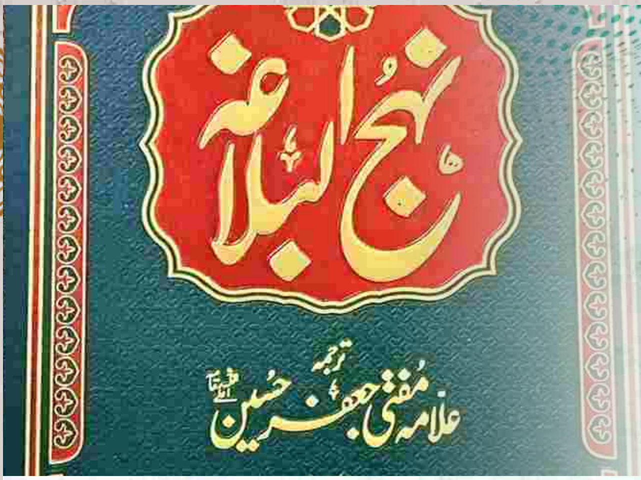

نہج البلاغہ

حرفِ اوّل

جعفر حسین

نہج البلاغہ علوم و معارف کا وہ گراں بہا سرمایہ ہے جس کی اہمیت و عظمت ہر دور میں مسلّم رہی ہے اور ہر عہد کے علماء و ادباء نے اس کی بلند پایگی کا اعتراف کیا ہے۔ یہ صرف ایک ادبی شاہکار ہی نہیں ہے، بلکہ اسلامی تعلیمات کا الہامی صحیفہ، حکمت و اخلاق کا سرچشمہ اور معارفِ ایمان و حقائق تاریخ کا ایک انمول خزانہ ہے، جس کے گوہر آبدار علم و ادب کے دامن کو زر نگار بنائے ہوئے ہیں اور اپنی چمک دمک سے جوہر شناسوں کو محوِ حیرت کئے ہوئے ہیں۔ افصح العرب کے آغوش میں پلنے والے اور آبِ وحی میں ڈھلی ہوئی زبان چوس کر پروان چڑھنے والے نے بلاغت کلام کے وہ جوہر دکھائے کہ ہر سمت سے "فَوْقَ كَلَامِ الْمَخْلُوْقِ وَ تَحْتَ كَلَامِ الْخَالِقِ" کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔

یہ نثر اس دور کی نثر ہے جب عربوں کی طلاقت و جوش گفتاری صرف نظم تک محدود تھی، ریگزار عرب پر بستر لگا کے آزادی کی فضا میں پر بہار زندگی گزارنے والے فرزندان صحرا شعر و نظم اور تخییل و محاکات کے لازوال نقوش تو چھوڑ گئے، مگر جہاں تک نثر کا تعلق ہے، ان کے جیب و دامن میں کوئی ایسا گوہر شاہوار نہ تھا جسے بطورِ تفاخُر پیش کرتے اور اہل عالم کو

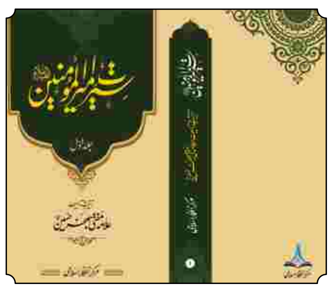

اپنے مقابلہ میں للکارتے۔ دامن اسلام میں اگرچہ قرآن کریم ایسا عربی نثر کا زندہ جاوید معجزہ موجود ہے مگر وہ اپنے قائل کی عظمت و جلالت اور اعجازی فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے انسانی کلام کے مقابلہ میں نہیں لایا جا سکتا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و ارشادات ہیں تو وہ اگرچہ معنوی لحاظ سے وسیع اور ہمہ گیر ہیں، مگر لفظی اعتبار سے اختصار بداماں۔

چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد "اُوْتِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ" اس کا شاہد ہے کہ آپ کم سے کم لفظوں میں زیادہ سے زیادہ مطالب سمیٹ لیتے تھے اسی لیے آپ کے خطب و مکاتیب مختصر ہوتے تھے۔ رہی خلفاء کی نثر تو اس میں فطری حسنِ ادا اور طبعی سادگی کے بجائے بناوٹ اور تصنّع کا رنگ جھلکتا ہے اور تاریخ شاہد ہے کہ انہیں مختصر سے مختصر تقریر کیلئے بھی خصوصی تیاری کی ضرورت ہوتی تھی اور اگر کہیں بغیر تیاری کے کھڑے ہو گئے تو ذہن میں قفل پڑ گئے، زبان لڑکھڑانے لگی اور منہ سے ایک لفظ نہ نکال سکے۔ اگرچہ ملکی فتوحات کے سلسلہ میں اُن کے "کارہائے نمایاں" نظر آتے ہیں، مگر کسی علمی و ثقافتی مرکز کی سرپرستی یا کسی علمی تحریک میں گام فرسائی کہیں نام کو نظر نہیں آتی۔

یہ بابِ مدینۃ العلم ہی کی ذات تھی جس نے علم و حکمت کے بند دروازے کھولے، نطق و فصاحت کے پرچم لہرائے اور علمی ذوق کو پھر سے زندہ کیا، باوجودیکہ آپ کا دور سکون و اطمینان سے یکسر خالی تھا اور ہوسِ اقتدار کی فتنہ سامانیوں نے اسے اپنی جولانگاہ بنا رکھا تھا اور شورش پسندوں نے خونِ عثمان کو ہوا دے کر آپؑ کو لڑائیوں میں الجھائے رکھنا ہی اپنے مقاصد کے لیے ضروری سمجھ لیا تھا، مگر ان رات دن کی لڑائیوں اور چپقلشوں کے باوجود آپؑ نشر علوم و معارف کے کسی موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ کبھی تلواروں کی جھنکار اور خون کی بارش میں علم و حکمت کے رموز بتائے اور کبھی ذہنی الجھاؤ اور افکار کے ہجوم میں ارشاد و ہدایت کے فرائض انجام دیئے۔

چنانچہ اس مجموعہ کے خطب و مکاتیب میں دو چار خطبوں اور ایک آدھ خط کے علاوہ تمام تحریریں اسی دور کی تخلیق ہیں کہ جب آپؑ ظاہری خلافت پر ایک دن بھی اطمینان و دلجمعی سے نہ بیٹھ سکے تھے۔ یہ بلاغت کے رگ و پے میں سرایت کر جانے کا نتیجہ ہے کہ اس انتشار و پراگندگی خاطر کے باوجود نہ کلام میں انتشار و برہمی پیدا ہوتی ہے، نہ عبارت کے تسلسل و ہم آہنگی میں فرق آنے پاتا ہے اور ہر موقع پر اسلوبِ بیان کی یک رنگی اپنے خصوصی امتیازات کے ساتھ برقرار رہتی ہے۔

امیر المومنین علیہ السلام نے علمی حقائق کو فروغ دینے کے ساتھ ساتھ علم ادب کی نشوونما میں بھی پورا حصہ لیا اور عربی نثر کو نہ صرف حد کمال تک پہنچایا بلکہ فلسفیانہ نظر و فکر کو ادبی لطافتوں میں سمو کر ایک نئے طرز تحریر کی داغ بیل ڈالی جس کی اس زمانہ میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ عرب تو خیر اس وقت میں منطقیانہ اندازِ استدلال سے روشناس ہی نہ تھے کہ اس دور میں اس کی مثال ڈھونڈی جائے۔ آج بھی جب کہ نثر ترقی کے مدارج طے کر چکی ہے اور ادبی و فنی ارتقاء اپنے نقطۂ کمال کو پہنچ چکا ہے اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ اگر کسی کلام میں معانی و بیان کی مناسبتیں اور تشبیہ و استعارہ کی لطافتیں پائی جاتی ہیں تو وہ حکمت و اخلاق کی تعلیمات سے تہی داماں ہے اور اگر کسی میں حکمت و اخلاق کے جوہر بھرے ہوئے ہیں تو طرزِ ادا کی شگفتگی اور رنگینی غائب ہے۔ فلسفہ و حکمت کے حقائق اور الٰہیات کے دقیق مسائل کو اس طرح بیان کرنا کہ کلام کی بلاغت، بیان کی ندرت اور طرزِ ادا کی لطافت میں کہیں جھول نہ آئے، بہت دشوار ہے، کیونکہ ہر فن کا ایک خاص لب و لہجہ، خاص پیرایہ اور خاص طریقۂ بیان ہوتا ہے اور یہ مانی ہوئی بات ہے کہ علمی مطالب میں نہ بلیغانہ تعبیرات کی گنجائش ہوتی ہے اور نہ ان میں اعلیٰ معیار بلاغت کو باقی رکھا جا سکتا ہے، کیونکہ ٹھوس حقائق کی وادی اور ہے اور بلاغت کا پر بہار چمن اور ہے۔ چنانچہ ابن خلدون کو یہ کہنا پڑا کہ علماء و فقہاء کی تحریروں میں فصاحت و بلاغت کو ڈھونڈنا بیکار ہے، کیونکہ فقہی عبارتیں، کلام و جدل کی تحریریں اور علمی و فنی تعبیریں اسلوب بلاغت سے میل نہیں کھاتیں۔

اہل فن کے ذہنوں میں جو مخصوص تعبیرات محفوظ ہوتی ہیں وہ انہی کو دہرانے پر مجبور ہوتے ہیں۔ وہ اگر اپنے بیان میں شعریت لانا بھی چاہیں گے تو ہر پھر کے وہی لفظیں، وہی تعبیریں ہوں گی جو ان کی زبانوں پر چڑھ کر منجھ چکی ہیں۔ چنانچہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ: ابو القاسم ابن رضوان نے ایک دفعہ ابو العباس ابن شعیب کے سامنے شاعر کا یہ شعر پڑھا:

لَمْ أَدْرِ حِيْنَ وَقَفْتُ بِالْأَطْلَالِ مَا الْفَرْقُ بَيْنَ جَدِيْدِهَا وَالْبَالِيْ

(''میں جب دوست کے کھنڈروں کے پاس ٹھہرا تو نہ جان سکا کہ نئے اور پرانے کھنڈروں میں کیا فرق ہے'')۔

تو ابو العباس نے فوراً کہا کہ: یہ کسی فقیہ کا شعر معلوم ہوتا ہے۔ اس نے کہا کہ: یہ مشہور فقیہ ابن النحوی کا شعر ہے، مگر آپ کو اس کا اندازہ کیسے ہوا؟ ابو العباس نے کہا: اس میں لفظ ''مَا الْفَرْقُ'' بآنگ دہل پکار رہی ہے کہ میں کسی فقیہ کی زبان سے نکلی ہوں۔ بھلا اس لفظ کو بلاغت اور اسلوب کلام عرب سے کیا واسطہ اور فقہی زبان کو شعر و سخن کی زبان سے کیا لگاؤ؟!۔

لیکن امیر المومنین علیہ السلام کے کلام کی یہ نمایاں خصوصیت ہے کہ اس میں ادب کی سحر انگیزی اور علم و حکمت کی باریک نگاہی دونوں سمٹ کر جمع ہو گئی ہیں اور کسی پہلو میں بھی کمزوری کا شائبہ تک نہیں آنے پاتا۔ حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام وہ پہلے مفکرِ اسلام ہیں جنہوں نے خداوند عالم کی توحید اور اس کے صفات پر عقلی نقطۂ نظر سے بحث کی ہے اور اس سلسلہ میں جو خطبات ارشاد فرمائے ہیں وہ علم الٰہیات میں نقش اوّل بھی ہیں اور حرفِ آخر بھی۔ ان کی بلند نظری و معنی آفرینی کے سامنے حکماء و متکلمین کی ذہنی رسائیاں ٹھٹک کر رہ جاتی ہیں اور نکتہ رس طبیعتوں کو عجز و نارسائی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ بلاشبہ جن لوگوں نے الٰہیاتی مسائل میں علم و دانش کے دریا بہائے ہیں ان کا سرچشمہ آپؑ ہی کے حکیمانہ ارشادات ہیں۔

یوں تو مخلوقات کی نیرنگیوں سے خالق کی صنعت آفرینیوں پر استدلال کیا ہی جاتا ہے، لیکن جس طرح امیر المومنین علیہ السلام دنیائے کائنات کی چھوٹی سے چھوٹی اور پست سے پست مخلوق میں نقاشِ فطرت کی نقش آرائیوں کی تصویر کھینچ کر صانع کے کمالِ صنعت اور اس کی قدرت و حکمت پر دلیل قائم کرتے ہیں، وہ ندرتِ بیانی و اعجازِ کلامی میں اپنا جواب نہیں رکھتی۔ اس موقع پر صرف طاؤس کی خوش خرامی اور اس کے پر و بال کی رنگینی و رعنائی ہی نظروں کو جذب نہیں کرتی، بلکہ چمگادڑ، ٹڈی اور چیونٹی ایسی روندی ہوئی اور ٹھکرائی ہوئی مخلوق کا دامن بھی فطرت کی فیاضیوں سے چھلکتا ہوا نظر آتا ہے۔

ان خطبات و نگارشات میں ما بعد الطبیعاتی و نفسیاتی مسائل کے علاوہ اخلاقی، تمدنی، معاشرتی اصول، عدل و دادخواہی کے حدود، حرب وضرب کے ضوابط اور عمال و محصلین زکوٰۃ کیلئے ہدایات بھی نمایاں حیثیت رکھتی ہیں اور ایک ایسا مکمل و جامع دستورِ حکومت بھی ان صفحات کی زینت ہے جس کی افادیت اس ترقی یافتہ دور میں بھی مسلم ہے کہ جب سیاست مدنی کے اصول اور جمہوری و غیر جمہوری حکومتوں کے آئین منضبط ہو چکے ہیں، یہ صرف نظریاتی چیز نہیں، بلکہ ایک عملی لائحہ ہے جس پر مسلمانانِ عالم بڑی آسانی سے عمل پیرا ہو کر دنیوی و اخروی ارتقاء کے اعلیٰ مدارج پر پہنچ سکتے ہیں۔

ان تحریروں میں اُن علمائے دنیا و فقہائے سوء کی فریب کاریوں سے بھی متنبہ کیا ہے کہ جنہیں علم سے تو کوئی لگاؤ ہوتا نہیں، مگر علماء کا روپ دھار کر مسند قضا پر بیٹھ جاتے ہیں اور علم و مشیخت کی دکان سجا کر دین فروشی کرتے ہیں۔ ''کہ ازیں خوب تر تجارت نیست''۔

بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ نہج البلاغہ کے تعلیمات دنیوی تعمیر و ترقی میں سد راہ ہیں۔ بیشک امیر المومنین علیہ السلام اس ترقی و فراوانیٔ دنیا کے خواہاں نہ تھے جو اسلام کی سادگی کو قیصری و کسروی رنگ میں رنگ دے، بلکہ اُن کا اصل مقصد ہمیشہ روحانی ترقی و اخلاقی بلندی رہا، لیکن اس کے ساتھ وہ رہبانیت کا درس نہ دیتے تھے۔ چنانچہ بصرہ میں جب عاصم بن زیاد کے متعلق اس کے بھائی نے آپؑ سے گلہ کیا کہ وہ گھر بار اور زن و فرزند کو چھوڑ کر گوشہ گزیں ہو گیا ہے تو حضرتؑ نے اُسے بلایا اور سختی سے ڈانٹا کہ وہ اس ڈھونگ کو جلد ختم کرے اور دنیا کی نعمتوں سے بہرہ مند ہو۔

نہج البلاغہ میں جہاں جہاں ترکِ دنیا کی تعلیم ہے اس سے اس قسم کی رہبانیت قطعاً مراد نہیں ہے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ انسان دنیوی سروسامان پر بھروسا نہ کر بیٹھے کہ یہ صبح ہے تو شام نہیں، شام ہے تو صبح نہیں اور اس کی کامرانیوں اور دلفریبیوں میں کھو کر حیات بعد الممات سے غافل نہ ہو جائے۔ یہ مقصد نہیں کہ اس کی نعمتوں اور آسائشوں سے کلیۃً دستبردار ہو جائے۔ وہ انہیں حد اعتدال میں رہ کر استعمال کر سکتا ہے۔ البتہ دنیا کا بے اعتدالانہ استعمال جہاں اخلاقی تباہی کا پیش خیمہ اور روحانی زندگی کیلئے زہرِ ہلاہل بن جائے، کوئی اخلاقی رہنما اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔

نہج البلاغہ اخلاقی تعلیمات کا سرچشمہ ہے۔ اس کے مختصر جملے اور ضرب المثلیں، اخلاقی شائستگی، خود اعتمادی، حق گوئی اور حقیقت شناسی کا بہترین درس دیتی ہیں۔ اس کے ایک ایک فقرہ میں قرآن و حدیث کی روح اور اسلام کی صحیح تعلیم مضمر ہے۔ جن لوگوں نے اموی و عباسی دور کی نغمہ بار و حسن پاش رنگینیوں سے اسلامی اخلاق کا اندازہ لگایا ہے وہ اسلام کی پاکبازانہ تعلیم اور اس کے بلند معیارِ اخلاق سے بیگانہ ہیں اور اس وقت تک بیگانہ رہیں گے جب تک اس معلمِ اسلام کے حکمت آگین کلام کے آئینہ میں اسلام کے خدوخال کو پہچاننے اور اس کے بلند پایہ اسرار و نکات تک پہنچنے کی کوشش نہ کریں گے۔

علامہ شریف رضیؒ کا دنیائے علم و ادب پر بڑا احسان ہے کہ وہ ان جواہر ریزوں کو بڑی کاہش و کاوش اور تحقیق و جستجو سے جمع کرنے کے بعد نہج البلاغہ کے نام سے چھوڑ گئے جس کے بلند پایہ حکم و معارف نے دنیا کی نظروں کو اپنی طرف موڑ لیا اور علامہ ممدوح کے دور سے لے کر اس وقت تک ہر مکتب خیال کے علماء و فضلاء نے اس کے مطالب و حقائق کو بقدر امکان واضح کرنے کیلئے اس کی شرحیں لکھیں جن کی تعداد سو سے کچھ ہی کم ہو گی، لیکن اردو دان طبقہ نہ اصل کتاب سے مستفید ہو سکتا ہے اور نہ شرحوں تک اس کی رسائی ہے۔ اس لئے ضرورت تھی کہ ضروری تشریحات کے ساتھ اس کا صحیح اور سلیس اردو میں ترجمہ ہو جائے۔ یوں تو اردو میں اس کے متعدد تراجم ہو چکے ہیں مگر ''نیرنگ فصاحت'' کے علاوہ مکمل ترجمہ اس وقت تک منظرِ عام پر نہیں آیا۔ لیکن اس کے متعلق افسوس سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ اس میں بیشتر مواقع پر مطلب کچھ کا کچھ ہو گیا ہے، مگر اردو میں نقش اوّل ہونے کی وجہ سے اس کے فضل اقدمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

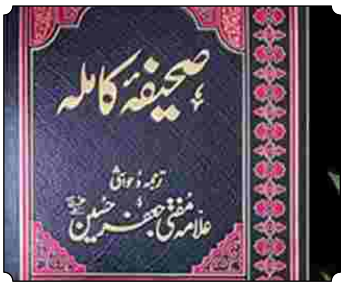

لاہور سے جس ترجمہ کو مکمل کہہ کے شائع کیا گیا ہے اسے مکمل کہنا واقع کے خلاف ہے اور پھر اس کا پہلا حصہ جو خطباتِ امیر المومنینؑ پر مشتمل ہے، اس میں بے احتیاطیوں کا یہ عالم ہے کہ جو شخص بھی اصل کتاب کو سمجھ سکتا ہے وہ اُس ترجمے کو دیکھے گا تو اس کی جبین پر شکن آئے بغیر نہ رہے گی اور مزید یہ کہ ادّعائے دیانت کے باوجود یہ روش بھی نظر آتی ہے کہ جہاں کسی جملہ کے

متعلق یہ خیال ہوا کہ اس سے کسی کی شخصیت مجروح ہوتی ہے تو سرے سے اس کا ترجمہ ہی غائب ہے۔ یہ مانا کہ اصل کلام کی خصوصیات ترجمہ میں منتقل نہیں کی جاسکتیں اور آئینہ کے بالمقابل پھول رکھ کر اس کی پتیوں کی تہہ میں لپٹی ہوئی خوشبو کی عکاسی ناممکن ہے کہ کوئی پھول کے عکس سے خوشبو سونگھنے کی توقع کرنے لگے، مگر پھول کی شکل وصورت اور رنگ روپ بھی نظر نہ آئے تو اس کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے کہ آئینہ ہی دھندلا ہے۔

ان حالات میں، مَیں نے نہج البلاغہ کا ترجمہ پیش کرنے کی جرأت کی ہے۔ ترجمہ جیسا کچھ بھی ہے آپ کے سامنے ہے۔ میری کوشش تو یہی رہی ہے کہ میرے امکانی حدود تک ترجمہ صحیح ہو، لیکن میری کوشش کہاں تک بار آور ہوئی ہے اس کا اندازہ اربابِ علم ہی کر سکتے ہیں۔ میرے صحیح سمجھنے یا کہنے سے کیا ہوتا ہے۔ یہ تو ممکن ہی نہیں ہے کہ ترجمہ میں اصل کی لطافت و بلاغت اور علوی نطق وفصاحت کے جوہر کو سمویا جاسکے تاہم:

آبِ دریا را اگر نتوان کشیدھم بہ قدر تشنگی باید چشید!

جو ہوسکتا ہے وہ ظاہر الفاظ کا ایک حد تک صحیح ترجمہ ہے۔ چنانچہ اس کے لئے میں نے کوئی کوشش اٹھا نہیں رکھی۔ اب اس سے اگر تھوڑی بہت جھلک بھی کلامِ امام کی سامنے آجائے تو وہی بہت ہے:

گر بمعنی نہ رسی جلوۂ صورت چہ کم است

ترجمہ وحواشی کے سلسلے میں تاریخ وسیر ورجال کی کتابوں کے علاوہ نہج البلاغہ کے متعدد تراجم وشروح بھی میرے پیش نظر رہے ہیں جن کا تفصیلی تذکرہ ضروری نہیں ہے۔ البتہ جن شروح سے میں نے خصوصیت کے ساتھ فائدہ اٹھایا ہے اور جابجا ان کا حوالہ دے دیا ہے، ان کا ذکر کیا جاتا ہے:

۱۔ ''اعلام نہج البلاغۃ''

اس کے مصنف علی ابن الناصر ہیں جو جناب سیّد رضیؒ کے معاصر تھے۔ یہ نہج البلاغہ کی سب سے پہلی شرح ہے۔ گو مختصر ہے، لیکن حل لغات وتشریح مطالب کے لحاظ سے بہت بلند پایہ ہے۔ اس کا قلمی نسخہ لکھنؤ میں کتب خانہ جناب سیّد تقی صاحب اعلی اللہ مقامہ میں موجود ہے۔ وہیں سے اس کو حاصل کر کے دیکھا۔

۲۔ ''شرح ابن میثم''

شیخ کمال الدین میثم ابن علی ابن میثم بحرانی متوفی ۶۷۹ ہجری کی تصنیف ہے جو علمائے امامیہ میں بڑی بلند شخصیت کے مالک تھے۔ ان کی شرح معنی آفرینی ودقیقہ سنجی کے اعتبار سے بہت شہرت رکھتی ہے۔

۳۔ ''شرح ابن ابی الحدید''

ابو حامد عبد الحمید ابن ہبۃ اللہ معروف بہ ''ابن ابی الحدید'' مدائنی بغدادی، متوفی ۶۵۵ ہجری کی تصنیف ہے۔ یہ علمائے معتزلہ میں سے تھے۔ ان کی شرح شہرۂ آفاق ہے اور اہم مطالب پر مشتمل ہے اور مصر وایران میں طبع ہو چکی ہے۔

۴۔ ''دُرّۂ نجفیہ''

الحاج میرزا ابراہیم خوئی شہید ۱۳۲۵ ہجری کی تصنیف ہے۔ مشہور ومتداول شرح ہے۔ شرح ابن میثم سے متاثر ہو کر لکھی ہے اور اس کے علمی مطالب کو اپنی کتاب میں ''قال الفاضل'' کہہ کر درج کرتے ہیں اور کہیں کہیں پر اُن کے نقطۂ نظر سے اختلاف بھی کیا ہے۔ اس میں لغوی تشریحات بڑی وضاحت سے درج ہیں۔

۵۔ ''منہاج البراعۃ''

سیّد حبیب اللہ خوئی متوفی حدود ۱۳۲۶ ہجری کی تصنیف ہے۔ یہ شرح بہت بسیط اور تفصیلی واقعات پر مشتمل ہے۔ اکثر مواقع پر ابن ابی الحدید سے اُلجھے ہیں اور کہیں کہیں ابن میثم پر تنقید بھی کی ہے۔ شرح عربی میں ہے اور فارسی زبان میں ترجمہ بھی ساتھ ساتھ ہے۔

تشکر وامتنان

میں اپنے بزرگ ومحترم حضرت سیّد العلماء دام ظلہ کا صمیم قلب سے شکر گزار ہوں، جنہوں نے میری عرضداشت پر ترجمہ وحواشی کے بیشتر اجزا سماعت فرمانے کے بعد اس پر ایک بسیط ومحققانہ مقدمہ تحریر فرمایا اور مختلف موارد پر اپنے زرّیں مشوروں سے رہنمائی فرمائی۔ خداوند عالم آپ کے فیوض و برکات کو تا دیر باقی وبرقرار رکھے۔

الاحقر المذنب

جعفر حسین

عفی اللہ عنہ

☆☆☆☆☆

سید العلماء علاّمہ علی نقی النقوی رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ قرآن کے امتیازات

بقلم مبارک قائدِ ملّت جعفریہ علاّمہ مفتی جعفر حسین اعلیٰ اللہ مقامہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قرآن مجید اسلامی تعلیمات کا وہ سر چشمہ ہے جس کے مندرجات کی نشر واشاعت کو ہمیشہ مسلمانوں نے ایک اہم دینی فریضہ سمجھا۔عرب قوم یا عربی دان جماعت کے لیے تو اس کے ترجمے کا کوئی سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ان کے لیے صرف تفسیر وتشریح کی ضرورت تھی۔مگر ایران اور ہندوستان کے ایسے ملکوں میں جہاں کے زیادہ تر افراد عربی زبان سے ناواقف تھے۔اس کے تحت اللفظی معانی کے سمجھانے کے لیے ترجموں کی ضرورت محسوس ہوئی۔چنانچہ گیارہویں صدی ہجری میں ایران میں جمال المحققین آقا جمال خوانساری نے جو فقیہ اور محقق بھی تھے فارسی میں بہترین ترجمہ قرآن فرمایا۔ہندوستان میں اس کے بعد علماء اہلِ سنت میں شاہ ولی اللہ دہلوی نے اس کا آغاز کیا تو سطحی نگاہ والے سوادِ اعظم کے مدعیان علم میں مشہور ہو گیا کہ ترجمہ قرآن جائز نہیں ہے۔آخر یہ شور وغوغا ختم ہوا اور بالغ نظر محققین علماء نے یہ طے کر دیا کہ عوام کو مضامین قرآن پر مطلع کرنے کے لیے ترجمہ امر مستحسن ہے۔بے شک ترجمہ کو اصل قرآن کا درجہ نہیں حاصل ہو سکتا اور ترجمہ کے پڑھنے سے ثواب تلاوت قرآن کا استحقاق نہیں ہوگا۔یہی نظریہ ہے جو بالکل مسلمات میں داخل ہے اور حق وصواب ہے۔شیعوں میں سے سب سے پہلا ترجمہ قرآن جناب غفران مآب مولانا سید دلدار علی طاب ثراہ کے فرزندِ ارجمند جناب مولانا سید علی صاحب متوفی ۱۲۵۹ھ نے کیا جو ان کی اردو تفسیر "توضیح المجید" کے ضمن میں ہے۔اس کے بعد سنی وشیعہ بہت سے علماء اس کام کو انجام دیتے رہے مگر ظاہر ہے کہ ترجمہ عربی زبان پر پورے عبور کے ساتھ اردو محاورات میں کامل اقتدار کا طلبگار ہے اور خود اردو زبان کا معیار مختلف ادوار میں اب تک برابر بدلتا رہا اور اونچے سے اونچا ہوتا رہا اس لیے ہر دوسرے دور میں پہلے کا ترجمہ ناکافی معلوم ہوا اور یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔اب تک کے ترجموں میں بلاخوف انکار کہا جا سکتا ہے کہ سب سے پہلا ترجمہ مولانا حافظ سید فرمان علی صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ کا ہے جو مختصر تفسیر وحواشی کے ساتھ شائع ہوا ہے مگر زمانہ کے ارتقاء کے ساتھ مختلف پہلوؤں کے سامنے آنے کی وجہ سے پھر بھی ایک بلند معیار کی تشنگی محسوس ہوتی رہی۔خصوصًا حواشی میں، اس لیے کہ فرمان علی صاحب مرحوم نے متعدد مقامات پر تفاسیر اہلِ سنت پر اعتماد کر کے حواشی تحریر کر دیئے ہیں جو کسی نہ کسی حیثیت سے ہمارے مستند تفاسیر اور ثابت شدہ نظریات کے خلاف ہیں۔اس کے لیے مزید ترجمہ اور حواشی کی ضرورت برقرار رہی۔شکر ہے کہ اس ضرورت کی طرف جناب سید العلماء مولانا سید علی نقی صاحب قبلہ مدظلہ، کی توجہ مبذول ہو گئی۔موصوف کے جو قرآنی خدمات اب تک منظر عام پر آئے ہیں۔نیز آپ کی تقریریں اور بیانات جو ہزاروں آدمیوں کے گوش زد ہوتے رہے ہیں ان کے بناء پر علوم القرآن میں آپ کا تبحر ایک مسلم الثبوت حیثیت رکھتا ہے۔اس کے علاوہ اردو کے صاحب زبان ہونے کے ساتھ اپنے ادبی کمال کی بلندی کے لحاظ سے بھی ان کا امتیاز مسلّم ہے۔یہی دو چیزیں ہیں جو ترجمہ کی کامیابی کی ضامن ہیں۔چنانچہ آپ کے ترجمہ کا پہلا پارہ جو اب منظر عام پر آ رہا ہے ان تمام خصوصیات کا حامل ہے جن کی توقع آپ کے ترجمہ میں کی جا سکتی

تھی۔ ذیل میں کچھ ممتاز تراجم میں سے چند آیات قرآن کا ترجمہ اور ان کے بالمقابل جناب سید العلماء کا ترجمہ بطور نمونہ درج کیا جاتا ہے جس سے پتہ چلے گا کہ اس ترجمہ کو موجودہ تراجم میں کیا امتیاز حاصل ہے۔

۱۔﴿بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ﴾ (سورۂ حمد، آیہ۱) مولانا فرمان علی صاحب مرحوم:

خدا کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو بڑا مہربان رحم والا ہے۔ مولانا عبدالماجد صاحبدریابادی:

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے۔ مولانا علی نقی صاحب قبلہ:

سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے۔

مختصر تشریح: رحمٰن اور رحیم کے لفظوں میں فرق یہ ہے کہ رحمٰن اس رحمت کو بتاتا ہے، جو دوست و دشمن اور مومن و کافر سب کو عام ہے اور ایسی رحمت اللہ سے مخصوص ہے اسی لیے غیر اللہ پر اس لفظ کا اطلاق نہیں ہوتا لیکن رحیم اس رحمت کا مظہر ہے، جو مومنین سے مختص ہے۔ یہ فرق گزشتہ ترجموں سے ظاہر نہیں ہوتا۔ وہ جو دوست و دشمن کو عام ہو اسے "مہربانی" کہنا درست نہیں بلکہ "فیض" کے لفظ سے اس کی تعبیر درست ہے۔ "رحم کرنا" ہماری زبان میں مصیبت کے وقت سے مختص ہے۔ یہ تمام انواع رحمت کو شامل نہیں۔ (شروع) کلام میں مقدر ہے لہذا ترجمہ میں بھی مقدر قرار دینا درست ہے۔ اسے مظہر بنا دینا ترجمہ کے حدود سے تجاوز ہے۔ پھر عبدالماجد صاحب کے ترجمہ کی ترکیب بھی اردو محاورہ کے مطابق نہیں ہے۔

۲۔﴿اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ﴾ (سورۂ حمد، آیہ۶)

مولانا فرمان علی صاحب: تو ہم کو سیدھی راہ پر ثابت قدم رکھ۔

مولانا عبدالماجد: چلا ہم کو سیدھا راستہ۔

مولانا علی نقی صاحب: بتا تا رہ ہم کو سیدھا راستہ۔

مختصر تشریح: پہلے ترجمہ میں "ہدایت" کے معنی ہی نہیں پیدا ہوتے۔ ثابت قدم رکھنا اس لفظ کے معنی نہیں ہیں۔ دوسرے میں "چلا" کی لفظ جبر کا توہّم پیدا کرتی ہے۔ آخری ترجمہ میں ہدایت کا مفہوم بھی آ گیا اور رہ کی لفظ سے ثابت قدم رکھنے کے معنی بھی آ گئے۔

۳۔﴿وَمِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ﴾ (سورۂ بقرہ، آیہ۳)

مولانا عبدالماجد صاحب: اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس سے خرچ کرتے رہتے ہیں۔

مولانا فرمان علی صاحب: اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے (راہِ خدا میں) خرچ کرتے ہیں۔

مولانا علی نقی صاحب: جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خیرات کرتے ہیں۔

تشریح: مطلق "خرچہ کرنا" کوئی مدح نہیں۔ فرمان علی صاحب نے اس کمی کو بریکٹ کے الفاظ سے پورا کیا ہے۔ مگر بریکٹ کا ترجمہ میں داخل ہونا درست نہیں۔ خیرات کی لفظ اس کمی کو دور کر دیتی ہے۔

۴۔﴿وَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ﴾ (سورۂ بقرہ، آیہ۵)

مولانا فرمان علی صاحب: اور یہی لوگ اپنے دلی مرادیں پائیں گے۔

مولانا عبدالماجد صاحب: یہی (پورے) بامراد ہیں۔

مولانا سید علی نقی صاحب: یہ ہیں جو ہر حیثیت سے بہتری پانے والے ہیں۔

تشریح: فلاح کے معنی ائمہ لغت کے قول کے مطابق انواعِ خیر کے شمول پر مشتمل ہیں۔ مراد کی لفظ انہی چیزوں کو شامل ہے جن کا انسان کو تصور اور جن کی طلب ہے۔ فلاح کی لفظ اس سے زیادہ کی حامل ہے۔

۵۔﴿اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ اشۡتَرَوُا الضَّلٰلَۃَ بِالۡہُدٰی ۪ فَمَا رَبِحَتۡ تِّجَارَتُہُمۡ وَمَا کَانُوۡا مُہۡتَدِیۡنَ﴾ (سورۂ بقرہ، آیہ۱۶)

مولانا فرمان علی صاحب: یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید کی، پھر نہ ان کی تجارت ہی نے کچھ نفع دیا اور نہ ان لوگوں نے ہدایت ہی پائی۔

مولانا عبدالماجد صاحب: یہ وہ لوگ ہیں کہ انہوں نے گمراہی خرید کرلی ہدایت کے بدلے، سونہ ان کی تجارت ہی سودمند ہوئی اور نہ وہ راہ یاب ہوئے۔

مولانا سید علی نقی صاحب: یہ ہیں وہ جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی مول لی تو نہ ان کے بیوپار نے نفع دیا اور نہ انہیں ہدایت ہی نصیب ہوئی۔تشریح: پہلے دونوں ترجموں میں سلاست کی کمی ہے اور پہلے ترجمہ میں پھر کی لفظ بے موقع اور دوسرے میں سو ہے جو متروک ہے اور راہ یاب کی ترکیب غریب ہے۔

۶۔﴿فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَ لَنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاتَّقُوا النَّارَ﴾(سورۂ بقرہ،آیہ۲۴)

مولانا فرمان علی صاحب: پس اگر تم یہ نہیں کر سکتے اور ہرگز نہیں کر سکو گے تو اس آگ سے ڈرو۔

مولانا عبدالماجد صاحب: اور اگر یہ نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے تو پھر اس آگ سے ڈرو۔

مولانا سید علی نقی صاحب: اب اگر تم نے ایسا نہ کیا اور ہرگز نہیں کرو گے تو پھر بچنے کا سامان کرو اس آگ سے۔تشریح: سکو، کی لفظ ان دونوں ترجموں میں اصل سے زائد ہے۔اس کے بعد اتقاء کے معنی ڈرنے کے ہیں ہی نہیں۔ بچنے کا سامان کرنا اس کے لغوی معنی سے مطابق بھی ہے اور اصل مفہوم کو بھی زیادہ واضح کرتا ہے۔

۷۔﴿هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ لَكُمۡ مَّا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا ثُمَّ اسۡتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ﴾(سورۂ بقرہ،آیہ۲۹)

مولانا فرمان علی صاحب: وہی تو وہ (خدا) ہے جس نے تمہارے نفع کے لیے زمین کی کل چیزوں کو پیدا کیا پھر آسمان (کے بنانے) کی طرف متوجہ ہوا تو سات آسمان ہموار اور (مستحکم) بنا دیئے۔

مولانا عبدالماجد صاحب: وہ وہی (خدا) ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لیے جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب پھر اس نے آسمان کی طرف توجہ کی اور اُنہیں سات آسمان درست کر کے بنا دیئے۔

مولانا علی نقی صاحب: وہ وہ ہے جس نے تمہارے لیے پیدا کیا جو کچھ زمین میں ہے سب، پھر آسمان کی طرف رخ کیا تو انہیں سات آسمانوں کی صورت میں درست کیا۔تشریح: پہلے ترجموں میں سلاست کی کمی نمایاں ہے۔

۸۔﴿اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَلِیۡمُ الۡحَكِیۡمُ﴾(سورۂ بقرہ،آیہ۳۲)

مولانا فرمان علی صاحب: تو بڑا جاننے والا مصلحتوں کا پہچاننے والا ہے۔مولانا عبدالماجد صاحب: بے شک تو ہے بڑا علم وحکمت والا۔

مولانا علی نقی صاحب: یقیناً تو بڑا جاننے والا، مناسب ہی کام انجام دینے والا ہے۔

تشریح: حکیم کی لفظ کا ترجمہ ان دونوں میں مفقود یا ناقص ہے۔

۹۔﴿فَتَكُوۡنَا مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ﴾(سورۂ بقرہ،آیہ۳۵)

مولانا عبدالماجد صاحب: ورنہ تم گنہ گاروں میں سے ہو جاؤ گے۔

مولانا فرمان علی صاحب: (ورنہ) پھر تم اپنا آپ نقصان کرو گے۔

مولانا علی نقی صاحب: ورنہ تم حد سے قدم آگے بڑھانے والوں میں سے ہو گے۔

تشریح: ظالمین کا ترجمہ گنہ گار غلط بھی ہے اور مخالفت عصمت سے زیادہ قریب بھی۔دوسرے ترجمہ میں عصمت کا تحفظ کیا گیا ہے مگر اپنا آپ الفاظ قرآن کے حدود سے خارج ہے۔آخری ترجمہ میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو لفظی مفہوم کے حدود سے خارج ہو اور وہ خود قرآن میں جو الفاظ ظالم کی تشریح ہے اس کے مطابق ہے کہ ﴿وَمَنۡ یَّتَعَدَّ حُدُوۡدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ﴾(سورۂ بقرہ،آیہ۲۲۹)

۱۰۔﴿وَلَا تَكُوۡنُوۡۤا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ﴾(سورۂ بقرہ،آیہ۴۱)

مولانا فرمان علی صاحب: اور تم سب سے پہلے اس کے انکار پر موجود نہ ہو جاؤ۔

مولانا عبدالماجد صاحب: اور مت بنو اس کے ساتھ اوّلین کفر کرنے

والے۔

مولانا علی نقی صاحب: اوراس کے اوّل نمبر کے منکر نہ بنو۔تشریح: پہلے دونوں ترجموں سے اوّلیت باعتبار زمانہ مستفاد ہوتی ہے حالانکہ یہ مقصود نہیں ہے بلکہ اوّلیت باعتبار شدت انکار مراد ہے۔نیز پہلے دونوں ترجموں میں سلاست کی کمی بھی ظاہر ہے۔

۱۱۔﴿وَ اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ وَ اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ﴾(سورۂ بقرہ،آیہ۴۵)

مولانا فرمان علی صاحب: اور (مصیبت کے وقت) صبر اور نماز کا سہارا پکڑو اور البتہ نماز دوبھر تو ہے مگر ان خاکساروں پر (نہیں)

مولانا عبدالماجد صاحب: اور صبر اور نماز سے مدد چاہو اور وہ بے شک گراں ہے مگر خشوع رکھنے والوں پر (نہیں)

مولانا علی نقی صاحب: اور سہارا لو صبر اور نماز کا اور یقیناً وہ گراں ہے (سب ہی پر) سوا عظمتِ الٰہی سے متاثر دل رکھنے والوں کے لیے۔تشریح: سہارا پکڑنے سے سہارا لینا زیادہ فصیح ہے۔ پہلے دونوں ترجموں میں بریکٹ میں (نہیں) کی لفظ بلاضرورت ہے، عربی کے قاعدے سے جو شے مقدر مانی جاتی ہے اسی کا بیان معنیٰ میں اضافہ کیا جا سکتا ہے۔عربی کے لحاظ سے اس استثناء کے قبل مستثنیٰ منہ مقدر ہوتا ہے جیسے سب ہی پر کی لفظ ظاہر کرتی ہے نہیں تو الا کی لفظ سے ضمناً ظاہر ہوتا ہے جیسے سوا کی لفظ ظاہر کر دیتی ہے۔خاکساروں، متواضعین کا ہم معنیٰ ہے خاشعین کا نہیں۔دریابادی صاحب کے ترجمہ میں خشوع رکھنے والوں، کہا گیا ہے۔اس میں خاشعین کی لفظ سے جو واقف نہ ہو تو اس کے لیے ترجمہ ہی نہیں کیا گیا ہے۔یہ تمام نقائص آخری ترجمہ میں دور کر دیئے گئے ہیں۔

۱۲۔﴿وَ اَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾(سورۂ بقرہ،آیہ۴۷)

مولانا فرمان علی صاحب: ہم نے تم کو سارے جہاں کے لوگوں سے بڑھا دیا۔مولانا عبدالماجد صاحب: تمہیں دنیا جہاں والوں پر فضیلت دی۔مولانا علی نقی صاحب: میں نے تمہیں تمام خلائق سے زیادہ عطا کیا۔

تشریح: یہ بنی اسرائیل سے خطاب ہے۔پہلے دونوں ترجموں میں﴿فَضَّلْتُكُمْ﴾ کو فضیلت سے مشتق قرار دیا ہے حالانکہ بنی اسرائیل کا تمام اقوام سے افضل ہونا قرآن کی دوسری آیتوں کے خلاف ہے۔حقیقت میں﴿فَضَّلْتُكُمْ﴾ فضل بمعنی زیادتی عطا سے مشتق ہے جس کا تیسرے ترجمہ میں تحفظ کیا گیا ہے

۱۳۔﴿وَ اِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَ يَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ﴾(سورۂ بقرہ،آیہ۴۹)

مولانا فرمان علی صاحب: اور (اس وقت کو یاد کرو) جب ہم نے تمہیں (تمہارے بزرگوں) قوم فرعون (کے پنجے) سے چھڑایا جو تمہیں بڑے بڑے دکھ دے کے ستاتے تھے۔تمہارے لڑکوں پر تو چھری پھیرتے تھے اور تمہاری عورتوں کو (اپنی خدمت کے لیے) زندہ رہنے دیتے تھے۔

مولانا عبدالماجد صاحب: اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تمہیں فرعون والوں سے نجات دی تھی۔جو تمہارے اوپر بڑا عذاب توڑ رہے تھے۔تمہارے لڑکوں کو قتل کر ڈالتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رہنے دیتے تھے۔

مولانا علی نقی صاحب: اور اس وقت جب ہم نے تمہیں فرعون والوں سے چھٹکارا دیا جو تمہیں بُری طرح تکلیفیں پہنچاتے تھے۔تمہارے لڑکوں کو حلال کر ڈالتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھ لیتے تھے۔

تشریح: پہلے ترجمہ میں بریکٹ کے الفاظ کی زیادتی ترجمہ کے حدود سے تجاوز کر گئی ہے۔دوسرے ترجمہ میں زندہ رہنے دیتے تھے، کسی مصیبت کا پتہ نہیں دیتا۔اس کمی کو پہلے ترجمہ میں بریکٹ کے الفاظ (اپنی خدمت کے لیے) سے پورا کیا گیا تھا۔رہنے دیتے تھے میں یہ بھی نقص ہے کہ دیتے کی لفظ وہاں صحیح ہے جو دوسرے پر کوئی کرم مقصود ہو۔آخری ترجمہ میں رکھ لیتے تھے، کی لفظ اختصار کے ساتھ محاورہ کے اندر اس نقص کو دور کر دیتی ہے۔

۱۳۔﴿فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ﴾(سورۂ بقرہ،آیہ۵۵)

مولانا فرمان علی صاحب: اس پر تمہیں بجلی نے لے ڈالا۔

مولانا عبدالماجد صاحب: اس پر تم کو آلیا کڑک نے۔

مولانا علی نقی صاحب: اس پر تمہیں بجلی نے گرفت میں لے لیا۔

تشریح: اس ترجمہ کی فصاحت نمایاں ہے۔

۱۴۔﴿فَلَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ۚ وَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ﴾(سورۂ بقرہ، آیہ ۶۲)

مولانا فرمان علی صاحب: بے شک مسلمانوں اور یہودیوں اور نصرانیوں اور لامذہبوں میں سے جو کوئی خدا اور آخرت پر ایمان لائے اور اچھے اچھے کام کرتا ہے تو اُنہیں کے لیے ان کا اجر و ثواب ان کے خدا کے پاس ہے اور نہ (قیامت میں) ان پر کسی قسم کا خوف ہوگا۔ نہ وہ رنجیدہ دل ہوں گے۔

مولانا عبدالماجد صاحب: بے شک جو لوگ ایمان لا چکے ہیں اور جو لوگ یہودی ہوئے اور انصاری اور صابی (غرض) جو کوئی بھی اللہ اور آخرت پر ایمان لے آئے اور نیک عمل کرے سو ان (سب) کے لیے ان کے پروردگار کے پاس ان کا اجر ہے اور نہ کوئی اندیشہ ان کے لیے ہے اور نہ وہ کوئی غم کریں گے۔

مولانا علی نقی صاحب: یقیناً جو مسلمان ہی ہوں اور جو پہلے یہودی، عیسائی اور صابی تھے جو کوئی بھی اللہ اور آخرت پر واقعی ایمان رکھے اور نیک عمل کرے تو ان کے لیے ان کے پروردگار کے پاس ان کا اجر ہے اور ان کے لیے کوئی خوف نہیں ہے اور نہ وہ رنج میں مبتلا ہوں گے۔

تشریح: پہلے ترجموں سے خیال ہوتا ہے کہ نجات مسلمانوں سے مخصوص نہیں ہے، حالانکہ یہ حقیقت کے خلاف ہے۔ تیسرے ترجمہ میں اس کا تحفظ کیا گیا ہے۔

۱۵۔﴿وَلَمَّا جَآءَهُمۡ كِتٰبٌ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمۡ ۙ وَكَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ يَسۡتَفۡتِحُوۡنَ عَلَى الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمۡ مَّا عَرَفُوۡا كَفَرُوۡا بِهٖ﴾(سورۂ بقرہ، آیہ ۸۹)

مولانا فرمان علی صاحب: اور جب ان کے پاس خدا کی طرف سے کتاب (قرآن) آئی اور وہ اس (کتاب توریت) کی جو ان کے پاس ہے تصدیق بھی کرتی ہے اور اس سے پہلے (اس کی امید پر) کافروں پر فتح یاب ہونے کی دُعائیں مانگتے تھے پس جب ان کے پاس وہ چیز جسے پہچانتے تھے آ گئی تو لگے انکار کرنے۔

مولانا عبدالماجد صاحب: اور جب ان کے پاس ایک کتاب اللہ کے پاس سے پہنچ گئی تصدیق کرنے والی اس کے جو ان کے پاس (پہلے سے) موجود ہے اور اس سے قبل یہ (خود ہی) کافروں سے بیان کیا کرتے تھے پھر جب ان کے پاس وہ آ گیا، جس کو خوب پہچانتے تھے تو اسی سے کفر کر بیٹھے۔

مولانا علی نقی صاحب: اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف کی وہ کتاب آئی جو ان کے پاس والی (کتاب) کی تصدیق کرنے والی ہے تو باوجود یکہ اس کے پہلے یہ لوگ خود کافروں کے سامنے اس کتاب کی پیش گوئی کر کے اپنی فتح و ظفر کا اعلان کرتے رہتے تھے، اب جسے وہ پہلے سے جانتے تھے جب ان کے پاس آئی تو یہ خود اس کے منکر ہو گئے۔ تشریح: پہلے ترجمہ میں کتاب اور تصدیق کرنے والی معطوف اور معطوف علیہ کے طور پر لایا گیا ہے جو غلط ہے۔ دوسرے میں "ایک کتاب" کی لفظ سے ابہام پیدا کر دیا ہے۔ حالانکہ توصیف کے لیے "ایسی" کی لفظ کی ضرورت ہے جس سے ایک طرح کی تعیین ہو جاتی ہے۔ ﴿يَسۡتَفۡتِحُوۡنَ﴾ کے معنی "بیان کیا کرتے تھے" فتح کے معنی پر مشتمل نہیں ہیں جسے لفظ ﴿يَسۡتَفۡتِحُوۡنَ﴾ متضمن ہے۔ حالیہ ترجمہ میں یہ سب نقائص دور کر دیئے گئے ہیں۔

۱۶۔﴿وَلَتَجِدَنَّهُمۡ اَحۡرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۛۚ وَمِنَ الَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡا ۛۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمۡ لَوۡ يُعَمَّرُ اَلۡفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحۡزِحِهٖ مِنَ الۡعَذَابِ اَنۡ يُّعَمَّرَ﴾(ورۂ بقرہ، آیہ ۹۶)

مولانا فرمان علی صاحب: تم ان (ہی) کو زندگی کا سب سے زیادہ حریص پاؤ گے اور مشرکوں سے ہر ایک شخص چاہتا ہے کہ کاش اس کو ہزار برس کی عمر دی جاتی حالانکہ اگر اتنی طولانی عمر بھی دی جاوے تو وہ (خدا کے) عذاب سے چھٹکارا دینے والی نہیں۔

مولانا عبدالماجد صاحب: آپ اُنہیں زندگی پر حریص سب لوگوں سے بڑھ کر پائیں گے یہاں تک کہ مشرکوں سے بھی بڑھ کر ان میں سے ایک ایک یہ چاہتا ہے کہ ہزار ہزار برس کی عمر پاوے حالانکہ اگر اتنی عمر پا بھی جائے

تو یہ (امر) اسے عذاب سے تو نہیں بچا سکتا۔

مولانا علی نقی صاحب: اور ایک خاص (باعیش ونشاط) زندگی کی لالچ ان میں سب سے یہاں تک کہ مشرکین سے بھی زیادہ پاؤ گے ان میں سے ہر ایک چاہتا ہے کہ کاش اسے ہزار برس کی عمر ملتی حالانکہ اس عمر کا ملنا بھی اسے عذاب الٰہی سے نہیں بچا سکتا۔ تشریح: پہلے ترجمہ میں ﴿مِنَ الَّذِیۡنَ اَشۡرَکُوۡا﴾ کو بعد کے فقرہ سے متعلق کر دیا ہے جو غلط ہے۔ "زندگی" کی لفظ دونوں پہلے ترجموں میں اس طرح لائی گئی ہے کہ تنوین کے معنی پیدا نہیں ہوتے۔

۱۷۔ ﴿مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰیَۃٍ اَوۡ نُنۡسِہَا نَاۡتِ بِخَیۡرٍ مِّنۡہَاۤ اَوۡ مِثۡلِہَا﴾ (سورۂ بقرہ، آیہ ۱۰۶)

مولانا فرمان علی صاحب: (اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم جب کوئی آیت منسوخ کرتے ہیں یا (تمہارے ذہن سے) مٹا دیتے ہیں، تو اس سے بہتر یا ویسی (اور) نازل بھی کر دیتے ہیں۔

مولانا عبدالماجد صاحب: ہم جس آیت کو منسوخ کر دیتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں، تو کوئی اس سے بہتر ہی یا مثل اس کے لے آتے ہیں۔

مولانا علی نقی صاحب: جس آیت کو ہم منسوخ کرتے ہیں یا بھول جانے دیتے ہیں، اس سے بہتر یا اس کے مثل دوسری ہم پیش کر دیتے ہیں۔

تشریح پہلا ترجمہ بریکٹ کے الفاظ "تمہارے ذہن سے" کی وجہ سے عقائد حقہ کے مخالف ہو گیا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شایان شان یہ نہیں ہے کہ وہ آیات الٰہیہ کو بھول جائیں۔ دوسرے ترجمہ میں یہ پہلو نمایاں نہیں ہے مگر بھلا دینا جبر کا پتا دیتا ہے۔ یعنی اقوام کو انبیاءؑ کے تعلیمات بھلا دینے کا ذمہ دار اللہ کو قرار دیتا ہے، یہ بھی درست نہیں ہے۔ تیسرے ترجمہ میں ان سب باتوں کا تحفظ ہے۔ یہاں بھولنا خود ان قوموں کا عمل قرار دیا گیا ہے۔ اللہ کی طرف سے اتنا ہی کہ وہ اس کے خلاف جبر اپنا صرف نہیں کرتا کہ زبردستی انہیں بھولنے سے مانع ہو۔ ﴿نُنۡسِہَا﴾ کا یہ ترجمہ اسی طرح درست ہے جس طرح ﴿یَضِلُّ مَنۡ یَّشَآءُ﴾ کا یہ ترجمہ کہ اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ ہو جانے دیتا ہے جو عقیدہ حق کے مطابق ہے۔

۱۸۔ ﴿وَلِلّٰہِ الۡمَشۡرِقُ وَالۡمَغۡرِبُ فَاَیۡنَمَا تُوَلُّوۡا فَثَمَّ وَجۡہُ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ﴾ (سورۂ بقرہ، آیہ ۱۱۵)

مولانا فرمان علی صاحب: ساری زمین خدا ہی کی ہے (کیا) پورب (کیا) پچھّم پس جہاں کہیں (قبلہ کی طرف) رخ کرو وہیں خدا کا سامنا ہے۔ بے شک وہ بڑی گنجائش والا اور خوب واقف ہے۔

مولانا عبدالماجد صاحب: اور اللہ ہی کا ہے مشرق (بھی) اور مغرب (بھی) سو تم جدھر کو بھی منہ پھیرو اللہ ہی کی ذات ہے۔ اللہ بڑا وسعت والا ہے علم والا ہے۔

مولانا علی نقی صاحب: اور اللہ کے مشرق اور مغرب دونوں ہی ہیں تو جدھر رخ کرو، اللہ کی مرضی مل سکتی ہے۔ یقیناً اللہ وسعت والا بڑا علم رکھنے والا ہے۔ تشریح: پہلے ترجمہ میں بریکٹ میں (قبلہ کی طرف) کہہ کر سمت کو محدود بنا دیا گیا ہے جو اصل مضمون آیت کے خلاف ہے۔ اللہ کا سامنا اور اللہ کی ذات سے جو ان دونوں ترجموں میں ہے اللہ کی مرضی زیادہ مناسب ترجمہ ہے جس معنی سے خَالِصَۃً لِوَجۡہِ اللّٰہِ کا محاورہ ہے۔

۱۹۔ ﴿وَلَا تُسۡـَٔلُ عَنۡ اَصۡحٰبِ الۡجَحِیۡمِ﴾ (سورۂ بقرہ، آیہ ۱۱۹)

مولانا فرمان علی صاحب: اور دوزخیوں کے بارے میں تم سے کچھ نہ پوچھا جاوے گا۔

مولانا عبدالماجد صاحب: اور آپ سے اہل دوزخ کی بابت کچھ بھی پوچھ نہ ہوگی۔

مولانا علی نقی صاحب: اور دوزخ جانے والوں کی جوابدہی تم پر نہیں ہے۔ تشریح: اس ترجمے سے مفہوم غالباً زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔

۲۰۔ ﴿رَبَّنَا وَاجۡعَلۡنَا مُسۡلِمَیۡنِ لَکَ وَمِنۡ ذُرِّیَّتِنَاۤ اُمَّۃً مُّسۡلِمَۃً لَّکَ﴾ (سورۂ بقرہ، آیہ ۱۲۸)

مولانا فرمان علی صاحب: اے ہمارے پالنے والے تو ہمیں اپنا فرمانبردار بندہ بنا اور ہماری اولاد سے ایک گروہ (پیدا کر) جو تیرا فرمانبردار ہو۔

مولانا عبدالماجد صاحب: اے پروردگار ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار بنا دے

اور ہماری نسل سے ایک فرمانبردار امت پیدا کر۔

مولانا علی نقی صاحب: پروردگارا! اور یہ عرض ہے کہ ہم دونوں کو اپنی بارگاہ میں "مسلم" قرار دے اور ہماری نسل میں سے بھی ایک امت قرار دے جو تیری بارگاہ میں مسلم ہو۔تشریح: قرآن کی دوسرے آیتوں میں بتایا گیا ہے کہ مسلم کی لفظ ابراہیمؑ نے اس وقت کے لیے بطور نام کے قرار دیا ہے لہذا اس کا ترجمہ وصفی طور پر کر دینا اس کی اسمی حیثیت کو ختم کر دیتا ہے۔ہاں تفسیری نوٹ کے طور پر "مسلم" کے معنی ظاہر کر دیا جائیں تو بہتر ہے۔

۲۱۔﴿اَمۡ تَقُوۡلُوۡنَ اِنَّ اِبۡرٰهٖمَ وَ اِسۡمٰعِيۡلَ وَ اِسۡحٰقَ وَ يَعۡقُوۡبَ وَ الۡاَسۡبَاطَ كَانُوۡا هُوۡدًا اَوۡ نَصٰرٰى قُلۡ ءَاَنۡتُمۡ اَعۡلَمُ اَمِ اللّٰهُ وَ مَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ كَتَمَ شَهَادَةً عِنۡدَهٗ مِنَ اللّٰهِ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ﴾(سورۂ بقرہ،آیہ۱۴۰)

مولانا فرمان علی صاحب: کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیمؑ واسماعیلؑ واسحاقؑ واولاد یعقوبؑ یہ سب کے سب یہودی یا نصرانی تھے (اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے) پوچھو تو کہ تم زیادہ واقف ہو یا خدا؟ اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جس کے پاس خدا کی طرف سے گواہی (موجود) ہو (کہ وہ یہودی تھے) اور پھر وہ چھپائے اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا اس سے بے خبر نہیں ہے۔

مولانا عبدالماجد صاحب: کیا تم یہ کہتے ہو کہ ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ اور اولاد (یعقوبؑ) یہودی یا نصرانی تھے؟ آپ کہیے تم واقف تر ہو یا اللہ؟ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اس شہادت کو چھپائے جو اس کے پاس اللہ کے حکم سے پہنچ چکی ہے۔ورنہ اللہ ہمارے کرتوتوں سے بے خبر تو نہیں ہے۔

مولانا علی نقی صاحب: کیا تم یہ کہتے ہو کہ ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ اور اسباط یہودی یا عیسائی تھے؟ ان سے کہنا چاہیے کہ تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ اور اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا کہ جو کسی گواہی کو جو اس کے پاس اللہ کی طرف سے ہے پوشیدہ کرے اور اللہ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہیں۔تشریح: پہلے ترجمہ میں یعقوبؑ کا ذکر اُڑا دیا گیا ہے اس کے علاوہ خدا کی طرف سے گواہی کے بعد بریکٹ میں یہ لکھ کر (کہ وہ یہودی تھے) مطلب ہی الٹا کر دیا۔اللہ کی گواہی تو یہ ہے کہ وہ یہودی اور نصرانی کوئی بھی نہ تھے بلکہ حنیف مسلم تھے۔دوسرے ترجمہ کے آخر میں تمہارے کرتوتوں کے بجائے "ہمارے" کر دیا گیا ہے۔تیسرا ترجمہ ان سب غلطیوں سے بری ہے۔جعفر حسین عفی اللہ عنہا دارہ علمیہ (پاکستان) لاہور۔

ایک ضروری وضاحت۔۔

برصغیر کی مایۂ ناز علمی شخصیت سید العلماء علاّمہ سید علی نقی النقوی اعلی اللہ مقامہ اِس دور میں برصغیر کے عظیم علماء کی تصویر اور تدریس وتقریر وتحریر کے میدان میں بے نظیر تھے۔بزرگ علماء کی طرح آپ نے تفسیر قرآن کے لیے قلم اُٹھایا اور ۲۷۲ صفحات کا اس کا مقدمہ لکھا۔۳ شعبان ۱۳۵۶ھ میں یہ مقدمہ مکمل ہوا اور ۱۳۵۹ھ میں ادارۂ علمیہ لکھنو سے شائع ہوا۔مقدمے کی اشاعت کے بعد علم دوست طبقہ کو اصل تفسیر کی اکیس سال انتظار کرنی پڑی اور ۱۳ صفر ۱۳۷۵ھ میں پہلا سپارہ تفسیری حواشی کے ساتھ مکمل ہوا اور شائع ہوا۔یہ تقریباً ۱۹۵۶ء کا سال تھا۔علاّمہ مفتی جعفر حسینؒ نے اس کی اشاعت پر یہ مضمون تحریر فرمایا جو پیش خدمت ہے۔ترجمہ وتفسیر کا یہ سلسلہ سپاروں کی صورت میں شائع ہوتا رہا اور تیسویں سپارے کی تکمیل ۱۵ ماہ رمضان ۱۴۰۷ھ کو ہوتی ہے۔یوں تیس سپاروں کی تکمیل میں بتیس سال لگ گئے۔اسے تفسیر فصل الخطاب کا نام دیا گیا اور پہلے تین سپاروں پر مبنی اس کی پہلی جلد ۱۹۸۰ء میں غلام محمد بٹ صاحب نے ثمر بُک مقبوضہ کشمیر سے شائع کرائی۔۱۹۸۸ء میں ثمر بُک سے ہی سات جلدوں پر مشتمل یہ تفسیر مکمل ہوئی ہے۔علامہ مفتی جعفر حسینؒ کا یہ مضمون ادارۂ علمیہ (پاکستان) لاہور نے اُس وقت شائع کیا تھا اور اس وقت اسے "مرکز احیاء آثار برصغیر" کے خصوصی رسالے "سیّد العلماء نمبر محرّم ۱۴۳۲ھ" سے نقل کیا گیا ہے۔مرکز افکارِ اسلامی نے تفسیر فصل الخطاب سے فقط ترجمہ قرآن مجید الگ کیا ہے جو اشاعت کے آخری مراحل میں ہے اور انشاء اللہ جلد مومنین کی خدمت میں پیش کیا جائے گا۔

مرکز افکارِ اسلامی

☆☆☆☆☆

علّامہ مفتی جعفر حسین اعلی اللہ مقامہ

علمی وقلمی خدمات کے انمٹ نقوش

مقبول حسین علوی
مرکز افکارِ اسلامی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَ كِتَابُكَ اَبۡلَغُ مَا يَنۡطِقُ عَنۡكَ!۔

تمہاری طرف سے کامیاب ترین ترجمانی کرنے والی چیز تمہاری تحریر ہے۔(نہج البلاغہ،حکمت ۳۰۱)

رب کریم نے اپنی کتاب مجید میں قلم اور تحریر کی اہمیت کو قسم کے ساتھ اُجاگر کیا۔ارشاد فرمایا:

﴿نٓ وَالۡقَلَمِ وَمَا يَسۡطُرُوۡنَ﴾

قسم ہے قلم کی اور اُس کی جسے وہ قلم سے لکھتے ہیں۔(سورۃ القلم،آیہ ۱)

قلم علوم ومعارف کا محافظ، مفکّرین کے افکار کا پاسدار، علماء کے فکری اتصال کی کڑی اور نوعِ بشر کے ماضی وحال کے ارتباط کے لیے ایک پُل ہے۔قلم راز دار بشر ہے،خزانہ دار علوم ہے،قلم کا بیان اَبد تک باقی رہتا ہے۔ قلم کے اعزاز وسربلندی کے لیے یہی کافی ہے کہ خدا نے اس کی قسم کھائی ہے۔(تفسیر نمونہ،سورۂ القلم،ج ۲۴)

قرآن میں قلم کی یہ منزلت ومقام ہے اور قرآن کے ترجمان امیر مومنان علیہ السلام اسے انسان کا بلیغ ترجمان اور اُس کی پہچان قرار دے رہے ہیں۔

علّامہ مفتی جعفر حسین اعلی اللہ مقامہ کی چالیسویں برسی کے موقع پر "افکار العارف" خصوصی نمبر شائع کر رہا ہے۔اس خصوصی نمبر میں مفتی صاحب کے بارے میں انشاء اللہ قارئین کو پڑھنے کے لیے بہت سی تحریریں ملیں گی مگر ہمیں خود مفتی صاحب کی تحریروں کے بارے میں کچھ تحریر کرنا ہے اس لیے کہ امیر المومنینؑ کے فرمان کے مطابق یہی تحریریں مفتی صاحب کی عقیدت وعلمیت اور مقام وشخصیت کی نشاندہی کرتی ہیں۔

علّامہ مفتی جعفر حسین اعلی اللہ مقامہ کے تین علمی کارنامے، ترجمہ و حواشی نہج البلاغہ، ترجمہ وحواشی صحیفہ کاملہ اور سیرت امیر المومنین علیہ السلام آپ کو ہر مومن وشیعہ اور علماء ودانشوروں کے دلوں میں بالخصوص اور ہر منصف مزاج اہل سنت علماء کے ہاں زندہ رکھے ہوئے ہے۔

ان کتابوں کا ایک ایک جملہ محمد وآل محمد علیہم السلام سے آپ کی عقیدت و اخلاص، عربی علوم پر عبور وتسلط، وسعتِ مطالعہ اور اُردو ادبیات میں بلند مقام کی نشاندہی کرتا ہے۔

آپ کی شخصیت کے بارے میں علّامہ علی نقی النقوی نے مختصر اور جامع انداز میں نہج البلاغہ کے ترجمہ کے مقدمہ میں لکھا ہے:

> جناب مولانا مفتی جعفر حسین صاحب جو ہندوستان و پاکستان میں کسی تعارف کے محتاج نہیں اور اپنے علمی کمالات کے ساتھ بلندی سیرت اور سادگی معاشرت میں جن کی ذات ہندوستان و پاکستان میں ایک مثالی حیثیت رکھتی ہے ان کی یہ کوشش نہایت قابل قدر ہے کہ انہوں نے اس کتاب کے مکمل ترجمہ اور شارحانہ حواشی کے تحریر کا بیڑا اٹھایا اور کافی محنت وعرق ریزی سے اس کام کی تکمیل فرمائی۔بغیر کسی شک وشبہ کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اب تک ہماری زبان میں جتنے ترجمے اس کتاب کے اور حواشی شائع ہوئے ہیں، ان سب میں اس ترجمہ کا مرتبہ اپنی صحت، سلاست اور حسن اُسلوب میں یقیناً بلند ہے اور حواشی میں بھی ضروری مطالب کے بیان میں کمی نہیں کی گئی اور زوائد کے درج کرنے سے احتراز کیا

گیا ہے۔ بلا شبہ نہج البلاغہ کے ضروری مندرجات اور اہم نکات پر مطلع کرنے کیلئے اس تالیف نے ایک اہم ضرورت کو پورا کیا ہے جس پر مصنف ممدوح قابل مبارکباد ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ صاحبانِ ذوق ہر طبقہ کے اس کتاب کا ویسا ہی خیر مقدم کریں گے جس کی وہ مستحق ہے۔(نہج البلاغہ ص ۷۴)

گزشتہ دنوں ایک عالمی شہرت یافتہ شاعر و ادیب اور عالم و خطیب سے مفتی صاحب کے بارے میں بات چل پڑی تو اُنہوں نے اپنے بیٹے اور بھتیجے کو بھی بُلا لیا جو خود بھی دینی طالب علم ہیں اور نہج البلاغہ کے شروع میں "پیش کش" کے عنوان سے لکھی تحریر کو پڑھا اور فرمانے لگے مفتی صاحب کی امیر المومنین علیہ السلام سے محبت و مودّت اور ادبیات میں آپ کا مقام انہی سطور میں چمک رہا ہے۔

پیش کش

بِحَضْرَتِ سَيِّدِ الْأَوْلِيَاءِ وَإِمَامِ الْأَتْقِيَاءِ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ

علی بن ابی طالب

عَلَيْهِ الْآلَافُ التَّحِيَّةِ وَالثَّنَاءِ

تیرے حضور شمع امامت لئے ہوئے
قدسی کھڑے ہیں دفتر قدرت لئے ہوئے

میرے آقا!

جہاں تیرے سامنے ملاء اعلیٰ کے رہنے والے عجز و نیاز سے سر بخم ہیں، وہاں مجھ ایسے تہی دامانِ علم کی یہ جرأت و جسارت حیرت انگیز ہے کہ وہ تیرے خوش آب لعل و جواہر کی صورت بگاڑ کر ترے حضور پیش کرے لیکن اس امید پر کہ کیا بعید ہے کہ تیری نگاہ لطف و کرم اس بندۂ ناچیز کو شرف قبولیت بخشے، اسے پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔(نہج البلاغہ، ص ۳۵، مطبوعہ افکار اسلامی)

مفتی صاحب کے ایک شاگرد علّامہ ملک ظفر عباس صاحب لندن جو جامعہ امامیہ لاہور میں آپ کے ساتھ رہے، فرما رہے تھے کہ مفتی صاحب جس دور میں سیرت امیر المومنینؑ لکھ رہے تھے اس دوران سیرت امامؑ سے متعلق ایک حدیث نقل کرنے کے لیے مجھے کسی کتاب خانے میں بھیجا میں نے اہل سنت عالم کے ہاں موجود کتاب سے فضائل امامؑ سے متعلق وہ حدیث نوٹ کی، فضائل کی بہترین حدیث تھی۔ میں نے عرض کیا کہ کسی محفل میں حدیث سُن کر مجمع بہت خوش ہوگا تو فرمانے لگے بیٹا! یہ حدیثیں فقط مجمع کی خوشی کا سبب نہیں بلکہ امیر المومنین علیہ السلام سے عقیدت کے اضافے کا سبب ہوتی ہیں۔

مفتی صاحب کی شاہکار کتابیں

(۱) نہج البلاغہ کا ترجمہ وحواشی

علّامہ مفتی جعفر حسین صاحب کے ترجمہ نہج البلاغہ سے پہلے چند ترجمے ہو چکے تھے ان میں مکمل ترجمہ نیرنگ فصاحت، ذاکر حسین اختر بہریلوی کا تھا باقی ترجمے مکمل نہ ہو سکے جن میں سے سلسبیل فصاحت ظفر مہدی گہر جائسی صاحب کا دو جلدوں میں ایک سو بائیس خطبات کا ترجمہ اور سلسبیل فصاحت حصّہ سوم کے نام سے سید محمد صادق آل نجم العلماء کا چند خطبات کا ترجمہ جو خطبہ ۱۸۹ تک لکھا گیا۔ مولانا سید یوسف حسین امروہی کا ترجمہ الہادی رسالہ میں ۱۹۲۶ء میں قسط وار شائع ہوتا رہا جس کا ہمیں فقط ایک خطبہ ملا ہے۔

ایک ترجمہ جناب مولانا سید حیدر علی کھجوی صاحب کا ہے اور اس پر مقدمہ ان کے والد سید اظہر کھجوی صاحب کا ہے اس ترجمہ کے ستر (۷۰) خطبات مل سکے ہیں۔ لکھنؤ سے ایک نہج البلاغہ سید انصار حسین رضوی ماہلی نے شائع کیا ہے اُس میں ستر (۷۰) خطبات سید حیدر کے ہیں اور باقی علّامہ مفتی جعفر حسین صاحب کے۔

لاہور سے مفتی صاحب کے ترجمہ سے پہلے ایک مکمل ترجمہ شیخ غلام علی اینڈ سنز کی طرف سے شائع ہوا جس کے خطبات کا ترجمہ رئیس احمد ندوی جعفری، خطوط کا ترجمہ عبدالرزاق ملیح آبادی اور کلماتِ قصار کا ترجمہ علّامہ سید مرتضیٰ حسین فاضل نے کیا تھا۔ مفتی صاحب نے اپنے ترجمے کے پہلے ایڈیشن میں اس سے متعلق چند چیزیں بیان کی تھیں مگر دوسرے ایڈیشن میں

اُن کا تذکرہ نہیں کیا گیا۔

مفتی صاحب نے نہج البلاغہ کا ترجمہ ۱۸ رجب ۱۳۷۵ھ کو مکمل کیا۔ آپ کے بعد بھی کئی ترجمے ہوئے جن میں سے علاّمہ مرزا یوسف حسین صاحب کا ترجمہ اور علاّمہ سید ذیشان حیدر جوادی صاحب کا ترجمہ بازار میں عام میسّر ہے۔

اتنے سارے ترجموں میں سے مفتی صاحب کے ترجمہ کو جو اہمیت عوام اور علماء کے ہاں حاصل ہوئی وہ آپ کے علمی مقام کی نشاندہی کرتی ہے۔

لکھنؤ یونیورسٹی سے "نہج البلاغہ کی ادبی وسماجی معنویت اُردو تراجم کی روشنی میں" کے عنوان سے ڈاکٹر ناظم حسین خان صاحب نے PHD کے لیے ایک تحقیقی مقالہ لکھا ہے جو شائع ہو چکا ہے۔ اس مقالے کے چوتھے باب میں انہوں نے نہج البلاغہ کے اردو تراجم کا تقابل کیا جس میں انہوں نے مفتی صاحب کے ترجمے کو باقی ترجموں پر ترجیح دی۔ ایک مقام پر لکھتے:

یہاں یہ لکھنا بہت ضروری ہے کہ اس مکتوب کے آخر میں مفتی صاحب نے بلاغت کی تسنیمی لہریں بہادی ہیں اور اس طرح اردو کے قاری تک عربی کے مفہوم کو پہنچایا ہے جو بے نظیر ہے۔ (ص ۱۹۱)

آپ کے ترجمے کے بعد منظر پر آنے والے ترجموں میں سے علاّمہ مرزا یوسف حسین نے ترجمہ کی ابتداء میں "نہج البلاغہ امیر المومنین کا معجزانہ کلام ہے" کے عنوان سے مقدمہ لکھا ہے وہاں جن ترجموں کے پیش نظر رہنے کا ذکر کیا ہے اُن میں پہلا نام مفتی صاحب کا لکھا ہے اور پھر لکھتے ہیں۔

"ایسے مقامات میں جہاں عالی جناب مولانا مفتی جعفر حسین صاحب یا رئیس احمد صاحب جعفری کا حاشیہ کافی تھا اس سے اخذ کر کے نقل کر دیا ہے اور ہر جگہ یہ ظاہر کر دیا ہے کہ یہ حاشیہ کہاں سے نقل کیا گیا ہے۔" (ترجمہ علاّمہ مرزا یوسف حسین صاحب، ص ۱۶۶)

علامہ سید ذیشان حیدر جوادی صاحب نے کہیں مفتی صاحب کا نام ذکر نہیں کیا مگر اُن کے قریبی افراد کے مطابق ترجمہ کرتے وقت ہر جگہ مفتی صاحب کا ترجمہ اُن کے ہمراہ رہتا تھا اور متعدد مقامات پر انہوں نے وہی الفاظ استعمال کیے جو مفتی صاحب نے کیے تھے البتہ انہوں نے بعض الفاظ اور عبارتوں کو آسان بنانے کی کوشش کی۔

ان ترجموں میں تقابل ہمارا مقصود بھی نہیں اور مضمون میں گنجائش بھی نہیں۔ فقط پہلے خطبے کے ایک جملے کا ترجمہ چند تراجم سے پیش کرتے ہیں وہ بھی اس لیے کہ مفتی صاحب کے بارے میں علماء میں مشہور ہے کہ آپ سے پوچھا گیا کہ نہج البلاغہ کا ترجمہ کرتے وقت آپ کو سب سے زیادہ کہاں لطف آیا تو آپ نے وہ جملہ پیش کیا جہاں امام علیہ السلام فرماتے ہیں:

كَائِنٌ لَّا عَنْ حَدَثٍ۔ (نہج البلاغہ، ص ۹۲، سطر ۵، مطبوعہ افکار اسلامی) علاّمہ مفتی صاحب نے ترجمہ کیا "وہ تھا ہوا نہیں"۔

نیرنگ فصاحت ص ۳ پر ذاکر حسین صاحب نے ترجمہ کیا ہے "وہ ایسا قادر مطلق ہے جو ہمیشہ سے موجود ہے"۔ پھر بریکٹ میں لکھتے ہیں اس کے وجود ہستی کی کوئی ابتداء نہیں۔

ظفر مھدی الجائسی یہ خطیب اعظم سید سبط حسن کے بھائی ہیں یہ سلسبیل فصاحت، ص ۳ پر لکھتے ہیں۔ "وہ موجود ہے مگر کسی کی ایجاد سے نہیں"۔

جناب سید حیدر کھجوی نے اس کے ترجمہ میں لکھا "(حالانکہ خدا کی ہستی (تو) ہے لیکن حادث نہیں"۔ ترجمہ البلاغہ، ص ۴۳)

رئیس احمد جعفری نے لکھا "خداوند تعالیٰ ہمیشہ سے موجود ہے مگر حادث اور نو پید نہیں"۔ ص ۱۳۰)

مرزا یوسف حسین صاحب کا اس جملہ کا ترجمہ کاتب صاحب سے کوتاہی کی وجہ سے ناقص رہ گیا ہے بہر حال وہ لکھتے ہیں "وہ خود موجود ہے کسی کی ایجاد سے"۔ یہاں لفظ بغیر کم ہے۔

علاّمہ ذیشان حیدر جوادی صاحب لکھتے ہیں: "اُس کی ہستی حادث نہیں ہے"۔ ص ۲۷، مطبوعہ انصاریان قم)

اُردو ادب میں ایک جانی پہچانی شخصیت رضا علی عابدی صاحب جو طویل مدت بی بی سی اُردو کے لیے کام کرتے رہے۔ اُنہوں نے مختلف اُردو تراجم کو مدّنظر رکھ کر بہتّر (۷۲) خطبات کی اُردو آسان کر کے ایک کتاب لکھی "علیؑ کی تقریریں" انہوں نے ترجموں میں سب سے پہلے مفتی صاحب کے ترجمے کا ذکر کیا اور اِس جملے کا ترجمہ یوں کیا "وہ ہے۔ یہ نہیں کہ وہ پہلے نہیں تھا" (ص ۱۸)

مارچ ۱۹۵۵ء رجب ۱۳۷۴ھ میں سرفراز رسالے میں علامہ علی نقی صاحب نے نہج البلاغہ کے پہلے خطبہ کے کچھ حصے کا ترجمہ کیا اور یہ رجب ۱۳۷۶ھ میں "ثنائے پروردگار" کے نام سے الگ رسالے میں شائع ہوا۔ نقن صاحب نے اس جملہ کا ترجمہ کیا۔"وہ ہے اس طرح نہیں کہ ہوا ہو"۔ (ثنائے پروردگار ص ۸)

ان تراجم پر غور فرمائیں اور علاّمہ مفتی جعفر صاحب کے ترجمہ کو پھر ملاحظہ فرمائیں۔

"وہ ہے ہوا نہیں"

اس جملے کے فارسی ترجموں کو دیکھیں تو مفتی صاحب کے ترجمے کا لطف بہتر محسوس ہوگا۔ فیض الاسلام سید علی نقی صاحب لکھتے ہیں۔

"خداوند متعال ہمیشہ بودہ است نہ آنکہ حادث ونو پیدا شدہ باشد"۔ (ص ۳۵)

آقای محمد دشتی لکھتے ہیں۔" خدا ہموارہ بودہ و از چیزی وجود نیامدہ است"۔

آیت اللہ العظمیٰ ناصر مکارم شیرازی صاحب نے ترجمہ کیا:"ہموارہ بودہ است و از چیزی بہ وجود نیامدہ"۔ علاّمہ حبیب اللہ خوئی نے ترجمہ کیا۔"ثابت است نہ از روی حدوث وتجدّ د"۔ (منہاج البراعہ فی شرح نہج البلاغہ، ج اوّل، ص ۳۵۰)

مضمون میں مزید گنجائش نہیں ورنہ خطبہ ۲۳۰ کے اس جملے کے ترجمہ "وَ اِنَّا لَاُمَرَآءُ الْكَلَامِ" میں بھی مفتی صاحب کے ترجمے کی باریکیاں واضح ہیں مفتی صاحب نے ترجمہ کیا۔"ہم اقلیم سخن کے فرمانروا ہیں"۔

اردو ترجموں میں مفتی صاحب کے ترجمے کی اہمیت روزِ روشن کی طرح واضح ہے اگرچہ بہت سے ناقدین بھی موجود ہیں اور ظاہر ہے اتنے بڑے کام میں بعض تنقیدی مواد صحیح بھی ہو سکتے ہیں۔

اردو ترجموں کے علاوہ انگریزی ترجمے بھی مفتی صاحب کے ترجمے سے مستفیض ہوئے۔ انگریزی میں سب سے پہلا ترجمہ بمبئی سے محمد علی سلمان صاحب نے ۱۹۴۰ء کی دہائی میں کیا جسے نہج البلاغہ کا ترجمہ نہیں خلاصہ کہا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد ہندوستان میں سے سید محمد عسکری جعفری نے ۱۹۶۵ء میں ترجمہ کیا یہ اچھا ترجمہ ہے مگر اس میں کلماتِ قصار کا ترجمہ مکمل نہیں ہے۔ تیسرا ترجمہ جو مکمل بھی ہے اور اس کا حاشیہ بھی ہے وہ کراچی سے سید علی رضا نے کیا۔ چوتھا ترجمہ جو اس وقت بازار میں موجود ہے اور ۲۰۱۳ میں پہلی بار شائع ہوا ہے۔ ایک عراقی دانشور یاسین الجبوری کا ترجمہ ہے ان ترجموں میں سے مکمل ترجمہ ہونے اور حاشیہ بھی ہونے کی وجہ سے سید علی رضا کے ترجمہ کو خاص اہمیت ہے اور سید علی رضا کا ترجمہ عربی سے نہیں بلکہ لفظ بلفظ علامہ مفتی جعفر حسین صاحب کے اردو ترجمے سے کیا گیا ہے اور مفتی صاحب کے نہج البلاغہ کے حواشی کا بھی ترجمہ کیا گیا ہے۔ مفتی صاحب کے ترجمہ میں علامہ علی نقی صاحب کے مقدمہ کا بھی ترجمہ کیا ہے۔ البتہ مفتی صاحب کے" حرفِ اوّل" کا ترجمہ ہمارے پاس موجود انگریزی ترجمہ میں نہیں ہے۔ یاسین جبوری صاحب کے انگریزی ترجمے میں سید علی رضا صاحب کے ترجمے کے اثرات واضح ہیں۔ یُوں مفتی صاحب کے اُردو ترجمے سے انگریزی زبان لوگ بھی مستفید ہو رہے ہیں۔

(۲) صحیفۂ کاملہ کا ترجمہ وحواشی

علامہ مفتی صاحب کا صحیفۂ کاملہ کا ترجمہ بھی اپنی نوع کا منفرد ترجمہ ہے اور حقیقت ہے کہ یہ ترجمہ بھی نہج البلاغہ کے ترجمہ کے مفید اثرات میں سے ایک ہے۔ مفتی صاحب صحیفہ کے پیش لفظ کے ابتدائی جملات میں تحریر فرماتے ہیں" ترجمہ نہج البلاغہ کی تکمیل کے بعد کسی اور کتاب کے ترجمہ کا تصور تو ذہن میں تھا ہی کہ جناب سید العلماء مولانا سید علی نقی صاحب قبلہ مدظلہ کے لاہور تشریف فرما ہونے پر مجھے ان کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع ملا تو انہوں نے فرمایا کہ اب صحیفۂ کاملہ کا بھی ترجمہ کر ڈالیے۔ میں نے عرض کیا کہ اگر توفیقِ الٰہی شامل حال رہی تو حسبِ ارشاد اس کام کو بھی انجام دوں گا۔ چنانچہ اس کے بعد کچھ عرصہ بعد صحیفہ کے ترجمہ کی ابتداء کی (صحیفہ کاملہ، ص ۲۱، مطبوعہ افکار اسلامی)

نہج البلاغہ کی پیش کش کی طرح صحیفہ کاملہ میں بھی مفتی صاحب نے" پیش کش" کے عنوان سے اہل بیت علیہم السلام سے اپنی عقیدت کا اظہار ان لفظوں میں کیا۔

پیش کش

میں معدنِ امامت کے لآلی آبدار اور زبان عصمت کے الہامی کلمات

کو اردو کا لباس پہنا کر حَضْرَتِ زَیْنِ الْعَابِدِیْنَ، سَیِّدِ السَّاجِدِیْنَ، ابْنِ الْخَیْرَتَیْنِ علی ابن الحسین صَلَوَاتُ اللهِ عَلَیْهِ وَ عَلٰی اٰبَآئِهِ الْاَطْهَارِ وَاَبْنَآئِهِ الْاَخْیَارِ کی بارگاہ عالی میں پیش کرتا ہوں۔

اگرچہ ترجمہ سے روحِ معنی مضمحل اور صہبائے تند بے کیف ہوگئی اور لالہ زارِ بلاغت سبد گلفروش میں سما نہ سکا اور سیل معانی تنگنائے الفاظ میں سمٹ نہ سکا مگر کیا بعید ہے کہ جن کی دست بوسی سے آبِ رواں کی آبرو اتنی بڑھ جائے کہ لعل و یاقوت و زمرد بھی اس کے سامنے شرم سے پانی پانی ہو جائیں ان کی نظر کیمیا اثر ان رشتۂ عقیدت میں پروئے ہوئے خزف ریزوں کو جلا بخش کر حسنِ قبول کے تاج کا آویزہ بنا دے اور پھر یہ انہی کے بارانِ فیض کے قطرے اور انہی کے خوانِ کرم کے ریزے ہیں اور میری حیثیت تو بس یہ ہے اور یہی بہت ہے کہ:

ان کی زبان کے کلمے میری زبان پر ہیں۔

❁❁❁❁❁

صحیفہ کاملہ کے اردو تراجم کا ذکر کرتے ہوئے مفتی صاحب نے اپنے ترجمہ سے پہلے والے چند ترجموں کا ذکر کیا اور اپنے ترجمہ کا خود اُن سے تقابل کیا جس میں سے دعائے مکارم الاخلاق اور دُعائے عرفہ کے چند جملات کو بطور نمونہ پیش کیا۔ یہ تقابل مفتی صاحب

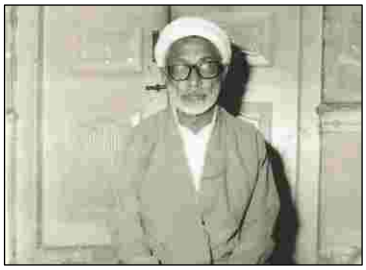

کی عربی ادبیات پر گرفت کو واضح کرتا ہے۔ (ص ۲۲ سے ۲۴، مطبوعہ افکار اسلامی)

مقدمہ صحیفہ کاملہ میں سات سرخیوں کے ساتھ آپ نے صحیفہ کا نچوڑ بیان کر دیا۔ دُعا کے آداب و شرائط کے عنوان سے مفتی صاحب کا مضمون اپنی نوعیت کی منفرد تحریر ہے۔

نہج البلاغہ کے ترجمہ میں مفتی صاحب کے بہت دقیق حواشی موجود ہیں مگر ہر خطبہ وخط کا حاشیہ نہیں لکھا جبکہ صحیفہ کاملہ میں اسنادِ صحیفہ کاملہ سے لے کر آخری دُعا تک ہر ایک مقام پر مفصل حاشیہ لکھا مثلاً دُعائے مکارم الاخلاق جو امام سجاد علیہ السلام کی طرف سے دُعا کے انداز میں مکمل کتابِ اخلاق ہے تو مفتی صاحب کی طرف سے بیس صفحات کا حاشیہ اِس دعا کا اردو قالب میں مکمل نچوڑ ہے۔ دعا نمبر ۴۳، دُعائے رویتِ ہلال کا سات صفحات کا حاشیہ اور سال کے ایام کی تعیین پر مبنی یہ تحریر مفتی صاحب کے وسعتِ مطالعہ اور دقتِ نظر کا بہترین گواہ ہے۔

(۳) سیرتِ امیر المومنینؑ ۲ جلد

نہج البلاغہ اور صحیفہ کاملہ کے ترجمہ کے علاوہ مفتی صاحب کی تالیف "سیرتِ امیر المومنین علیہ السلام" کو بھی علماء کے ہاں خاص اہمیت حاصل ہے۔ مختصر اور جامع انداز میں لکھی گئی یہ کتاب امام علیہ السلام کی سیرت و حیات سے آشنائی کے لیے اردو زبان میں بے مثال کتاب ہے بلکہ بعض علماء کے بقول عربی و فارسی میں بھی اندازِ تحریر کے اعتبار سے اس جیسی سیرت امیر المومنینؑ پر کوئی کتاب نہیں۔

علامہ مفتی جعفر حسین صاحب نے اس کی پہلی جلد میں امیر المومنین علیہ السلام کے خاندان کے تذکرے سے لے کر آپؑ کے دفن اور مرقد تک کے بارے میں لکھا ہے یہ کتاب مفتی صاحب کی زندگی میں شائع ہوگئی تھی اور مفتی صاحب اس کی دوسری جلد لکھ رہے تھے مگر وہ مکمل نہ سکی اور آپ اللہ کو پیارے ہوگئے۔

اس کتاب کی پہلی جلد کی اہمیت اپنی جگہ مگر مرکز افکار اسلامی کی طرف سے اس کتاب کی اشاعت کے وقت پروف ریڈنگ اور حوالے تلاش کرتے وقت ہم نے مفتی صاحب کی عظمت کو سلام پیش کیا کہ قیادت جیسی مصروفیات اور صحت کے مسائل کے باوجود علوم امیر المومنین علیہ السلام پر اتنی باریک بینی؟۔

دوسری جلد کا عنوان ہے "امیر المومنین علیہ السلام کا علمی مقام" اس موضوع پر عربی میں ایک مشہور کتاب ہے تاسیس الشیعہ لعلوم الاسلام، علامہ سید حسن صدر متوفی ۱۳۵۴ھ اس کتاب میں مرحوم صدر نے علوم اسلامی کی نشر و اشاعت میں شیعیت کے مرکزی کردار کو پیش کیا اور چودہ علوم کا بانی شیعہ علماء و دانشوروں کو قرار دیا۔ نحو، صرف، لغت، معانی و بیان و بدیع، عروض، فنون و روش شعر، تاریخ و سیرہ، علم حدیث، علم فقہ، علم اصول فقہ، علوم قرآن، علم کلام اور علم اخلاق کی بنیاد کا ذکر کیا۔ اور کون اس کا بانی ہے اُسے بیان کیا مثلاً تفسیر قرآن کے بارے میں سید صدر لکھتے ہیں۔

سعید بن جبیر جو امام سجاد علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے اُنہوں نے تفسیر قرآن پر کتاب لکھی۔

یہاں تاسیس الشیعہ لعلوم الاسلام اور مفتی صاحب کی سیرت امیر المومنینؑ جلد دوم کا تقابل مقصود نہیں مگر مفتی صاحب نے اس کتاب میں باون (۵۲) علوم میں امیر المومنین علیہ السلام کے اثرات کو حوالوں اور مثالوں کے ساتھ ثابت کیا۔ سینکڑوں دیگر حوالوں کے ساتھ فقط نہج البلاغہ سے ۱۹۳ حوالے پیش کیے۔

اس کتاب سے ہمارے لیے واضح ہوا کہ مفتی صاحب کا نہج البلاغہ کا ترجمہ اپنی جگہ مہم ہے مگر آپ کا موضوعاتِ نہج البلاغہ پر عبور خود ایک عظیم علمی کارنامہ ہے۔ ہمیں اس موقع پر مفتی صاحب کے ایک قریبی ساتھی جناب محمد شریف صاحب کی وہ تحریر یاد آئی جہاں وہ مفتی صاحب کے حالاتِ زندگی میں لکھتے ہیں:

آپ کے علم وفضل کی حدود جاننے کے لیے یا آپ کی تصانیف پر نظر کرنا ہوگی اور یا آپ کے معاصرین اور ملک کے دوسرے دانشور حضرات اور اربابِ علم وفضل سے رجوع کرنا ہوگا۔۔۔ یہ حوالے اکثر و بیشتر وہ امیر المومنین علیہ السلام کی نہج البلاغہ ہی سے جو انہیں تقریباً ازبر یاد تھی، پیش فرمایا کرتے۔ اس بارے میں ان کا قول جسے وہ اکثر دہراتے بھی رہتے اور بار بار ثابت بھی کیا کرتے، یہ تھا کہ دنیا کے تقریباً تمام دانشوروں کا حقیقی ماخذ جناب ختمی مرتبت اور امیر المومنینؑ ہی کی ذوات گرامی ہیں۔

(سیرت امیر المومنین، ص ۲۱، مطبوعہ مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور)

سیرت امیر المومنینؑ میں علامہ مفتی جعفر حسین صاحب نے علی علیہ السلام و قرآن کے تحت بارہ عناوین قائم کیئے جن کا معلّم وبانی امیر المومنینؑ کو قرار دیا۔ وہ بارہ عناوین یہ ہیں

جمع قرآن، قرائت قرآن، نقاط واعراب قرآن، کتابت واملاء قرآن، تفسیر قرآن، تفسیر سورہ فاتحہ، تنویع قرآن، علم التجوید، آداب تلاوت، قرآنی استخراج واستنباط، خواص سورہ وآیات

مفتی صاحب نے فقط فقہ کے تیس ابواب میں امیر المومنینؑ کو بطور معلّم بیان کیا۔ جدید علوم میں سے اٹھارہ علوم کے بارے میں امیر المومنینؑ کے فیوضات کو پیش کیا جیسے علم الطب، تشخیص امراض، حرکت زمین، سیّار کرّے وغیرہ۔

"قرآن مجید"

علامہ مفتی جعفر حسین صاحب کی علوم قرآن پر دسترس آپ کے نہج البلاغہ وصحیفہ کاملہ کے حواشی اور سیرت امیر المؤمنینؑ کی تحریروں سے واضح ہے۔ البتہ قرآن مجید کے تین ترجموں کے پہلے سپارے کے تقابل نے آپ کے قرآن سے تعلق کو واضح تر کر دیا ہے۔ یہ مضمون مفتی صاحب نے ۱۹۵۶ء میں اُس وقت لکھا جب علامہ علی نقی النقوی صاحب کا قرآن مجید کے پہلے سپارے کا ترجمہ شائع ہوا۔ بیس صفحات پر مشتمل اس مضمون کا عنوان ہے

"سید العلماء علامہ علی نقی نقویؒ کے ترجمہ قرآن کے امتیازات"

یہ مضمون چونکہ اس خصوصی نمبر میں شائع ہو رہا ہے اس لیے قارئین اُس کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

"ہماری ذمہ داری"

ذی شعور قومیں اپنی شخصیات کی یادوں اور اُن کے علمی سرمایوں کی حفاظت ونشرواشاعت کو اپنا فریضہ سمجھتی ہیں اس لیے ضرورت ہے کہ ہم بھی بطور قوم مفتی صاحب جیسی شخصیت سے اپنے جوانوں کو آگاہ کریں اور آپ کے علمی سرمائے جو آپ کی کتابوں کی صورت میں موجود ہیں انہیں عام کریں۔

مرکز افکار اسلامی مفتی صاحب کی تینوں کتابوں اور آپ کے قرآن مجید سے متعلق مضمون کو شائع کرا چکا ہے۔ خاص کر نہج البلاغہ نومبر ۲۰۱۹ سے اب تک دس بار شائع ہو چکی ہے۔ مرکز افکارِ اسلامی کی کوشش سے نہج البلاغہ لکھنؤ اور امریکہ سے شائع ہوئی اور جلد انشاء اللہ مشہد مقدس کا ایڈیشن بھی شائع ہو جائے گا۔

پروردگار مفتی صاحب کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے اور انہیں اہل بیتؑ کا قرب نصیب فرمائے۔

مقبول حسین علوی (مرکز افکارِ اسلامی)

☆☆☆☆☆

علامہ مفتی جعفر حسین قبلہ

جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں

حاجی محمد شریف ریٹائرڈ انکم ٹیکس کمشنر لاہور

مفتی صاحب اعلی اللہ مقامہ کے سوانح حیات اور ان کی زندگی کے ابتدائی ادوار کے کوائف سے یہ فقیر زیادہ آگاہی نہیں رکھتا اور نہ اس موضوع پر کبھی موصوف سے سیر حاصل گفتگو کے مواقع میسر آئے۔ چنانچہ وہی چند تفاصیل جو وقتاً فوقتاً دستیاب ہوتی رہی ہیں اور جو جستہ جستہ مختلف ذرائع سے حاصل کی جا سکیں ہیں ہدیہ قارئین کی جا سکتی ہیں۔ مفتی صاحب کا مولود و منشاء گوجرانوالہ کا قصبہ تھا۔ وہی گوجرانوالہ جس کے افق پر ماضی میں یکے بعد دیگرے ایسے ایسے روشن و تابدار ستارے نمودار ہوتے رہے جن کی چمک دمک نے مدتوں برصغیر کی پوری فضا کو خیرہ کیے رکھا۔ موصوف کی ولادت باسعادت 1914ء میں اردو بازار کے کوچہ حکیم شہاب الدین میں ایک ایسے خانوادہ کے ہاں ہوئی جو اپنی شرافت و دیانت، عزت وقار، حلم و بردباری کے ناطے پورے شہر میں ایک مخصوص شہرت کا حامل تھا۔ حکیم شہاب الدین طب میں مہارت تامہ رکھنے کے سبب دن بھر مصروف رہنے کے باوجود تاریخ، ادب، شعر و سخن اور دوسری کئی علوم وفنون کے چشموں سے مقدور پر سیراب ہوتے رہنے کی جدوجہد سے کبھی غافل نہ رہتے۔ گلی، محلہ بلکہ اطراف جوانب کے علم دوست احباب کا صبح شام ان کے در دولت پر جمگھٹا رہتا۔ ان کا پنجابی، اردو، فارسی کلام آج بھی آپ کے برادر بزرگ محمد حسن ایڈوکیٹ لاہور ہائی کورٹ کے پاس خاصی مقدار میں اہل نظر کو دعوت فکر دینے کے لیے موجود ہے۔ حکیم شہاب الدین کے برادر خورد حکیم چراغ دین کے ہاں جب مفتی صاحب اپنے پانچ بھائیوں میں دوسرے نمبر پر اس عالم میں آب وگل میں وارد ہوئے تو نومولود کے روشن مستقبل کی ایک جھلک اور اپ کے آئندہ ظاہر ہونے والی عظمت ایک نقش آپ کی روشن پیشانی پر پڑھ لینے میں حکیم صاحب الدین کو کوئی دقت محسوس نہ ہوئی۔ بچپنے نے جعفر حسین کے حرکات و سکنات اور آپ کے اٹھنے بیٹھنے اور کھیل وکود کا انداز دوسرے ہم عمروں سے یکسر مختلف تھا، اور آپ کی دن بھر کی مصروفیات پر گھر کے دینی علمی ماحول کے گہری چھاپ ایسی واضح نظر اتی تھی جسے دیکھنے والی کوئی آنکھ نظر انداز نہیں کر سکتی۔ دوست احباب کا کہنا تھا "سالی کہ نکوست از بھارش پیداست" کے مصداق جملہ افراد خانہ اور عزیزوں، رشتہ داروں میں جعفر حسین کی ذات ابتدا ہی سے ایسی تھی جیسے سچے موتیوں کی لڑی میں سرخ یاقوت یا تاروں کے جھرمٹ میں چاند۔ بقول سعدی۔۔ بلائے سرش نہ

ہوش مندی می تافت ستارہ بلندی

چنانچہ جعفر حسین کی تعلیم و تربیت کی تمام تر ذمہ داری سنبھال لینے میں حکیم شہاب الدین نے کوئی تاخیر روانہ رکھی۔ علم طب کے جملہ اسرار و رموز کے علاوہ شفیق تایا نے نہایت مختصر عرصے میں اپنے اس ہونہار فرزند کو گلستان بوستان اور اخلاق جلالی ایسی کتابیں کم وبیش ازبر کروا دیں۔ حکیم صاحب کی مساعی جمیلہ کے علاوہ اس کار خیر میں اور بالخصوص فقہ وحدیث کی تعلیم و تدریس میں محلے کی جامع مسجد کی اہل سنت کے پیش امام مولانا چراغ علی صاحب، ندوہ علماء لکھنؤ کے فارغ التحصیل قاضی عبدالرحیم صاحب اور بالخصوص مولانا محمد اسماعیل صاحب سلفی کی شبانہ روز کی کاوشیں بھی برابر کی شریک تھی۔ اس کمسنی میں جعفر حسین کی ذہانت کا عالم یہ تھا کہ کافیہ جیسے کتاب کے درس کی ابتدا یکم رمضان المبارک کو ہوئی اور 27 شب آتے آتے یہ درس پایا تکمیل کو پہنچ چکا تھا۔ قارئین کے علم میں ہوگا کافیہ نحو کی وہ مستند اور اساسی کتاب ہے جس کی شرح جامی سمیت تین صد سے زائد شرحیں لکھی جا چکی ہیں اور جس پر عبور حاصل کرنے کے لیے طلباء کی

اکثریت کو مہینوں اور بعض کو برسوں کی ضرورت ہوتی ہے۔حکیم شہاب الدین کا گھرانہ اگر ایک جانب مذہبی تعصب سے یکسر پاک اپنی صلح جوئی اور وسیع المشربی کے لیے معروف تھا تو دوسری جانب ولائے پنجتن اور مودت اہل بیت اطہار کی دولت سے ان کا مالا مال ہونا بھی شہر کے کسی فرد سے پوشیدہ نہیں تھا۔اپنے نظریات وعقائد میں یہ لوگ اس قدر مضبوط اور محکم تھے کہ مالی وسائل کی کمی اور گردش دوراں کے مدوجزر کے باوجود ننھے جعفر حسین کو علوم دینیہ کے ایک نہایت بلند بالا مقام پر دیکھنے کی خواہش ایک لمحہ بھر کے لیے بھی ان کی نظر سے کبھی اوجھل نہ ہوسکی۔جملہ معترضہ کے طور پر یہاں ذکر شاید غیر ضروری نہ ہوگا کہ احسان شناسی اور بار احسان سے سبکدوشی کا غالباً یہی جذبہ تھا جس کے تحت موت سے تھوڑا عرصہ قبل قلم بند کرائے ہوئے مفتی صاحب کے وصیت نامہ حکیم شہاب الدین کے لیے حج بدل کی خاطر مختص کی گئی مبلغ 10 ہزار روپے کی رقم کا تذکرہ بالوضاحت موجود ہے۔بارہ برس کی عمر کو پہنچتے پہنچتے جعفر حسین اردو، فارسی اور عربی زبان پر مضبوط گرفت رکھنے کے علاوہ نہ صرف احادیث میں معتد بہ دسترس بہم پہنچا چکے تھے بلکہ ادب شعر وشاعری کے میدان میں بھی وقتاً فوقتاً اپنی جولانی طبع کے جوہر دکھانا اپ کے خاص مشاغل میں شامل تھا۔دن رات تحصیل علم کے شوق میں جعفر حسین شہر کے مختلف اساتذہ کے در دولت پر حاضری دیتے اور کھانے، پینے اور بچپنے کے دوسرے بہت سے مشاغل سے بے نیاز اپنی دھن میں کھوئے رہتے۔ادھر حکیم صاحب کا جذبہ صادق اور جعفر حسین کا ولولہ کامل ناصبور کو جب یقین ہوگیا کہ پیاس کی شدت پر غالب آنے کے لیے گوجرانوالہ میں ذخیرہ آب کم بلکہ ناکافی ہے تو جعفر حسین نے لکھنؤ پہنچنے کی تیاری شروع کردی۔لکھنؤ ان دنوں پورے برصغیر میں ملت جعفریہ کے لیے ایک عظیم علمی مرکز کی حیثیت کا حامل تھا۔وہاں کا حوزہ علمیہ پورے برصغیر میں اپنی مثال آپ تھا اور اکابرین علماء و مجتہدین کی ایک مضبوط جماعت وہاں صبح شام طالبان علم کی پیاس بجھانے کے لیے مصروف جہاد تھی۔چنانچہ مرزا احمد علی صاحب نے جو ان دنوں لاہور میں ملٹری اکاؤنٹس کے محکمے میں ایک اہم عہدے پر فائض تھے نے اعانت کی اور جعفر حسین عمر کی ناپختگی اور مالی وسائل کی تنگی کے باوجود صرف ان دو پارچات میں جو آپ کے زیب تن تھے لکھنؤ پہنچ گئے۔جعفر حسین پورے نو برس لکھنو میں مقیم رہے۔اس عرصہ میں نہ صرف انہوں نے جی بھر کر مفتی احمد علی صاحب، سید سبط حسین صاحب جونپوری اور قبلہ سید ابو الحسن المعروف منن صاحب ایسے جید علماء سے کسب فیض کیا بلکہ رفتہ رفتہ اپ کو سرکار نجم الملت اور سرکار ناصر الملت کا خصوصی قرب حاصل ہوتا چلا گیا۔مخصوص حلقہ میں جعفر حسین کے محض پیدائش کے لحاظ سے ”آفتاب پنجاب“ کے لقب سے مشہور تھے ورنہ جہاں تک لکھنوی تہذیب وتمدن کے اپنانے میں یا وہاں کے معاشرے میں رچ بس جانے کا تعلق ہے انہیں کوئی دیکھنے والا پنجابی نہ پاتا۔بول چال، لب ولہجہ، خورد ونوش اور

لباس کی تراش خراش غرض ہر پہلو سے خالص لکھنوی دکھائی دیتے۔آپ کا مادر علمی کہلوانے کا اعزاز مدرسہ ناظمیہ کے حصے میں آیا اور اس مدرسہ نے ہمیشہ انہیں اپنا ایک مایہ ناز سرمایہ تصور کیا۔اس ادارے کا حریف سلطان المدارس تھا۔کچھ ہی مدت گزری تھی کہ جعفر حسین کی قابلیت اور سکہ وہاں بھی رواں ہوگیا۔ان دونوں مدارس کے طلباء نے مشترکہ طور پر شعری تنظیم قائم کر رکھی تھی جس میں وقفہ وقفہ سے محافل منعقد ہوتی جہاں طلبہ خود نوشتہ عربی قصائد باہمی مسابقت کے انداز میں پڑھتے۔اس تنظیم کے روح رواں ایک مدت تک جعفر حسین رہے۔مطالعہ کتب ان کا اوڑھنا بچھونا اور رات دن ادبی اور علمی محافل میں شرکت ان کا واحد مشغلہ تھا۔کوئی دھن تھی تو بس ایک اور سر میں اگر کوئی سودا تھا فقط یہ کہ علوم متداولہ میں حق المقدور کمال حاصل کیا جائے اور ممکن ہو سکے تو علم وفضل کا پورا خم زحمت جام اٹھائے بغیر ایک ہی سانس میں نوش جان کرلیا جائے۔نو برس کی طویل علمی ریاضت کے بعد جعفر حسین اگرچہ منزل مراد سے دور نہیں کہے جاسکتے تھے لیکن موصوف خوب جانتے تھے کہ سیرابی کے لیے حقیقی چشمہ فیض یہاں سے بہت دور ملک عراق میں واقع ہے چنانچہ 1935ء میں جب آپ کی عمر 21 برس سے متجاوز نہیں تھی

اور جب دوسروں کا دامن عنفوان شباب کی سرمستیاں کئی اور قسم کے مشاغل کی طرف کھینچتی ہیں جعفر حسین نے پھر رخت سفر باندھا۔سبب اس کا واضح تھا۔جعفر حسین آج بھی اتنا ہی پیاسا اور ویسا ہی تشنہ لب تھا جتنا آج سے نو برس قبل وارد لکھنو ہونے سے پہلے تھا۔چنانچہ لکھنؤ کی چہل پہل اور وہاں کی ہنگاموں سے مامور فضا کو بادل ناخواستہ خیر باد کہا اور حسرتوں اور ارمانوں کا طوفان سینے میں چھپائے موصوف باب مدینہ علم کے آستانے قدس پر جا حاضر ہوئے۔جاتے ہی وہاں جب چاروں جانب علوم وفنون کی ندیاں بہتی ہوئی ملیں اور ایک سے ایک زیادہ شیریں و شفاف چشمے نے خوش آمدید کہا تو علم وحکمت کا شیدائی اور عرفان وآ گاھی کا متوالا جعفر حسین دیکھتے ہی دیکھتے دنیا و مافیہا سے بے خبر اس سحر آگیں ماحول میں ڈوب گیا۔پورے پانچ برس آنکھ جھپکنے میں بیت گئے۔فقہ و حدیث تاریخ وفلسفہ اصول معانی اور تفسیر رجال غرض علم کا کوئی شعبہ ایسا نہ تھا جسے جعفر حسین نے کھنگال نہ ڈالا ہو۔شبانہ روز کی محنت شاقہ نے صحت کو بے حد متاثر کیا اور جسم ناتواں اور بھی لاغر ہو کر رہ گیا لیکن اس طرف توجہ ہی کہاں تھی۔فکر تھی تو یہ کہ بس ایک کہ پوری خاک نجف کا مقدس سرمہ کم سے کم وقت میں کاسہ ہائے چشم میں انڈیل لیا جائے اور ریگزار کربلا و کاظمین کا کوئی ذرہ ایسا نہ رہ جائے جس پر پے بہ پے سجدوں سے لوح جبیں صیقل اور منور نہ ہو۔ہر چند کے ورود نجف کے بعد بہت قلیل عرصہ میں موصوف درجہ اجتہاد پر فائز ہو چکے تھے لیکن وہاں سے مراجعت کا تصور بھی اس وقت تک آپ نے دماغ میں نہ آنے دیا جب تک حوزہ کے کم بیش تمام مراجع عظام سے تحریری سندات حاصل نہ کر لیں۔ان اساتذہ میں آقائے سید ابوالحسن اصفہانی، آقائے سید جواد تبریزی، آقائے مرزا محمد باقر زنجانی اور شیخ محمد ابراہیم رشتی کی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔1940ء میں جب اپ کی عمر 26 برس تھی اپ نجف اشرف سے فارغ التحصیل ہو کر شیعی دنیا کے جید علمائے اور مجتہدین کی مرحمت کردہ سندات سے سرفراز ہو کر مفتی جعفر حسین جب نجف اشرف سے واپس لوٹے تو سیدھے لکھنؤ میں اپنے استاد معظم سرکار نجم ملت کے در دولت پر حاضر ہوئے۔اپنے ہاتھ سے لگائے ہوئے اس نحیف پودے کو ایک تن ومند شجر سایہ دار کی صورت میں دیکھ کر شفیق استاد کا دل باغ باغ ہو

گیا۔چند روز کی مصاحبت کے بعد سرکار نے مفتی صاحب کو نوگاواں ضلع مراد آباد میں جا کر سلسلہ رشد وہدایت جاری کرنے کا حکم صادر فرمایا۔تعمیل ارشاد میں سعادت مند شاگرد نے کوئی تاخیر روا نہ رکھی اور دو برس تک وہاں مدرسہ باب العلم میں دین حنیف کی خدمت بجا لانے کے بعد موصوف اپنے وطن مالوف گوجرانوالہ تشریف لے آئے۔خدمت دین کے اسی جذبے کے تحت جس کی تڑپ سے موصوف روز اول سے سرگرم عمل تھے اپ نے یہاں بھی تعلیم وتدریس کے اجرا کے لیے جدوجہد شروع کر دی۔جلدی ایک دین دار بزرگ ماسٹر اللہ دتہ مرحوم نے ایک چھوٹا سا گھر اس مقصد کے لیے پیش کر دیا اور یوں وہاں مدرسہ جعفریہ معرض وجود میں آ گیا۔اس مدرسہ کے باقیات الصالحات میں علامہ حسین بخش جاڑا مرحوم مجتہد العصر کا نام نامی خاص طور پر قابل ذکر ہے۔علامہ حسین بخش جاڑا، مفسر قران ہونے کے علاوہ کم وبیش 15 دوسری گراں قدر کتب کے مصنف تھے اور اپنے استاد گرامی کے تبحر علمی اور پاکیزگی کردار کی جیتی جاگتی تصویر ہیں۔یاد رہے کہ یہی جاڑا صاحب بعد میں اس جامعہ جعفریہ کے جو مفتی صاحب نے آخری عمر میں جی ٹی روڈ پر زر کثیر سے تعمیر کروایا تھا پرنسپل مقرر ہوئے۔1949ء میں وزیر اعظم پاکستان خان لیاقت علی خان نے حکومت پاکستان کی دینی اور شرعی رہبری کے لیے جو تعلیمات اسلامیہ بورڈ قائم کیا جس میں سید سلیمان ندوی، مفتی محمد شفیع، مولانا عبدالخالق اور انصاری رپورٹ والے مولانا ظفر احمد انصاری ایسے جید علماء شریک رہے اس میں شیعان پاکستان کی نمائندگی کا فریضہ مفتی صاحب قبلہ ہی کو سونپا گیا۔یہ بورڈ اپنی مدت عمر پوری کر چکنے کے بعد جب دوبارہ تشکیل دیا گیا اس میں بھی مفتی صاحب کی نامزدگی عمل میں آئی۔بورڈ کے ٹوٹ جانے کے مدتوں بعد جب جنرل ایوب خان نے اسلامی مشاورتی کونسل قائم کی تو اس میں بھی شیعان پاکستان کے نمائندگی کے لیے نظر انتخاب مفتی صاحب پر پڑی اور پھر جب جنرل ضیاء الحق نے مشاورتی کونسل کے بجائے ایک نئی اسلامی نظریاتی کونسل جسٹس تنزیل الرحمن کی صدارت میں قائم کی تو اس میں بھی ملت جعفریہ کی نمائندگی کا شرف مفتی صاحب ہی کے حصے میں آیا۔یونہی جب آئین پاکستان میں شامل قرارداد مقاصد کو عملی جامہ پہنانے کے لیے پاکستان بھر کے 31

علماء نے متفقہ طور بائیس نکات مدون کیے تو اس کے دستخط کنندگان میں بھی حافظ کفایت حسین کے علاوہ دوسرے شیعہ عالم مفتی جعفر حسین ہی تھے۔قارئین کو یاد ہوگا کہ ان 22 نکات کے ہمراہ جس تشریحی نوٹ کا یہ کہہ کر اضافہ کیا گیا تھا کہ کتاب وسنت کا مفہوم ہر فرقہ کے لیے صرف وہی قابل قبول ہوگا جو اس فرقے کے اپنے معتقدات کے مطابق صحیح اور مسلم ہوگا وہ اکثر و بیشتر انہی دو حضرات کی کدوکاوش کا نتیجہ تھا۔جنرل ضیاء الحق نفاذ اسلام کی کوششوں میں ملت اسلامیہ بالخصوص ملت جعفریہ کے حق دیانت دار و پرخلوص نہیں تھے۔چنانچہ جب اس نظریاتی کونسل نے اور کونسل کی ایماء پر حکومت وقت نے باوجود انتباہ کے ملت جعفریہ سے تعصب اور جانب داری کا سلوک روا رکھنے کی کوشش سے باز نہ رہنے کا عمل جاری رکھنا چاہا تو قبلہ مفتی صاحب نے بی بی سی کو ایک واضح اور جرات مندانہ انٹرویو دینے کے بعد اس کونسل کی رکنیت سے اپنا استعفیٰ پیش کر دیا۔حکومت نے ہر چند کوشش کی کہ مستعفی ہونے کے باوجود مفتی صاحب کونسل سے اور نہیں تو برائے نام تعاون جاری رکھیں اور بغیر حاضری دیئے یا کچھ کام کیے بغیر ماہانہ تنخواہ وصول کرتے رہیں لیکن مفتی صاحب نے ایک نہ سنی اور ایسے تمام دل فریب پیشکشوں کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیا۔یوں شیعان

پاکستان کی تاریخ کے اس نازک موڑ پر اپنی ملت کی قیادت کے تمام تقاضے پوری دیانتداری اور بے جگری سے پورے کر کے بعد میں آنے والوں کے لیے ایک سنہری مثال قائم کر دی۔اس کے بعد ملت جعفریہ نے 1979ء میں بھکر کے ایک ملک گیر کنونشن میں قیادت کا سہرا اس فقیر منش بوریا نشین کے سر پر سجانے کی سعادت حاصل کی۔اس فقیر نے چھ جولائی 1980 کو اپنے ایک مختصر سے لشکر کی سپہ سالاری کرتے ہوئے ایوان اقتدار میں زلزلہ پیدا کیا اور حکومت سے فقہ جعفریہ کی پابندی کے معاہدے پر دستخط لے کر اس نے ایک تاریخی فتح مبین حاصل کی۔مختلف

مراحل پر جان و مال عزت و آبرو آستان قدسیہ اہل بیت پر نچھاور کر دینے سے دریغ نہ کرنے کا تمغہ اپنے سینہ بے کینہ پر سجایا اور ایک جابر متکبر اور مستبد حکومت سے ٹکرانے کے نتیجے میں آخر کار 29 اگست 1983ء کی ایک جانگسل صبح کو اپنی نحیف جان کا نذرانہ بارگاہ مرتضوی میں پیش کر کے اس قلندر نے ابدی سرخ روئی کا تاج انعام میں پایا۔یہ سب واقعات وہ ہیں جو زمانہ حال کی تاریخ کا حصہ ہیں اور جن سے اپنے پرائے سب پوری طرح آگاہ ہیں۔مفتی صاحب اعلی اللہ مقامہ کی اور میری شناسائی 1949ء میں اس وقت ہوئی جب میں حیدرآباد سندھ میں بطور انکم ٹیکس آفیسر متعین تھا اور موصوف کا دو تین مجلسیں پڑھنے کے لیے وہاں ورود مسعود ہوا۔ہماری یہ ملاقات کم وبیش اسی روایتی ملاقات کی سی تھی جہاں چاہت کا تیر پہلی ہی نظر میں دو قطعی اجنبی شخصیتوں کو گھائل کر کے رکھ دیتا ہے۔مجلس کے بعد جب چائے کا دور چلا تو ہم دونوں کے مابین گفتگو اگرچہ مختصر اور ایک جانب سے عقیدت و احترام دوسری جانب سے علمی وقار کا آئینہ دار تھی تاہم اختتام محفل پر نہاں خانہ دل میں ہم دونوں محسوس کر رہے تھے کہ اس گفتگو کے تہہ دامن میں ایک ننھی چنگاری ضرور ایسی تھی جس کے سلگنے کی آج ابتداء ہو چکی تھی۔اس چنگاری نے کیوں کر امتداد زمانہ کے ساتھ بھڑک کر ایک شعلہ جوالہ کی صورت اختیار کی۔یہ طویل داستان ہے اس کے تمام نقوش آج بھی اس بندہ حقیر کے لوح دل پر روز اول کی طرح کندہ ہیں اور جن کا جائزہ یا اعادہ اسے آٹھ آٹھ آنسو رلانے پر مجبور کر دیتا ہے۔اگلے برس یعنی 1950ء میں میرا تبادلہ حیدراباد سے کراچی ہو گیا جہاں مفتی صاحب کچھ عرصہ پہلے سے حکومت پاکستان پر بحیثیت ممبر تعلیمات اسلامیہ بورڈ تعینات ہو کر قیام پذیر ہو چکے تھے۔مفتی صاحب کا رین بسیرا ان دنوں پرانی نمائش کے نزدیک جیکب لائنز کے ایک مختصر سے کوارٹر میں تھا۔جو اتفاق سے ہمارے دفتر سے کافی قریب تھا۔موصوف کی جاذب دل اور پرکشش شخصیت مجھے مجبور کرتی کہ میں وقفہ تفریح میں یا چھٹی کے بعد ان کے در دولت اقبال کے پر گاہے گاہے حاضری دوں۔صورت حال کے پیش نظر بہت جلد یہ ملاقاتیں گائے گائے سے ہفتہ وار سے اور زیادہ متواتر ہوتی چلی گئیں اور پھر چند ہی ماہ میں بعض صورت یہ تھی کہ کوئی جلسہ، مجلس یا دینی

اجتماع اگر تھوڑی سی بھی اہمیت کا حامل ہوتا تو موصوف شرکت کے لیے یا مجھے ہمراہ لیتے یا وہاں طلب فرماتے۔ کراچی میں مسلسل تقریباً پانچ برس کے قیام کے بعد قبلہ اپنے وطن مالوف گوجرانوالہ تشریف لے آئے۔ ہماری ملاقات کا وقت وقتاً فوقتاً خط اور پیغام رسانی کا مرہون منت ہوکر رہ جانا ایک لازمی امر تھا۔ تا م میرا جب کبھی پنجاب آنا ہوتا میں لازماً بلا استثناء گوجرانوالہ آپ کی خدمت میں حاضری دیے بغیر کراچی نہ لوٹتا اور یوں ہی جناب کا کراچی آنا ہوتا میرے غریب خانے پر قیام فرماتے۔ 1958ء کے بعد میرے مستقل طور پر لاہور آجانے پر ان کی ملاقاتوں معتدبہ اضافہ ہوجانا اور ان کی طوالت وتکرار کا بدرجہا بڑھ جانا بجائے خود ایک فطری بات تھی اور پھر 1966ء میں جب میری تعیناتی اتفاق سے خود گوجرانوالہ شہر میں ہوگئی تو ایسے لگا جیسے بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹے۔ زلیخا کے شباب کی طرح بیتا ہوا سہانا خوشگوار دور ایک دفعہ پلٹ آیا۔ موصوف ذرا سی تنہائی محسوس کرتے یہ کام کی زیادتی کے سبب طبیعت سیر وتفریح پر مائل ہوتی تو مجھے بلا بھیجتے۔ ظاہر ہے ان کا یہ بلاوا میرے لیے شرف کا درجہ رکھتا اور تعمیل حکم میں مجھے خاص لذت محسوس ہوتی۔ ہر دوسرے تیسرے روز شہر کی مختلف اطراف میں میلوں لمبی سیر پر نکل جانا ہمارا معمول ہوگیا اور ایسا کیوں نہ ہوتا جب کہ یہ سیر میں بھی تفریح سے کہیں زیادہ تعلیم وتربیت کی ایک صورت اور فیضان علم بلکہ الم انشرح قلب وصدر کی بہترین سبیل ہوتی۔ سیر کے دوران علمی، سیاسی، دینی اور دنیا بھر کے دوسرے موضوعات پر آپ ایسا جامع اور سیر حاصل تبصرہ کرتے کہ عقل دنگ رہ جاتی اور جب بعض ایسے دقیق مسائل پر مباحث کو جن کے سمجھنے سمجھانے کے لیے دوسرے بزرگوں سے گھنٹوں مصروف گفتگو رہ کر بھی دل کی تشفی نہ ہو پاتی۔ آپ چلتے چلتے ہلکے پھلکے انداز اور دل نشین پیرا میں بلا تکلف حل کرتے تو چشم تصور فوراً مجھے وہ منظر دکھلا دیتی جب بازار کوفہ میں بوسیدہ چٹائی پر بیٹھے ہوئے ایک مزدور اور خرما فروش جناب میثم کو باب مدینۃ العلم ان کے پہلو میں اسی چٹائی پر جلوہ افروز ہوکر کائنات اور ماورائے کائنات کے رموز واسرار اور حکمت ومعرفت کے پر پیچ نکات اشاروں میں تعلیم فرما دیتے۔ تین سالہ قیام گوجرانوالہ اور ما بعد کے زمانے کی تفصیلات زیادہ شرح وبسط سے بیان کرنا نہ تو وقت کا مقصود خاطر ہے اور نہ اس کی چنداں ضرورت ہے۔ آئینہ دل پر تمام نقوش اتنے گہرے ثبت ہیں کہ انہیں جتنا زیادہ کریدا جائے گا زخم دل اتنے گہرے ہوتے چلے جائیں گے۔ شاید اتنا کچھ بھی میں عرض خدمت نہ کرتا کہ درد دل کی کسک کے ہاتھوں مجبور نہ ہوتا۔

یاد ماضی عذاب ہے یارب چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

قلم یہ سوچ کر اٹھایا تھا کہ دوست یا ہم جلیس ہونے کے ناطے سے مفتی صاحب قبلہ کی سیرت کے دو ایک ممتاز پہلوؤں پر اپنے تاثرات قلم بند کروں۔ غور کرنے پر کہ میں جناب کی سیرت کے کون سے پہلوؤں کو ممتاز اور کون سے دوسرے گوشوں کو غیر ممتاز قرار دوں۔ بے بسی اور بے چارگی کے سوا مجھے کوئی اور راہ نظر نہیں آتی۔ حقیقت یہ ہے۔

زفرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جا است

(سر سے لے کر پاؤں تک جہاں بھی نظر پڑے کرشمہ دامن دل کھینچ کر تقاضا کرتا ہے کہ دیکھنے کی اصل جگہ یہی ہے) جو شخص سرتا پا حسن ہی حسن ہو اس کی صحبت میں سوائے خیر وبرکت کے کبھی کچھ اور نہ ملا ہو۔ اس کی باغ وبہار شخصیت میں مدت العمر ڈھونڈنے میں سے بھی کوئی کمی یا کجی دیکھنے میں نہ آئی ہو، اس کی سیرت کے کس پہلو کو دوسرے پر ترجیح دی جا سکتی ہے۔ میں نے جب بھی غور کیا مجھے موصوف میں جملہ صفات انسانی اعلیٰ درجے پر نظر آئیں۔ صفات حمیدہ کا وہ ایک ایسا دل فریب اور حسین مجموعہ تھے جسے قدرت نے پیکر انسانی عطا فرما کر آج کے مادی

زدہ اور راہ گم کردہ دور کے لیے اپنا ایک نمونہ بنا دیا تھا۔ آئمہ معصومین کا ذکر میں نہیں کرنا چاہتا۔ وہ تو دست قدرت کے خاص شاہ کار تھے۔ ان کا دنیا کے کسی دوسرے انسان سے مقابلہ یا موازنہ کرنا کسی کے لیے بھی جائز نہ ہوگا۔ وہ نفوس قدسیہ، وہ مخدوم ملائکہ، سلک عصمت کے انمول موتی، تسبیح طہارت کے وہ گنے چنے طیب دانے جنہیں بغیر وضو چھونا تو درکنار جن کی

طرف نظر اٹھانا بھی جسارت ہو، وہ جن کے لیے شاعر نے کہا ہو۔

ہزار بار بشویم دہن زعطر گلا بہنوز نام تو بردن کمال بے ادبی است

(منہ اگر عطر و گلاب سے ہزار مرتبہ بھی دھو لیا جائے تب بھی تب بھی آپ کا اسم گرامی زبان پر لانا انتہائی بے ادبی ہوگا) ہاں اگر ان کے مخصوص غلاموں میں سے کسی ایک کی سیرت کا معمولی سا جلوہ آج کے پر آشوب دور میں اب گل کے روپ میں کسی کو دیکھنا ہو تو وہ موصوف کو دیکھتا، لباس، خوراک، اور رہائش کے حوالہ سے موصوف کی سادگی اور لاپرواہی، دولت مند اور رئیس فطرت افراد سے بے اعتنائی اور بے نیازی، حاکمان وقت سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اعلائے کلمۃ الحق کی جرآت، دوستوں اور ہم جلیسوں سے بے تکلفی، صاحبان علم و دانش سے فروتنی نیاز مندی اور ہم پیشہ علماء سے گہرائی و گیرائی کی حامل گفتگو، ارباب ذوق ادباء شعراء سے بذلہ سنجی اور لطیفہ گوئی و فقہی مسائل حل کرتے وقت ہر درجہ احتیاط، سیاسی اور ملی مباحث میں بصیرت و دوربینی۔۔۔ موصوف کی سیرت کے یہ وہ چند پہلو تھے جو انہیں اپنے جملہ ہم عصر اور ہم پیشہ افراد پر پہلے ہی نظر میں ممتاز اور صاحب فوقیت قرار دینے کے لیے کافی تھے ان تمام پہلوں پر سیر حاصل تبصرہ کرنے کے لیے ایک دفتر درکار ہوگا۔ زیر نظر مقالہ میں نہ تو اس کی گنجائش ہے اور نہ ضرورت۔ مجھے اس وقت صرف اپنے ان چند تاثرات یا مشاہدات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے جنہیں یکسر فراموش کر دینا میرے بس کی بات نہیں، اور جن کی عوامی حلقوں میں سے یقیناً ہر وہ شخص تائید و توثیق کرے گا جس کا کسی نہ کسی جہت سے موصوف کے ساتھ تعلق رہا ہو۔ مرحوم کی سیرت کا ایک پہلو جس نے مجھے زندگی بھر متاثر ہی نہیں مسحور کیے رکھا وہ ان کا روزمرہ زندگی سے متعلق شرعی مسائل کو ہمیشہ آسان اور سہل العمل بنا کر بیان کرنا تھا۔ ہم ایسے عام لوگوں میں کون ہوگا جسے زندگی میں روزمرہ کے دینی اور فقہی مسائل اکثر علماء اور صاحبان منبر سے دریافت کرنے کے مواقع پیش نہ آئے ہوں۔ آپ نے دیکھا اور یقیناً محسوس بھی کیا ہوگا کہ اکثر صاحبان جبہ و دستار جواب مرحمت فرماتے وقت اپنی فوقیت کا راز مسئلہ کو زیادہ پیچیدہ اور بوجھل بنانے میں سمجھتے ہیں۔ برخلاف اس کی جب بھی موقع ملا زیر بحث مسئلہ کو مفتی صاحب مرحوم نے مقدور بھر آسان اور سبک بنا کر پیش کیا۔ میں اکثر اوقات روز مرہ کے معمولی مسائل سے لے کر مقابلتاً گھمبیر اور مشکل باتوں پر اپنی معلومات بڑھانے کے لیے ان سے تبادلہ خیال کیا اور دوسرے لوگوں کو بھی ان سے مختلف قسم کے مسائل دریافت کرتے دیکھا۔ مجھے ہمیشہ یہی محسوس ہوا کہ آپ حتیٰ الامکان کوشش کر کے مسئلے کا حل اس قدر واضح، سہل اور ممکن العمل بنا کر پیش کرتے کہ سائل شرح متین کو بوجھل اور ناقابل عمل سمجھ کر اپنی عافیت اس کی عائد کردہ فرائض سے کنارہ کشی میں ہی سمجھنے کے بجائے خود کو ہنسی خوشی کمال رضا اور رغبت سے دنیا اور آخرت دونوں جگہ سرخرو اور سرفراز ثابت کرنے کی سعی مسلسل مصروف ہو جاتا۔ یہ اور بات ہے کہ اس طرح دریافت کنندہ جناب کے دوسرے اکثر ہم عصر دوستوں کے برخلاف زبان و بیان کی لغوی اور منطقی پیچیدگیوں میں الجھ کر یا ان کے عمامہ و عبا سے مرعوب ہو کر آپ کو دنیا کی کوئی دوسری اور علیحدہ مخلوق تصور کرنے سے قاصر رہتا۔ ملاقات کے لیے آنے والے کئی حاجیوں کو میں نے دیکھا کہ ماضی قریب میں حج بیت اللہ کی سعادت سے مشرف ہوئے تھے اور جن کو ان کی نام نہاد کوتاہیوں کی عوض میں کئی کئی گوسفندوں کے کفارہ کی سزا تجویز کر کے ان ے مقامی مفتیوں نے ایک عجیب قسم کی ذہنی عقوبت میں گرفتار کر رکھا تھا اور جن کی گلو خلاصی مفتی صاحب قبلہ نے صرف فقہا شریعت کا ایک قول یہ بتلا کے کردی کہ اکثر اقسام کا کفارہ عائد ہونے کے لازمی ہے کہ کوتاہی عمداً اور ارادتاً کی گئی اور جو سہو میں یا بھولے سے کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہو تو الرحمن الرحیم کی نظر میں ناقابل گرفت ہے اور یوں ہی میں نے بہت سے ایسے نیک سیرت نوجوانوں کو دیکھا جو خمس کی واجب ادا رقم ادا کر کے شریعت کا یہ بوجھ سر سے اتار دینے کے دل سے خواہش مند تھے لیکن ان کے مقامی مولانا صاحبان ان کے پورے اثاثۃ البیت کا صفایا کروانے کے بعد بھی انہیں رہائی کا پروانہ عنایت فرمانے کے لیے تیار نہیں تھے۔ مفتی صاحب نے ان کو اطمینان اور سکون قلب کی دولت سے صرف یہ بتلا کر مالا مال کر دیا چند علماء کے نزدیک خمس کی ادائیگی کے لیے سالانہ بچت کا تخمینہ حسن نیت کے ساتھ شادی بیاہ یا تعمیر مکان اور دوسرے لازمی یا ناگزیر اخراجات کو منہا کر کے بھی لگایا جا سکتا ہے۔ انصاف سے کہیے کیا اقبال رح نے ایسی صورت حال اور اسی قسم کی فقہی موشگافیوں کو ذہن میں رکھ کر نہیں کہا تھا کہ عشق نہ

ہوتو شرح و دین بت کدا تصورات کہ فقہی مسائل کے علاوہ خود کو ملت یا معاشرے کے ایک عام فرد کی حیثیت سے پیش کرنے کی خواہش موصوف کے ہر عمل اور حرکت سے ظاہر ہوتی۔ مختلف النوع مسائل دریافت کرنے، اصول و معانی کی الجھنوں سے نپٹنے اور فلسفہ و ادب کی گھتیاں سلجھانے کی غرض سے امیر و غریب اپنے پرائے، عالم و جاہل اور بچے بوڑھے ہر قسم کے لوگ در دولت پر حاضر ہوتے۔ پلاسٹک سے منڈھے ہوئے دیوان یا پھٹے ہوئے فرشی قالین پر بیٹھے ہوئے یا کھری چار پائی پر نیم لیٹے ہوئے جواب دیتے وقت آپ ہمیشہ کوشش کرتے کہ بات چیت مخاطب کی ذہنی سطح اس کی تعلیم و تربیت اس کے عام ماحول اور پس منظر کو ذہن میں رکھتے ہوئے کریں اور اسے کسی قسم کی ہچکچاہٹ، الجھن یا احساس کمتری سے دو چار نہ ہونے دیں۔ بارہا ایسا بھی دیکھنے میں آیا کہ دور افتادہ دیہات میں بسنے والے کسی ان پڑھ مرد یا عورت سے آپ کو ٹھیٹھ پنجابی زبان میں اسی کے لب ولہجہ میں گفتگو کرتے ہوئے دیکھ کر آپ کے کئی احباب کا منہ حیرت واستعجاب سے کھلے کا کھلا اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں کہ یا الہی کیا یہ وہی مفتی صاحب ہیں جنہیں ہم صبح شام منبر سے کوثر و تسنیم سے دھلی ہوئی دہلی اور لکھنؤ کی سکہ بند نستعلیق زبان میں فراز کوہسار سے بہتی آبشار کے روانی کے ساتھ فصاحت و بلاغت کے موتی بکھیرتے ہوئے دیکھتے ہیں اور اسی طرح جب موصوف اپنے ایرانی نژاد مہمانوں سے فارسی زبان میں ہم کلام ہوتے تو آپ کو بے تکلف اور بے تکان دقیق سے دقیق مسائل پر بحث کرتے ہوئے دیکھ کر کسی کو شبہ نہ گزرتا کہ آپ ان لوگوں کے ہم زبان نہیں۔ حافظہ اپ نے بلا کا پایا تھا۔لین دین کے معاملات واکثر احاطہ تحریر میں لانے کی زحمت گوارا نہ کرتے۔ضرورت پڑنے پر برسوں بعد نہ صرف گزرے ہوئے واقعات یاد دلانے میں آپ کو کوئی مشکل درپیش نہ آتی بلکہ بعض اوقات گفتگو کے الفاظ تک بلا تامل من وعن دہرا کر صاحبان معاملہ کو ورطہ حیرت میں ڈال دیتے۔گھر آئے مہمان کی خاطر مدارات میں آپ کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے اور اس کے لیے پر تکلف اور لذیذ کھانے پکواتے حالانکہ اپ کی اپنی خوراک ہمیشہ نا قابل یقین حد تک سادہ بھی ہوتی اور مقدار میں قلیل بھی۔دعوت میں تشریف لے جاتے تو حتی الامکان پر تکلف کھانوں کو چھوڑ کر کم قیمت اور سادہ پکوان کی طرف رغبت کا اظہار کرتے۔آپ کی اس عادت سے مجبور ہو کر میں نے اور مجھ ایسے بہت سے دوستوں نے رفتہ رفتہ یہ معمول بنا لیا تھا کہ دعوتوں میں مفتی صاحب سے دور ہٹ کر بیٹھنے کی کوشش کرتے کیونکہ بارہا ایسا ہوا کہ دستر خوان پر آپ کے قریب نشست پر بیٹھ جانے کی پاداش میں ہمیں نیم گرسنہ یا بے مزہ کام و دہن کے ساتھ واپس گھر لوٹنا پڑا۔کسی دوست کے ہاں جانا ہوتا تو کوشش کرتے کہ ما حضر ہی تناول فرمائیں اور میزبان کو بلا ضرورت تکلف کرنے کی زحمت نہ دیں۔میرے ہاں ایک مرتبہ کافی رات گئے اچانک تشریف لانے کا اتفاق ہوا۔میں نے عرض کیا ماحضر کے علاوہ اجازت ہو تو جلدی میں تھوڑا سا حلوہ تیار کروا لوں۔ہنس کر فرمانے لگے کہیں میرے مولوی ہونے کے ناطے سے تو نہیں کہہ رہے۔نماز کی اقتدا کرتے وقت بالالتزام حتی المقدور اختصار کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑتے۔بعد نماز یا بعد مجلس اول تو حاضرین کو مصافحہ کرنے کی طرف متوجہ ہی نہ ہونے دیتے اور اگر ضرورت ناگزیر ہو جاتی تو اس میں انتہائی عجز وانکسار کا مظاہرہ فرماتے۔منبر سے بلاواسطہ موعظہ بیان کرنے سے احتراز کرتے۔پوچھنے پر ایک مرتبہ فرمایا موعظہ کا کرنے کا صحیح حق اسے پہنچتا ہے جو خود مثالی کردار کا حامل ہو اور جو تقوی کی اس بلند منزل پر فائز ہو اس کا تذکرہ امیر المومنین نے نہج البلاغہ میں فرما دیا ہے۔عزت نفس اور استغناء کا یہ عالم تھا کہیں مجلس وغیرہ پڑھنے تشریف لے جاتے تو اکثر اوقات اختتام محفل پر سے جلسہ گاہ سے اٹھتے ہی سیدھے منزل کی جانب روانہ ہو جاتے۔بارہا ایسا ہوا کہ میزبان یا امیر مجلس آپ کے تلاش میں ریلوے اسٹیشن یا بس اسٹینڈ پر پہنچا اور اپ کو مراجعت کے لیے سوار ہوتا دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا۔طالب علمی کے زمانے میں گجرات کاٹھیاوار سے ایک مرتبہ سیٹھ غلام حسین جیٹھا بھائی گوکل لکھنؤ تشریف لائے اور انہوں نے مدرسہ ناظمیہ کے تمام طلباء کو طلب فرمایا تا کہ سب کو مبلغ پانچ پانچ روپے نقد فی کس خمس کی مد میں ہدیہ پیش کریں۔گنتی کی گئی تو معلوم ہوا واحد غیر حاضری مفتی جعفر حسین کی تھی۔حالانکہ ان دنوں آپ کا شمار ان طلباء میں تھا جن کے جن کے پاس سخت جاڑے کے ایام میں نہ تو ڈھنگ کا لحاف تھا نہ توشک اور پھر یہ زمانہ روپے کی گراں مائیگی کے لحاظ سے وہ زمانہ تھا جب ایک روپے کی تین مرغیاں یا 32 بٹیر خریدے جا سکتے تھے اور جب

گندم ڈیڑھ روپے من، دیسی گھی 14 آنے سیر اور برفی چار آنے سیر تھی۔ گورنمنٹ کے اداروں میں شرکت کے دوران آپ نے کبھی اپنی معینہ حیثیت کے ہوٹل یا ریسٹ ہاؤس میں قیام فرمانا گوارا نہ کیا۔ میٹنگ وغیرہ کے لیے جانا ہوتا تو اپنی پسند کے کسی دینی مدرسہ یہ امام بارگاہ میں ڈیرا ڈال دیتے اور یہ ڈیرا ڈالنا بھی کیا ہوتا؟ جاڑا ہو یا گرمی آپ نے نہ کبھی بستر ہمراہ اٹھانے کی زحمت گوارہ کی نہ کوئی سوٹ کیس یا بریف کیس ساتھ لیا۔ جانا دور ہو یا نزدیک اپنی اکلوتی بیٹی کے اصرار پر ایک چھوٹا سا تھیلا ساتھ لے لیتے جس میں صرف ایک جوڑا لباس اور ایک ٹوتھ پیسٹ کی ٹیوب کے سوا اور کچھ نہ ہوتا اور یہ مختصر سامانی اور بے بضاعتی آپ کے سینہ پر اس آقا کی غلامی کے تغمہ کی صورت میں دمکتی جس کی بارگاہ میں آپ کے کردار کے اس پہلو کو حکیم الامت نے یہ کہ کر خراج تحسین پیش کیا تھا کہ

بادشاہ وکلبہ ایوان او یک حسام و یک زرہ سامان او

(ایسا شہنشاہ جس کا محل ایک ٹوٹی پھوٹی جھونپڑی اور جس کے ساز و سامان کی پوری کائنات صرف ایک تلوار اور ایک زرہ تھی۔) اور پھر دوسری جگہ یوں فرمایا

حکمرانے بود و سامانے نداشت دست او جز تیغ و قرآنے نداشت

(وہ ایسا حکمران تھا جس کے پاس ساز و سامان ایسی کوئی شے نہ تھی اس کے دست مبارک میں شمشیر اور قرآن پاک کے علاوہ اور کچھ نہ تھا) سفر خرچ اور یومیہ وغیرہ کا آپ گورنمنٹ سے کبھی مطالبہ نہ کرتے اور جو کچھ حکومت کے متعلقہ اہل کار اپنی صوابدید سے اس مد میں آپ کو پیش کرتے آپ اسے بخوشی قبول فرما لیتے۔ پاکستان نظریاتی کونسل سے استعفیٰ کے بعد حکومت وقت نے بار بار مقررہ مشاہرہ یا اعزازیہ آپ کے پتہ پر ارسال کرنے کی کوشش کی لیکن آپ نے ہمیشہ سے شکریہ کے ساتھ واپس لوٹا دیا۔ کسی فرد واحد یا ادارے کی دینی یا کسی اور قسم کی کوئی خدمت بجالاتے دوست تو دوست کسی غیر تک کسی قسم کا مال یا کوئی اور مطالبہ کرنے کا تصور تک ذہن میں نہ لاتے حالانکہ دوسرے لوگ اس ضمن یں باقاعدہ سودے بازی اور مول تول کر کے ضمیر فروشی کا کھلا مظاہرہ کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہ کرتے۔ وقت یا پروگرام کا جو تعین ایک مرتبہ کسی سے طے کر لیتے بارش ہو یا آندھی زلزلہ ہو یا طوفان اس پر پورا اترنے کی پوری کوشش

کرتے۔ بسا اوقات دوسروں کی غیر معمولی زحمت کے پیش نظر سواری منگوانے کی بجائے معینہ مقام پر خود پہنچ جانے کی پیشکش کرنے میں لذت محسوس فرماتے۔ آندھی اور طوفان کا ذکر آیا تو میں یہ بھی عرض کر دوں کہ آپ مہیب اور ہولناک قسم کے طوفانوں سے گھبرانے کے بجائے ان سے لطف اندوز ہونا زیادہ پسند کرتے۔ آپ کا کہنا تھا کہ عقل سلیم کے پاس کون سی دلیل ہے جس سے انسان زلزلے اور طوفان کو ایک لہلہاتے کھیت اور خوش خرام ندی سے قدرت کے کم تر درجہ کے مظاہر قرار دے۔ مفتی صاحب کو جو مناظر قدرت کے دلدادہ جو جمالاتی ذوق سے بھرپور اہلیت کے حامل تھے۔ میں نے بارہا گرجتے بادلوں، کڑکتی چمکتی بجلیوں اور لرزہ خیز طوفانوں سے جہاں بڑے بڑے شیر دل سورماؤں کا خوف و ہراس سے زہرہ آب ہو اور وہ سہم کر گھر کے تاریک کونوں میں دبک جانے کو ترجیح دیں ویسے ہی لطف اندوز اور خوش ہوتے دیکھا جیسے برف پوش وادیوں، نغمہ ریز ندیوں، مہکتے پھولوں سے۔ ایک مرتبہ مجھے آپ کے ہمراہ سخت جاڑے میں مری جانے کا اتفاق ہوا۔ یہ دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ آپ معمول کی عبا و قبا میں یخ بستہ ہوا کے تھپڑوں میں موزے کے بغیر کھلے سلیپروں کے ساتھ برف سے اٹی سڑکوں پر بے تکلف ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر گھوم پھر رہے تھے اور آپ کے چہرے پر طمانیت و انبساط کی خاص کیفیت طاری تھی۔ اعلی انسانی قدروں پر محیط انتہائی خوش گوار سادگی اور فروتنی کا آئینہ دار آپ کا طرز عمل یقیناً امیر المومنین کی سیرت کے اس پہلو کی تاسی میں تھا جس کی تشریح دربار معاویہ میں ایک مرتبہ آپ کے ایک جلیل القدر صحابی نے یوں فرمائی تھی۔ تاریخ میں ہے کہ امیر شام ایک مرتبہ ضرار بن ضمرہ کو دربار میں طلب کیا۔ ان سے امیر المومنین کی سیرت کے متعلق کچھ بیان کرنے کی خواہش کی۔ خیال اس کا یہ تھا کہ سطوت شاہی اور طنطنہ خسروی کے زیر اثر ضرار سے وہ کچھ ایسے کلمات کہلوائے جن سے اپنے دل کے پھپھولے پھوڑ سکے۔ چنانچہ ضرار نے لیت و لعل سے کام لینا چاہا۔ جب اصرار حد سے بڑھا تو مولا کے بوڑھے صحابی نے لب لعل وا کیے فرمایا امیر شام! اس مرتبہ انسان کی عظمت نفس کا کیا کہنا جس کا علمی وقار اور جس کا دبدبہ کردار ایسا تھا کوئی بڑے سے بڑا تاجدار یا متبحر عالم آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ان سے ہم کلام ہونے

کی جرآت نہیں کر سکتا تھا لیکن حضور ہم ایسے مزدور اور بے مایا لوگوں میں رہتے سہتے یوں تھے گویا ہم ہی کے ایک فرد تھے اور بس۔

مفتی صاحب کے علمی مقام کا تعین کرنا میرے لیے کسی جہت سے مناسب نہ ہوگا۔

قدر زر زرگر بداند قدر جوہر جوہری

آپ کے علم وفضل کی حدود جاننے کے لیے یا آپ کی تصانیف پر نظر کرنا ہوگی یا اپ کے معاصرین اور ملک کے دوسرے دانشور حضرات اور ارباب علم وفضل سے رجوع کرنا ہوگا۔ مفتی صاحب کا واسطہ زیادہ تر عربی زبان سے تھا جس سے میں قطعی طور پر ناواقف ہوں۔ تاہم آپ طلب علم میں کیوں کر ہمیشہ مستعد رہتے اور چشمہ علم وحکمت سے سیراب ہونے کے لیے کیونکہ ہمہ وقت بے تابی و بے قراری کا مظاہرہ کرتے اس کا اندازہ مجھے اکثر ہوتا رہتا۔ انگریزی ادب میں سے جس سے آپ قطعی ناواقف تھے۔ کوئی اچھا جملہ ضرب المثل، شہ پارہ یا اچھوتا تخیل اگر اتفاق سے مجھے موقع ومحل کی مناسب یاد آجاتا تو آپ نہ صرف پوری توجہ اور انہماک سے سماعت فرماتے اور اس سے لطف اندوز ہوتے بلکہ ہمیشہ اصرار فرماتے کہ انگریزی ادب میں جتنا سرمایہ میرے پیش نظر آئے انہیں اس سے آگاہ کروں۔ یہ اور بات ہے کہ جب میں نے اس قبیل کی کوئی بات ان کے علم لانا چاہی تو اکثر اوقات انہوں نے اس تخیل یا نظریہ کا حامل حوالہ عربی اور فارسی ادب میں سے فی البدیہ پیش کر دیا۔ یہ حوالے اکثر و بیشتر وہ امیر المومنین کی نہج البلاغہ ہی سے جو انہیں تقریبا ازبر یاد تھی پیش فرمایا کرتے۔ اس بارے میں ان کا قول جسے وہ اکثر دہراتے بھی رہتے ہیں اور بار بار ثابت بھی کیا کرتے تھے کہ دنیا کے تقریباً تمام دانشوروں کا حقیقی ماخذ جناب ختمی مرتبت اور امیر المومنین ہی کی ذوات گرامی ہیں۔ مفتی صاحب کے کردار کا ایک پہلو جسے میں روشن ہی نہیں روشن ترین کہوں گا خود کو فرشتہ کے بجائے خاطی اور گناہ گار انسان کے روپ میں پیش کرنا تھا۔ قارئین خوب جانتے ہیں کہ اپنے کسی کمزور یا کوتاہی کا برملا اعتراف انسان کے لیے کتنا کٹھن مرحلہ ہوتا ہے۔ فطرت ہر شخص کو مجبور کرتی ہے کہ اپنے کردار کی عمارت کو جتنا ممکن ہو سکے حسین و دل کش بنا کر عوام کے سامنے پیش کرے تاکہ معاشرے میں اسے بلند مقام حاصل رہے۔ اس کے لیے لوگ منافقت اور ریاکاری کے نئے سے نئے لبادے اوڑھ کر اپنے کوتائیوں کو خوبیاں کمزوریوں کو جوہر بنا کر پیش کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔ اکثر سادہ لوح انسان کو تو اپنی غلطیوں یا غفلتوں کا صحیح احساس ہی نہیں ہو پاتا۔ وہ مدت العمر خود فریبی کا شکار رہ کر احمقوں کی جنت میں بسے رہنے کو ہی ترجیح دیتے ہیں۔ لیکن جہاں اپنی کمزوری یا فروگزاشت پورا پورا علم عرفان ہو جائے وہاں بھی اس کا اعتراف اور پھر برملا اظہار عظمت نفس اور بلندی کردار کی آخری منزل پر فائض ہونے کا مطالبہ کرتا ہے اور یہ تو تھا ایک عام انسان کا معاملہ۔ جس طبقے سے مفتی صاحب کا تعلق تھا اس طبقے کے کسی انسان سے اس قسم کی توقع رکھنا دشوار نہیں بالکل عبث ہوگا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اس طبقے کے اکثر بیشتر افراد کی وجاہت کی تمام تر اساس بالعموم عوام کی عقیدت و احترام اور ان کے اعتماد و حسن ظن پر ہی استوار ہوتی ہے۔ جہاں اس کی عقیدت کو ذرا سی ٹھیس پہنچی دنیوی وجاہت کی پوری عمارت دھڑام سے نیچے آگری۔ ادھر تہہ دامن سے کسی غفلت یا فروگزاشت نے ذرا سا باہر جھانکا ادھر پارسائی اور نیکوکاری کا بنا بنایا کھیل الٹ کر رہ گیا۔ ایسے میں تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے بلند قامت قائد کے لیے کتنا مشکل اور کٹھ ہو سکتا تھا اپنی کسی غفلت یا فروگزاشت کا برملا اظہار۔ آخر مدتوں کی سعی پیہم سے استوار کی گئی مرتبہ مقام کی فلک بوس عمارت کو اپنے ہاتھوں خود پاش پاش کر دینے کا خطرہ مول لینا کسی معمولی دل گردے کے انسان کا کام کیوں کر ہو سکتا ہے۔ اس کے لیے تو سمندر سے زیادہ کشادہ سینہ اور پہاڑ سے زیادہ مضبوط دل درکار ہوگا۔ مفتی صاحب ایک مرتبہ دوپہر کو میرے ہاں تشریف لائے۔ ظہرین کی نماز ادا کرنے ہی والے تھے کہ جلدی سے وضو کر کے میں نے بھی شرکت کی خواہش کی۔ فرمانے لگے۔ شریف صاحب! توقف کیجئے۔ مجھے ابھی صبح کی دو رکعت قضا پڑھنی ہے۔ یہ سننا تھا کہ میں سناٹے میں آ گیا۔ سنا ہوا ضرور تھا:

ہیچ کس بے دامن تر نیست الا پیش خلق
بازمی پوشیدہ و ما برا فتاب افگندہ ایم

(کارگاہ ہستی میں کوئی انسان ایسا نہیں جس کا دامن آلودہ نہ ہو۔ ہاں البتہ لوگ اپنے دامن تر کو چھپا کر رکھتے ہیں اور ہم ہیں کہ ہم نے اسے

سب کے سامنے باہر دھوپ میں پھیلا رکھا ہے)

لیکن کبھی سوچا نہ تھا کہ اس مرتبہ ومقام کا انسان اس کی عملی تفسیر یوں بے تکلفی سے پیش کرسکتا ہے۔ یہ دورکعتی نماز جو صبح قضا ہو چکی تھی وہ آئندہ کسی دوسرے وقت پر بھی اٹھا رکھی جاسکتی تھی۔ اپنی مجبوری کے عذر میں چند در چند تاویلوں کا تانا بانا بھی بنایا جاسکتا تھا لیکن ایک مرد درویش نے یہ گوارا نہ کیا ان کی ضمیر کا صاف شفاف آئینہ ریا کاری کے میل سے زنگ الود ہو۔ آپ نے یہ تو گوارا کرلیا کہ شریف صاحب انہیں سہل انگار اور غفلت کیش انسان تصور کریں لیکن آپ نے یہ گوارا نہ کیا کہ حق وصداقت کے آب زلال میں تلبیس کی غلاظت کا تعفن پیدا کرے۔ سچ کہا تھا کسی نے کہ

ملا شدن چہ آسان انسان شدن چہ مشکل

ہر عظیم انسان یا قائد کی زندگی دو قسم کے واقعات پر مشتمل ہوتی ہے۔ ایک وہ جنہیں گھر کے افراد یا دوسرے مخصوص دوست احباب ہی جانتے ہیں اور دوسرے وہ جن کا تعلق عوام سے ہوتا ہے۔ پہلی قسم کے بیسیوں نئے سے نئے واقعات ملک کے طول وارض اور بیرون ملک آپ کے لاتعداد چاہنے والوں کی زبان سے آپ سنیں گے اور ان میں سے ہر واقعہ آپ کی سیرت کے کسی نہ کسی نئے پہلو کی نشاندہی کرے گا۔ آپ کے حسن عمل اور حسن کردار کا ایک ادنیٰ ثبوت یہ ہے کہ آپ کا کوئی بھی دوست آج یہ باور کرنے کے لیے تیار نہیں کہ مفتی صاحب کا قرب کسی اور کو اس سے زیادہ حاصل تھا یا کسی اور سے ان سے زیادہ پرخلوص مراسم تھے۔ دوسری قسم کے واقعات تاریخ کا حصہ بن کر قومی ملکیت قرار پاتے ہیں۔ ان میں آپ کی تصانیف شرح نہج البلاغہ شرح صحیفہ کاملہ، دو جلدوں پر مشتمل سیرت امیر المومنین کے علاوہ بجائے خود اپنی اپنی حدود میں علم وادب کا منہ بولتا شاہکار میں سرفہرست چند ایک یہ ہیں: قرارداد مقاصد کی تدوین میں آپ کا تشریحی نوٹ، تعلیمات اسلامیہ بورڈ کے ممبر کے کی حیثیت سے وفاقی وزیر پاکستان جناب سردار عبدالرب نشتر سے اپ کا تاریخی مکالمہ، بکھر کنونشن میں مخالفین کی ریشہ دوانیوں کے باوجود لاکھوں افراد کے اعتماد سے قائد تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کی حیثیت سے آپ کا انتخاب، پاکستان کی نظریاتی کونسل سے اصولی اختلاف کی بناء پر اپ کا استعفیٰ، نفاذ اسلام میں حکومت وقت کے جانب دارانہ رویے کی تشریح میں بی بی سی کے نمائندے سے انٹرویو، اسلام آباد کنونشن میں آپ کا تدبر وحکمت سے لبریز کردار حکومت اور شیعان پاکستان کے مابین طے پانے والے شیعی تشخص کا آئینہ دار معاہدہ امن، روزنامہ جنگ کو بستر مرگ سے دیا ہوا تاریخ ساز انٹرویو اور جی ٹی روڈ گجرانوالہ پر چار ایکڑ قطع زمین پر ذاتی دیانت اور عوام وخواص کے اعتماد کے سہارے اور انفرادی سعی وکاوش کے بل بوتے پر تعمیر کی گئی جامعہ جعفریہ کی وسیع وعریض عمارت۔ اس مختصر سے مقالہ میں ان پر تبصرہ تنقید کی گنجائش ہے اور نہ ضرورت، یہ کام ان کے کسی بابصیرت اور دیانت دار سوانح نگار کے ہاتھوں سرانجام پانے کا ہے۔ اتنا بہرحال طے ہے ان تمام کارناموں میں سے ایک بھی ایسا نہیں جسے مورخ پاکستان میں شیعیت کی تاریخ میں سنگ میل سے کم درجہ دے سکے۔ یہ تمام کے تمام واقعات پاکستان میں بقائے شیعیت کی جدوجہد کے چھتیس سالہ سفر میں ان اہم موڑوں کے نشاندہی کرتے ہیں جہاں کاروان ملی کے سربکف سپاہیوں اور دین فروش بھگوڑوں کے راستے الگ الگ ہوتے رہے، شمع حریت کے جانباز پروانوں اور سفلی کیڑے مکوڑوں میں واضح پہچان ہوتی رہی اور جہاں اقتدار کے ریزہ چیں ایک صف میں کفن بردوش مجاہد علیحدہ چھٹ کا دوسری صف شامل نظر آتے رہے۔ نگاہ کی بلندی، عزم کی پختگی، مقصد کی لگن اور خلوص نیت میں آپ ایک طرح سے قائداعظم محمد علی جناح کی مثال تھے۔ انہی کی طرح آپ کا جسم نحیف و ناتواں اور سینہ ہمت اور حوصلہ کی آگ سے روشن تھا۔ انہی کی طرح باطل سے ٹکرانے اور طاغوت کو سرنگوں دیکھنے کے ولولے سے آپ کے دل ودماغ سرشار رہتے تھے انہی کی طرح آپ قوم کی کشتی بے وجہ خونریزی اور بے تصادم کی چٹانوں سے دور ہٹا کر تدبر اور حکمت کے بل بوتے پر ساحل مراد تک پہنچانے کے قائل تھے۔ دونوں زندگی کے سفر میں ہر اہم موڑ پر ہمیشہ اقبال کے مرد مومن کی ایک جیتی جاگتی تصویر نظر آئے۔ دونوں کو مخالفت کے طوفانوں کا اپنی ثابت قدمی اور اوالعزمی سے منہ موڑ دینے میں یدطولی حاصل تھا اور دونوں کو دنیا نے ہمیشہ دم گفتگو نرم اور دم جستجو گرم پایا۔ قائداعظم نے ایک مدت تک ہندو مسلم اتحاد کو اپنی زندگی کا نصب العین قرار دے رکھا اور آخری عمر میں ناگزیر وجوہات کے

سبب سے آپ کو صرف مسلمانان ہند کی قیادت اختیار کرنا پڑی۔ بعینہٖ اسی طرح تخلیق پاکستان کے بعد ایک مدت تک مفتی صاحب بھی شیعہ سنی اتحاد کے علمبردار رہے اور آپ نے ہمیشہ امت مسلمہ کو فرقہ واریت کی وبا سے دور رہنے اور اللہ کی رسی کو مضبوط تھامے رکھنے کا پوری قوت کے ساتھ درس دیا اور آخر عمر میں آپ کو بھی ناگزیر وجوہات کے سبب سواد اعظم سے کٹ کر صرف فرقہ جعفریہ کی قیادت کا پرچم تھامنا پڑا اور پھر دنیا نے دیکھا کہ قیادت کا یہ پرچم حکومت اور چند تخریب پسند عناصر کی مسلسل مخالفت کے باوجود آپ نے اسی شان سے تھاما کہ جب تک جیئے قائد اعظم کی مانند سوائے ناقابل ذکر مستثنیات کے، ملت جعفریہ کے پورے تین کروڑ افراد کے دل کی دھڑکن بن کر جیئے، اسے تائید غیبی کہیے کہ شبانہ روز کی تگ و دو کا اعجاز کہ جب قادر مطلق کے دربار میں حاضری کے لیے نقارہ بجا تو قائد اعظم کی طرح ان کی قوم بھی جو کبھی ایک آوارہ و منتشر گلہ گوسفند سے زیادہ حیثیت کی مالک نہیں تھی، دشمن کی پے در پے عیاریوں اور چیرہ دستیوں کے شر کے خلاف اخوت و اتحاد کے دانوں سے پروئی ہوئی ایک تسبیح اور غنیم کی بے پناہ یلغار کے روبرو بھائی چارے اور یگانگت کی مضبوط بنیادوں پر استوار ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی شکل اختیار کر چکی تھی اور یہ قدرت کا ایک معجزہ نہیں تو اور کیا تھا کہ جس طرح قائد اعظم محمد جناح کی صورت میں نہ میدان قتال گرم ہوا نہ دار و رسم کی صعوبت سہنے کی نوبت آئی اور مبداء فیاض نے فتح بلکہ فتح مبین محض پیہم جدوجہد کے طفیل ان کی جھولی میں ڈال دی عین اسی طرح شیعہ قوم کی چھتیس سالہ جدوجہد کی واحد فتح معاہدہ اسلام آباد کی شکل میں بہت سے کوتاہ نظر مشیروں کے مشورے کے برخلاف بغیر غارت گری اور خون ریز تصادم کے قادر قدرت نے آپ کے دفتر اعمال میں لکھ دی۔ عزم و ہمت کا کیسا طوفان آپ کے قلب و جگر کو ہمہ وقت گرمائے رکھتا تھا اور جرات و استقلال کی کون سی تڑپ آپ کو ہمیشہ بے قرار رکھتی تھی اس کی جھلک اگر آپ کو دیکھنا ہو تو دو واقعات مجھ سے سن لیں۔ ایک دفعہ سخت گرمی کا زمانہ تھا، ہم کمرے میں بیٹھے بات چیت میں مشغول تھے۔ دفعتاً بجلی منقطع ہوگئی اور پنکھا چلنا بند ہو گیا۔ حبس اس شدت کا تھا کہ نہ کمرے کے اندر سکون تھا نہ باہر صحن کی کھلی فضا میں۔ دو تین مرتبہ جگہ بدلی لیکن کسی کل چین نصیب نہ ہو سکا۔ بلکہ طبیعت کی بے قراری میں اور اضافہ ہوتا گیا۔ مفتی صاحب کی گھبراہٹ کا اندازہ کرتے ہوئے میں نے ہنس کر عرض کیا حضور! یہ تو گھر ہے جہاں ہر قسم کی آسائش میسر ہے۔ نصیب دشمنان آپ کو تو شاید مستقبل قریب میں قائد تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کی حیثیت سے حکومت کا مہمان بننا اور زندان کی مشقت جھیلنا پڑے۔ فوراً بات کاٹتے ہوئے بولے شریف صاحب! وقت تو آنے دیجیئے۔ وہ محل امتحان ہوگا۔ خدا نے چاہا تو آپ دیکھ لیں گے میں تائید ایزدی سے کیوں کر وہاں سنت سید سجاد پر عمل پیرا ہو کر سرخرو ہوتا ہوں۔ جس فقیر نے پوری زندگی جیل کی طرح کاٹی ہو وہ ان مشکلات سے کیا گھبرائے گا۔ صدر مملکت نے اسلام آباد میں پہلی علماء کنونشن بلائی۔ دعوت نامے پر مزید استخارہ کرنے کے بعد مفتی صاحب بھی اسلام آباد پہنچے۔ اجلاس کے دوران آپ نے دیکھا شرکاء محفل نفاذ اسلام کی جدوجہد پر حکومت وقت کی ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر توصیف و تعریف کر رہے ہیں۔ جو مقرر اٹھتا صاحب صدر پر تحسین و آفرین کے ڈونگرے برساتا۔ ایسے میں مفتی صاحب نے تقریر کرنے کا ارادہ ترک کر دیا لیکن تقاضے وقت، انتظامیہ کے اصرار پر آپ کو اسٹیج پر آنا پڑا۔ حمد و ثنائے باری تعالی اور پیغمبر و اہل بیت پیغمبر پر درود و سلام کے بعد آپ نے فرمایا صاحب صدر! ارشاد ختم مرتبت ہے کہ کافر حکومت باقی رہ سکتی ہے لیکن ظالم حکومت کے لیے فنا مقدر ہے۔ میں آپ سے التماس کرتا ہوں کہ عدل و انصاف کے تقاضے پورے کرتے ہوئے آپ چھ جولائی کا ہم سے کیا ہوا وعدہ ایفا فرمائیں والسلام۔ یہ کہ کر آپ اسٹیج سے نیچے اتر آئے۔ موقع و محل کی مناسبت سے لطیف و مختصر جامع و بلیغ فقرے، برجستہ فی البدیہہ کہ دینے میں مفتی صاحب کو ید طولی حاصل تھا۔ بعض اوقات لطیفہ گوئی اور بذلہ سنجی کی ایسی ایسی پھل جھڑیاں چھوڑتے کہ محفل کشت زعفران بن جاتی۔ آپ کے دوستوں اور ہم جلیسوں میں سے شاید ہی کوئی ایسا ملے جو آپ کی سیرت کی اس پہلو سے ناآشنا رہا ہو۔ مدرسہ ناظمیہ لکھنؤ میں زمانہ طالب علمی کے دوران آپ نے اپنے استاد محترم جناب نجم الملت کی صحت یابی کے موقع پر حماسہ کے ایک مشہور قصیدہ کی بحر میں قلم برداشتہ عربی میں قصیدہ کہ کر ان سے چھوٹی سی عمر میں داد تحسین کے پھول وصول کرنا ان کے ہاں ہم عصروں میں سے کسے یاد نہ ہوگا۔ ہو سکتا ہے

بعض کوتاہ نظر ناقد یا حسود آپ کی حسِ ظرافت یا اس مزاح پر یہ کہہ کر انگشت نمائی کریں کہ ایک عالمِ دین شرع متین کو مزاح زیب نہیں دیتا ان کی خدمت میں عرض کروں گا کہ مفتی صاحب کی ظرافت آپ کا بعینہ وہ زیور تھا جس سے خود اپنی امیر المومنینؑ کی ذاتِ گرامی آراستہ و پیراستہ تھی۔ تاریخ اسلامی کے کون سے طالب علم کو یہ واقعہ یاد نہ ہوگا ایک مرتبہ خلیفہ دوم نے اپنی مجلس خاص میں اپنی اس تشویش کا بطور خاص تذکرہ فرمایا تو انہیں اپنے جانشین کے تقرر کے سلسلے میں لاحق تھی۔ آپ نے چار پانچ ان افراد کا ذکر فرمایا جو آپ کے خیال میں اس منصب جلیلہ کے لیے موزوں اور مناسب ہو سکتے تھے۔ پھر آپ نے ان سب کے کردار کا باری باری تجزیہ کرنا شروع کیا۔ کسی کو امت کا فرعون قرار دیا اور کسی کو خوشی اور فراغت میں مومن اور غصہ پریشانی میں کافر کہہ کر مسترد کر دیا۔ کس کو آسائش کا دلدادہ اور ہمہ وقت بیوی کے زیر اثر رہنے والا کہا کسی کو خویش پروری اور اقربا نوازی کے جنون میں مبتلا ٹھہرایا اور جب جناب امیر کی ذات والا صفات کی باری آئی تو فرمایا وہ ہر ممکن لحاظ سے کرسی خلافت کے لیے موضوع شخصیت ہیں۔ کوئی جوہر کردار ایسا نہیں جس سے وہ عاری ہیں لیکن کیا کروں تو بات بات میں مزاح اور ظرافت پیدا کر دیتے ہیں۔ مولائے کائنات کی ایک ادنیٰ جانثار ہونے کے ناطے مفتی صاحب بھی بات بات میں لطافت پیدا کرنے میں اپنی مثال آپ تھے۔ اختصار کا دامن ہاتھ سے چھوڑے بغیر مرحوم کی کتاب زندگی کے چند ابواب جو واقعات کی شکل میں اس میرے ذہن میں ہیں درج ذیل کرتا ہوں تاکہ قارئین کو احساس ہو جائے کہ آہنی اعصاب کے مالک اور علم و دانش کے عمیق سمندر اس نحیف و نزار انسان کے مزاج میں ہمت و حوصلہ کے علاوہ لطافت اور شگفتگی کا کیا عالم تھا۔ ایک مرتبہ مجھے کسی دوست نے ایک نہایت نادر قسم کا حنوط شدہ مرغ زریں مرحمت فرمایا۔ چند برس میری ڈرائنگ روم کی زینت رہنے کے بعد اتفاق سے اس میں کوئی ایسی خرابی پیدا ہوئی اس کی شکل و صورت میں بگاڑ پیدا ہونے لگا۔ تھوڑے ہی عرصے میں یہ مرغ ناقابل استعمال ہو کر رہ گیا جس کا مجھے کافی قلق تھا۔ ایک دن اتفاق سے میں نے مفتی صاحب سے یونہی تذکرہ دریافت کیا اس مرغ کا کیا کیا جائے۔ ہنس کر فرمانے لگے شریعت نے اب تک مرغ کی تجہیز و تکفین کے متعلق میری نظر سے کوئی احکام نہیں گزرے۔ کراچی میں قیام کے دوران مفتی صاحب نے ایک مرتبہ کہیں محفل میلاد پڑھنا تھی۔ ہم دونوں وہاں پہنچے تو دیکھا کہ شعراء اور قصیدہ خوانوں کا ایک جم غفیر موجود ہے۔ ایک کے بعد اٹھتا اور اپنی سی ہانک کر بیٹھ جاتا۔ طویل بوریت کے بعد مفتی صاحب کا نام اس وقت پکارا گیا جب سامعین اکثر تھک چکے تھے، کچھ کہہ رہے تھے اس موقع پر تقریر کا کیا معنی، کچھ کہہ رہے تھے نہیں نہیں اس سے منہ کا مزہ بدلے گا۔ اس گومگو کی صورت میں آخر مفتی صاحب نے منبر پر آنے کا ہی فیصلہ کیا۔ اپنی جگہ سے اٹھے ہی تھے کہ ایک جانب سے نعرہ لگا اٹھیے اٹھیے یہ محفل سرور ہے دوسرے کونے سے کسی نے لقمہ دیا "لیکن جانا بہت دور ہے" مفتی صاحب جو اس اثناء میں منبر کے قریب پہنچ چکے تھے اس طرف مڑے اور فرمایا "لیکن پڑھنا مجھے بھی ضرور ہے۔" اور آخر میں اب دل چاہتا ہے ان آخری چند دل خراش لمحات کا بھی مجمل طور پر ذکر کردوں جن کی یاد بقیہ ایام زندگی میں مجھے ہمیشہ تلخ کام رکھے گی۔ قبلہ کی مرض الموت کے دوران کا کوئی بھی موقع میں حتیٰ الوسع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔ ہسپتال کے آخری تین ہفتے میرے کرب میں ساعت بہ ساعت اور شاید لحہ بہ لحہ اضافہ کر رہے تھے۔ مرض کی شدت نے آہستہ آہستہ گفتگو کا سلسلہ عملاً منقطع کر دیا تھا اور شمع زندگی واضح طور پر گل ہوتی نظر آ رہی تھی۔ آپ کی دنیوی زندگی کے آخری روز میں حاضر خدمت ہوا تو انتہائی تھکی ہوئی اور نہایت نحیف و کمزور آواز میں وہ رک رک کر میری روزانہ کی زحمت کشی کا شکریہ ادا کیا۔ میں نے عرض کیا شکریہ کیسا؟ ہم آپ کے ادنی خادم ہیں۔ فرمایا خادم نہیں تم مخدوم ہو۔ میں نے عرض کیا کمرے سے باہر شائق صاحب بھی حاضر ہیں۔ فرمایا ہاں میں جانتا ہوں آپ اور وہ دونوں ہمہ وقت حاضر رہنے والوں میں سے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد اپ نے اپنا لرزتا ہوا ہاتھ اوپر اٹھانے کی کوشش کرتے ہوئے مجھے اور قریب آنے کا اشارہ کیا۔ لب ہلے۔ فرما رہے تھے شریف صاحب ہمارا آخری سلام۔ مجھے فوراً یقین ہو گیا کہ مرحوم کو آج انہیں انعام میں ملنے والی ابدی نعمات کا جلوہ دکھا دیا گیا تھا۔ بہشت بریں میں اپنا قصر زرنگار کے باہر اپنے آنے والے مہمان کے انتظار میں کھڑے صف بستہ حور و غلمان کا منظر آج انہوں نے خود اپنی انکھوں سے دیکھ لیا تھا۔ میں تھوڑی دیر کے لیے

چکرا گیا۔ان کے چہرے کی طرف جو پچھلے ایک برس سے بیماری کے دوران صبر وسکون کا پہاڑ بنا رہا تھا اور جس میں آج بھی ذرہ برابر فرق نظر نہیں آ رہا تھا۔میں نے ایک حسرت بھری نظر ڈالی اور اشکوں سے چھلکتی آنکھیں ک لیے ہوئے دونوں ھاتھوں سے سینہ تھامے کمرے سے باہر آ گیا۔آخری رات انتہائی درد وکرب کے ماحول میں میں نے آپ کے اہل خانہ کے ہمراہ ہسپتال میں ہی بسر کی۔صبح پانچ بجے ہسپتال کی چھوٹی سی مسجد نماز ادا کرنے کے بعد حسرت و یاس کا ایک امنڈتا ہوا طوفان سینے میں لیے ہوئے گھر لوٹا۔دھلیز سے اندر قدم رکھتے ہوئے ابھی تھوڑا ہی وقت گزرا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔کاسہ دل چور کر دینے کے لیے یہ گھنٹی کافی تھی۔لرزتے ہاتھوں سے میں نے فون اٹھایا۔پیغام تھا۔

اناللہ واناالیہ راجعون

تاسحر وہ بھی نہ چھوڑی تو نے باد صبا
یادگار رونق محفل تھی پروانے کی خاک

جنازہ کس دھوم سے اٹھا اور اس فرشتہ صفت مجاہد کو لاکھوں ماتم گساروں نے کیوں کر اشکوں کے سیل بے پناہ میں سپر دلحد کیا اور کیوں کر پاکستان کے گوشہ گوشہ میں اپ کے چاہنے والوں نے عقیدت واحترام کے پھول ان پر نچھاور کیے اس کی داستان قارئین اخباروں،قومی جرائد میں پڑھ چکے ہیں۔حکومت وقت نے خوش دلی سے یا بعض مجبوریوں کے ماتحت مختلف مراحل میں آپ کی پزیرائی میں جس گرم جوشی کا مظاہرہ کیا وہ بھی آپ سے

پوشیدہ نہیں۔لندن نے مکین سفیر کو حکومت نے جس طرح عیادت کے لیے ہسپتال بھیجا اور آپ سے ان کی جو گفتگو ہوئی اور پھر یہاں نماز جنازہ میں شمولیت کی خاطر گورنر پنجاب کو جس طرح میت کی آمد میں تاخیر کے سبب اپنی دوسری مصروفیات کو التواء میں ڈال کر ایک گھنٹے سے کہیں زیادہ جائے دفن پر انتظار کی کڑیاں جھیلنا پڑیں ان تفصیلات سے آپ آگاہ ہیں۔رحلت کے بعد بی بی سی اور ریڈیو زاہدان نے آپ کے قائدانہ صلاحیتوں کے اعتراف میں جو قصیدہ خوانی کی اور ملک کے ریڈیو اور ٹی وی نے آپ کی آخری رسومات کے مختلف مناظر اور دوسری تفصیلات جس طرح قومی رابطے پر پورے ملک میں نشر کیں وہ بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔حقیقت ہے کہ صفحہ گیتی پر تاریخ کا یہ پورا باب موت کے سرد ہاتھوں سے انمٹ نقوش میں لکھ دیا ہے جسے زمانہ کی تند وتیز آندھیاں نہ اب مٹا سکتی ہیں اور نہ جسے بعد کے آنے والوں کو مرنے والے کی طرف سے حریت وولولہ تازہ کا ایک ابدی پیغام پہنچانے سے روک سکتی ہیں۔اب وہ نابغہ روزگار ہستی جس کے کردار کی عظمت جس کے اخلاق حسنہ کی ابدیت کی نشان دہی اقبال نے یہ کہ کر دی تھی کہ

عمرہا در کعبہ و بت خانہ می سوز وحیات
تاز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

(کعبہ ہو کہ بت خانہ ان میں زندگی کو مدتوں پگھلنا اور مبتلائے کرب رہنا پڑتا ہے۔جب جا کر بزم عشق سے ایک ایسا فرد واحد برآمد ہوتا ہے جو فی الواقعہ واقف کار یا دانائے راز کہلا سکے) ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کربلا گامے شاہ کے احاطے میں لیل ونہار کے الٹ پھیر سے ماورا تا قیام قیامت محو استراحت رہے گی۔جب کبھی موقع میسر آتا ہے دنیا کے بکھیڑوں سے دامن چھڑا کر چند لمحوں کے لیے مزار اقدس پر،اس محبط انوار الہٰی اور اس امین گنجینہ فکر و پادشاہی تو دہ خاک پر حاضری دینے کے لیے پہنچ جاتا ہوں۔یہ چند لمحے پھر سے بیتی ہوئی صحبتوں کی یاد تازہ کر دیتے ہیں اور پھر سے پرانے دو حریفان بادہ پیما کے درمیان گفتگو کا سلسلہ نکلتا ہے۔گفتگو-- جو گاہے مختصر اور گاہے تولانی ہوتی ہے لیکن ہوتی بہر حال بالمشافہ ہے کیوں نہ ہو

ہرگز نہ میرد آں کی دل اش زندہ شد بہ عشق
ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

(اس انسان کے لیے جس کا دل ایک مرتبہ نور عشق سے زندہ ہو گیا کبھی موت نہیں۔اور صفحہ گیتی پر ہمارا نقش دوام رہتی دنیا تک کے لیے ثبت ہے) محمد شریف

ون-بی سمن آباد لاہور یکم اپریل 1987

تاثرات بسلسلہ وفات
جناب مفتی جعفر حسین صاحب اعلی اللہ مقامہ

علامہ سید علی نقی نقن قبلہ

طویل اور خطرناک علالت جس وقت کو قریب سے قریب تر لا رہی تھی بالآخر وہ آ گیا اور مفتی جعفر حسین صاحب ہم سے جدا ہو گئے ان کی وفات کا جو قلبی صدمہ مجھے ہوا، نہ اس کے اظہار کے لیے میرے پاس لفظیں ہیں نہ ان کے اظہار کی کوئی ضرورت ہے۔ ان کا جس طرح کا ربط مجھ سے تھا وہ آخر تک قائم رہا۔ وہ بہت سوں کو معلوم ہے اور خود ان کے قول و عمل سے اس کا برابر اظہار ہوتا رہا جو ان کی عظمت نفس کی بڑی دلیل ہے۔ ان میں جس طرح خوب سے خوب تر کے قبول کرنے کی صلاحیت تھی وہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نوعمری میں لکھنؤ گئے تو پنجابی ہوتے ہوئے اسی وقت انہوں نے بہت کم عرصے میں لکھنویت کو اس طرح جذب کر لیا کہ شروع شروع جب مجھ سے ملے ہیں جس کا حال انہوں نے خود اپنی ایک تحریر میں لکھا ہے تو مجھے اگر بتاتے نہ کہ وہ پنجاب کے ہیں تو میں اسے سمجھ نہیں سکتا تھا آخر تک وہ ایسے ہی رہے کہ اگر ان کا وطن کسی کو معلوم نہ ہو تو ان کی رفتار گفتار سے کسی طرح بھی سمجھ نہیں سکتا تھا کہ وہ یوپی کے نہیں بلکہ پنجاب کے، لکھنؤ، کے نہیں بلکہ گوجرانوالہ کے باشندے ہیں۔ لکھنؤ میں وہ آغا جعفر صاحب کہلاتے تھے اور ان کے خاص ساتھی مولانا حسین مہدی صاحب ہیں جو آخر میں مدرسہ ناصریہ جونپور کے پرنسپل تھے وہاں سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد مجھے ان کے متعلق کوئی علم نہیں ہے۔ غالباً مولانا سید ایوب حسین صاحب موسوی ممتاز الافاضل بھی ان کے ساتھی ہیں جو فاطمہ کالج لکھنؤ سے بحیثیت مدرس تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے علاوہ مولانا آغا حیدر صاحب بحیثیت عالم دین اکثر افریقہ میں رہے اور رہتے ہیں، حکیم سید محمد اطہر صاحب ممتاز الافاضل بھی دور آخر میں لکھنؤ کے ممتاز طبیب حاذق ہونے کے علاوہ مدرسہ ناظمیہ میں معقولات کے مدرس تھے وہ بھی شاید ان کے ہم درس ہوں۔ لکھنؤ کے زمانہ طالب علمی میں عام تصور یہ تھا کہ ان پر عربی ادب کا ذوق غالب ہے چنانچہ جیسا کہ انہوں نے خود لکھا ہے کہ مجھ سے ملنے کی تقریب بھی یہی ہو مگر عراق جا کر فقہ و اصول سے تعلق ان پر ایسا غالب ہوا پھر آخری لمحہ بھی

ان کا فقہ جعفری کے سلسلے میں جہاد کے ساتھ وابستگی کے عالم میں آیا اور انہوں نے اس میں اپنی عمر اور صحت جسمانی کے تقاضے کے خلاف ایسی مسلسل جد و جہد کی کہ انہیں "فدیہ فقہ جعفری" کہنا درست ہوگا۔ ایک جوہر خاص ان کا یہ تھا کہ سوچنے سے زیادہ عمل کے قائل تھے چنانچہ انہوں نے چاہا کہ مجھ سے اپنا ترجمہ نہج البلاغہ کا بسیط مقدمہ لکھوائیں تو اگر وہ بذریعہ خطوط مجھ سے تحریک کرتے رہتے یا تو میں ایک مختصر مقدمہ لکھ کر ان کی فرمائش کی رسمی تعمیل کر دیتا جو انہیں منظور نہ تھا یا میں اس کا ارادہ رکھتے ہوئے وعدہ کر لیتا اس کی تکمیل بلا مبالغہ شاید برسوں میں ہوتی لہذا انہوں نے یہ راہ اختیار کی مجھ سے کہے یا لکھے بغیر ہندوستان پہنچ گئے چونکہ پاسپورٹ اور ویزا وغیرہ کی اتنی پابندیاں اس وقت عائد نہیں ہوئی تھی اور لکھنؤ پہنچ کر غالبا اپنے (مادر درس گاہ) مدرسہ ناظمیہ میں سامان رکھ کر سیدھے میرے مکان (واقع عبدالعزیز روڈ لکھنؤ) پر آ گئے اور مجھ سے کہا کہ میں نے یہ سفر فقط آپ سے مقدمہ لکھوانے کے لیے کیا ہے اور وہ بس اس طرح ہو سکتا ہے کہ وقت مقرر کر دیجیے میں روز آؤں گا اپ بولتے جایئے میں لکھتا جاؤں گا۔ چونکہ عرصہ سے میں اپنے ذہن میں اس موضوع پر ایک مقالہ لکھنے کے لیے مواد فراہم کیے ہوئے تھا۔ میں نے ان کی اس پیشکش کو اپنے مقصود کے حصول کے لیے نعمت غیر مترقبہ سمجھا اور فورا وقت مقرر کر دیا چنانچہ روز ایک گھنٹہ کے لیے وقت معین پر پہنچ جاتے تھے۔ میں بولتا جاتا تھا وہ لکھتے جاتے تھے۔ اس ذیل میں محولہ کتابوں اور مندرجہ شخصیات کے نام میں نے اپنے حافظے کی بنیاد پر لکھائے مگر ان کتابوں کی طرف رجوع کر کے ان کے صفحات کے تعین اور جن شخصیات کے نام آئے ہیں ان کے سالہائے وفات کا اندراج یہ تمام خود ان پر چھوڑے جنہیں میرے حسب دلخواہ انہوں نے انجام دیا۔ اس طرح اپنی قلمی کاوش سے میرا علمی ذہنی سرمایہ محفوظ کر دیا جو لوگوں کی نظر میں اتنی اہمیت کا حامل ثابت ہوا کہ اردو اور نیز انگریزی میں الگ بھی اور نہج البلاغہ کا ضمیمہ بنا کر بھی اس کے اتنے ایڈیشن شائع ہوئے جن کا شاید

پورا علم بھی مجھ کو نہیں ہے۔ آب یہ واقعہ ایک لطیفہ کی حیثیت رکھتا ہے کہ ایک صاحب نے لندن سے مجھے خط لکھ کر کسی بیان کی ہوئی نا قابل قبول حقائق سمجھتے ہوئے مجھ سے دریافت کیا کہ کیا واقعی آپ نے اس مقدمے کو "قلم برداشتہ" لکھا تھا؟ میں نے جواب دیا جی نہیں میں نے اس کے لیے قلم اٹھانے کی زحمت برداشت نہیں کی۔ یہ جواب میرا ان کے لیے ضرور ایک لقمے کی حیثیت رکھتا ہو گا مگر؟ اس کی تحریر کی کیفیت میں نے لکھی ہے اس لحاظ سے جواب بالکل واقفیت پر مبنی ہے۔ اس کے ساتھ ان کا یہ کارنامہ بھی ان سے خاص تھا چونکہ اس زمانے میں میرے سفر پنجاب وغیرہ کی طرف سال میں کئی دفعہ ہوتے تھے ان سفروں میں اپنے سب کام چھوڑ کر میرے ساتھ ہو جاتے تھے اور تنہائی کے موقع کی تلاش کیے بغیر حاضرین کی موجودگی کو نظر انداز کر کے بلا تکلف وہ اپنا ترجمہ نہج البلاغہ کا جس کی تحریر میں وہ مصروف تھے مجھے سناتے تھے۔ اس طرح تقریباً پورے ترجمے کو اور بعض حواشی کو بھی جہاں ان کو ضرورت محسوس ہوئی مجھے سنایا۔ اس کارنامے کے انجام دینے میں ان کی وہ عظمت نفس شامل تھی جو راست بازی کے کمال کے ساتھ ان کی طبیعت کی سادگی اور ہر قسم کے تصنع سے بے تعلقی کے بھی جو ہر دو کی حال تھی اور ان کا دل تو یہ چاہتا تھا کہ اب ترجمہ صحیفہ کاملہ بھی میری ہی تحریک سے انہوں نے لکھا تھا بعد کی کتابیں بھی سب مجھ کو اسی طرح سنا کر شائع کریں مگر اس کے بعد پاسپورٹ اور ویزا وغیرہ کی دشواریاں ایسی ہوئیں کہ اس سفر کے بعد پھر ان کا بھی ہندوستان آنا نہ ہوا میرے بھی سفر ادھر کے موقوف ہو گئے جس کے بعد سمجھنا چاہیے کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ جب اس دور میں پہلے سال میرا پاکستان جانا ہوا تو وہ اس سال عشرہ محرم جھنگ میں پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے میرے کراچی آنے کا حال سنا تو ٹیلی فون پر مجھ سے رابطہ قائم کرنا چاہا مگر میں ٹیلی فون پر بات نہیں کرتا لہذا بالواسطہ ان کا پیغام مجھ تک پہنچا اور مولانا غلام عباس صاحب نجفی جھنگ سے مجھے بلانے کے لیے آئے مگر اس وقت کراچی میں دو مہینے تک کے وعدے کا پابند ہو گیا تھا لہذا کہیں اور جانا میرے لیے ممکن نہیں تھا۔ اس لیے اس دفعہ ان کی اور میری باہمی ملاقات نہ ہو سکی۔ یہی سال وہ تھا جب فقہ جعفری کے سلسلے میں ان کا جہاد عروج پر پہنچا اور بھکر کا عظیم اجتماع ہوا جس میں وہ قوم کے قائد تسلیم کیے گئے اور پھر ان کے اسلام آباد والا کارنامہ عالم ظہور میں آیا۔ اب جو محرم آیا اس سال کراچی کے بعد میں اسلام آباد گیا اور خواجہ محمد مرتضیٰ صاحب کے ہاں قیام ہوا تو مفتی صاحب گوجرانولہ کے لیے میرا پروگرام طے کرانے کے لیے میرے پاس اسلام آباد آئے۔ میں نے دیکھا کہ اتنے بڑے اعزاز کے حصول نے ان میں ذرا بھر تبدیلی نہیں کی تھی یہ مزید ان کی عظمت نفس کی دلیل ہے۔ دو سال ایام عزاء میں کئی کئی دفعہ لاہور، گوجرانوالہ میں ملاقات ہوتی رہی۔ سال گزشتہ 1403ھ عشرہ محرم سے پہلے یہ کراچی میں میرے پاس دو دفعہ آئے۔ معلوم ہوا کہ دبئی عشرہ پڑھنے جا رہے ہیں۔ وہاں سے واپس میں آئے پھر مجھ سے ملے۔ میں نے محسوس کیا بہت نڈھال ہیں۔ میں تو اس کو تھکن اور نیند کا غلبہ سمجھا اور ظاہر کیا، تب بھی انہوں نے اپنی علالت کا حال بیان نہیں کیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ انہیں تو اس سے پہلے منہ سے خون آ چکا تھا اور تیز بخار رہ چکا تھا۔ دبئی میں مجالس بھی کامیابی کے ساتھ وہ بخار کے عالم میں پڑھیں۔ میرے قیام کراچی میں لاہور والے شریف صاحب کے بھائی جناب ناظم علی صاحب ہر سال اپنی کوٹھی پر کسی خاص موضوع پر

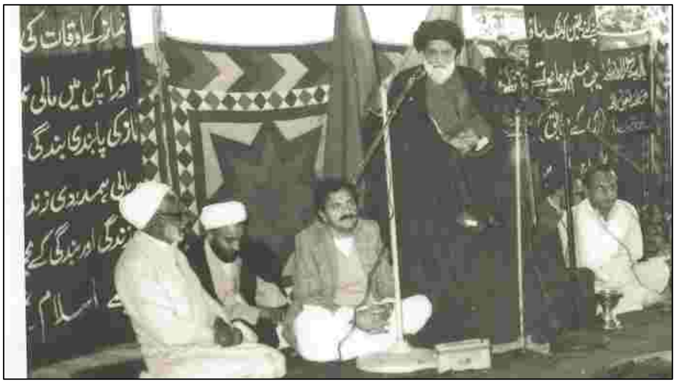

جس کا پہلے سے اعلان ہو جاتا ہے میری بیان کے لیے ایک بڑی اہم اور عظیم الشان مجلس کرتے ہیں۔ ان دونوں بھائیوں کو مفتی صاحب سے بڑی خاص خصوصیت رہی ہے اس لیے ناظم صاحب نے ان سے پہلے سے طے کر لیا تھا کہ دبئی سے واپسی میں ان کی مجلس میں شرکت کے بغیر اپنے وطن گوجرانوالہ نہیں جائیں گے۔ چنانچہ انہوں نے اس وعدے کی پابندی کرتے ہوئے ان کی خاطر سے کراچی میں قیام کیا اور اس مجلس میں جو کراچی میں میرے سلسلہ مجالس کی آخری مجلس ہے اس کے بعد والے طعام میں شرکت فرما دوسرے دن جب کہ میں اسلام اباد لیے روانہ ہوا

وہ اپنے وطن کے لیے روانہ ہوئے شاید مرض الموت والے لاہور لندن کے ہسپتالوں کے سفروں کے سوا یہ ان کا دور دراز کا آخری سفر تھا۔ اس کے بعد جب میں لاہور گیا اور مولانا اظہر حسن صاحب زیدی کی ملاقات کے لیے ان کے مکان پر گیا تو وہاں پر مفتی صاحب، اختر حسین صاحب شائق کی معیت میں موجود تھے اور یہاں حضرت اظہر حسن صاحب زیدی کے ہمراہ ہماری ان کی شائق صاحب وغیرہ کی شرکت کے ساتھ وہ تصویر کھنچی جو بطور یادگار میرے پاس علی گڑھ میں محفوظ ہے۔ اس کے بعد گوجرانوالہ میں خود ان کے مدرسہ جعفریہ میں جہاں گوجرانوالہ کے قیام میں پہلے ہی سال سے ان کی تحریک پر میرا جانا ضروری ہو گیا ہے۔ اور اس کے بعد خواجہ رفعت علی صاحب پانی پتی کے یہاں کی دعوت میں جو ان کے باغ میں ہوتی ہے کئی گھنٹے مسلسل ملاقات رہی جس نے ان کی بیماری اور اس کے باوجود پابندی کے ساتھ مدرسہ میں حاضری، غذا کی طرف سے بے اعتنائی اور برابر منہ سے خون آنے اور بخار کے تسلسل کی کیفیت تفصیل سے معلوم ہوئی۔ اسی وقت شریف صاحب نے ارادہ ظاہر کیا کہ وہ آپ انہیں لاہور لے جائیں گے اور وہاں علاج ہوگا۔ بس یہ آخری ملاقات تھی اس کے بعد میں نے فیصل آباد میں پنجاب کے پروگرام کی آخری مجلس جو اس سلسلے کی انتہا پر ہوتی ہے پڑھ کر پاکستان سے رخصت ہونے کے لیے کراچی کی طرف مراجعت کی اور وہ اس کے بعد نا معلوم کتنے وقت کے بعد حسب قرارداد لاہور لے جائے گئے۔ جس کے بعد خطوط اور اخباروں سے پتا چلتا رہا کہ اپنے سفر حیات کی آخری منزل کی طرف تیزی کے ساتھ جا رہے ہیں جہاں آخر میں ان کے پہنچ جانے کی اطلاع غالباً ریڈیو کی نشریہ سے معلوم ہوئی جسے ہندوستانی اخباروں میں بھی نمایاں طور پر شائع کیا اور لکھنؤ میں بھی ان کی ایصال ثواب کی مجلس ناظمیہ کالج میں بھی ہوئی اور مومنین کی طرف سے بھی مرکزی امام باڑے میں اور علی گڑھ میں امامیہ مسجد میں فاتحہ خوانی کی مجلس ہوئی جس میں میرا بیان ہوا۔ میرا گوجرانوالہ میں اس دفعہ جانا ہوا تو ان کے مکان پر بھی جانا ہوا ان کے مدرسہ جعفریہ میں حاضری دی اور خواجہ رفعت علی صاحب کے یہاں کی دعوت میں شرکت کی۔ سب کام جس ترتیب سے دو برس سے ہو رہے تھے آپ کے بھی ہوئے مگر اس مرتبہ وہ نہ تھے

اناللہ وانا الیہ راجعون

یہ واقعہ ہے کہ ان کی زندگی میں ان کے قائد ملت جعفریہ مانے جانے سے پہلے ہی بعض اشخاص غالباً برابر ان کے خلاف زبان درازی کیے رہے اور ان کے قائد مانے جانے کے تو اعلانیہ تحریری طور پر ان کو نشانہ بنا کر دراندازی کی مہم اختیار کی جو ان کے بستر الموت میں بلکہ تقریباً آخری لمحات جب کہ ہسپتال میں کشمکش حیات موت میں تھے پوری قوت کے ساتھ جاری رہی مگر ان تیروں سے نہ کبھی وہ ذرہ بھر متاثر ہوئے نہ مشتعل۔ یہ ان کی عظمت نفس کا وہ درجہ تھا جس تک بہت کم افراد کا پہنچنا ممکن ہوتا ہے۔ وہ خوش بیان مقرر تھے اور مقبول اہل منبر میں سے تھے مگر انہوں نے اس کو ارزاں مقبولیت کی تن آسانی کے دامن پناہ لے کر ٹھوس اور دیرپا علمی و دینی خدمات سے کنارہ کشی نہیں کی جو ان کی تصانیف اور قائم کردہ عظیم الشان مدرسے سے ظاہر ہے جسے آپ قائم رہنا اور ترقی دینا قوم کے ہاتھ میں ہے۔ عموماً قوم ناقدر شناس ثابت ہوئی ہے مگر ان کی زندگی میں قوم کی ایک غیر معمولی اکثریت نے جسے تقریباً تمام قوم کہا جا سکتا ہے انہیں قائد تسلیم کر کے اور اس سے زیادہ ان کی وفات کے بعد جنازے کے اعزاز اور ان کی وفات پر اظہار تاثرات میں اس قدر شناسی کا ثبوت دیا ہے، اس سے زندگی میں انہوں نے کبھی کسی فائدے کے اٹھانے کا تصور نہیں کیا اور آپ تو اس دنیوی عزت سے انہیں کسی فائدے کی پہنچنے کا امکان ہی باقی نہیں رہا۔ مگر خود قوم نے اپنی حق بجانب انسان شناسی اور احسان شناسی کا جو ثبوت دیا اس نے یقیناً خود قوم کے وقار کو ہر یگانا اور بیگانہ کی نگاہ میں اور امید ہے کہ باری تعالی کی بارگاہ میں بھی بلند کیا ہے جس سے وہ اس مصیبت پر تعزیت کے ساتھ مستحق مبارک باد بھی ہیں۔ رہ گئے وہ ان کے لیے وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے اس منزل سے بہتر منزل میں پہنچ گئے جہاں راحت و آرام کے سوا کسی اور تکلیف و اذیت کا گزر نہیں ہے۔ فَرَوْحٌ وَرَيْحَانٌ وَجَنَّتُ نَعِيمٍ خدا کرے ان کے ساتھ ہم بھی اس کے مصداق ہوں گے رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُم مَّن قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُم مَّن يَنتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا

سوگوار   سید علی نقی النقوی

24 صفر، 1404ھ

شارجہ عرب امارات

حضرت علامہ مفتی جعفر حسین مرحوم

حضرت مفتی صاحب سے پہلی ملاقات

زمانہ قیام لاہور کی چند یادیں

شیعہ سنی اتحاد کی اہمیت

علماء کنونشن میں شرکت

وقت آخر کا تاثر

از مولانا کوثر نیازی

سر پر عمامہ، بنیان کے بغیر قمیض اور او پر شیروانی، پاؤں میں سلیپر، کبھی بس میں تو کبھی عقیدت مند دوست کی کار میں اور یہ بھی میسر نہ ہو تو کبھی کبھی پیدل بھی، انکھوں میں حیا، لہجے میں دھیما پن، زبان صاف اور شستہ جیسے کوثر میں دھلی ہو درمیانہ قد نا پست نہ طویل، رنگ سانولا تیکھے نقوش، سادہ سے فریم کی عینک لگائے، سگریٹ پینے میں چین سموکر، چائے کے رسیا، نمود و نمائش سے دور مگر اپنے حلقہ تعارف کے دل کا سرور، یہ تھے ممتاز عالم دین اور مجتہد علامہ مفتی جعفر حسین، جن کی برسی ابھی کل ہی ملک کے طول و عرض میں منائی گئی۔

اب یہ ٹھیک طرح یاد نہیں کہ کون سا سال اور کون سی تاریخ تھی، جب حضرت مفتی جعفر حسین صاحب سے میری پہلی ملاقات ہوئی لیکن اتنی بات یقینی ہے کہ 1958 اور 1960 کے درمیان کا کوئی دن تھا۔ اتحاد اسلامی شروع سے ہی میرا مسلک اور مشرب رہا ہے۔ لاہور کے زمانہ قیام میں شیعہ، سنی، دیوبندی، بریلوی ہر مکتب فکر کے اجتماعات میں میری تقریریں ہوتیں۔ حضرت علامہ علاؤالدین صدیقی مرحوم، اغا شورش مرحوم، مولانا سید اظہر حسن زیدی، جناب مظفر علی شمسی مرحوم اور حضرت مولانا محمد بخش مسلم کے ساتھ اس طرح کے لاتعداد جلسے اب بھی میری یادداشت میں محفوظ ہیں۔ حضرت علامہ حافظ کفایت حسین مرحوم کے ساتھ کئی مجلسیں پڑھیں۔ علامہ مفتی جعفر حسین مرحوم کے ساتھ بھی اسی طرح کے ایک جلسے میں ملنا ہوا تھا۔ جلسہ ادارہ ملت اسلامیہ کے زیر اہتمام منعقد ہوا تھا جس کے روح رواں لاہور کے ایک مشہور ادیب اور صحافی جناب حامد مجید اور نوجوان شیعہ رہنما جناب جعفر علی میر (حال مدیر ندائے شیعہ لاہور تھے۔) اب یہ پرانی باتیں دہرانے بیٹھا ہوں تو اس زمانے کے کتنے ہی چہرے حافظے کی دھندلکوں سے نکل نکل کر باہر آرہے ہیں، افسوس اب شمسی ہیں نہ شورش نہ علامہ حضرت کفایت حسین ہیں نہ مفتی جعفر حسین۔

بجھے کیا کیا چراغِ خانماں افروز کیا کہیے
کہ جن کی یاد سے دل میں ایک آتش خانہ روشن ہے

میری تقریر کے بعد حضرت مفتی صاحب کی صدارتی تقریر تھی بزرگانہ شفقت سے میری بڑی تحسین فرمائی۔ میرے ہی اٹھائے ہوئے بعض نقطوں کی مزید توضیح و تشریح کی۔ ایک موج بے مایا کو ہم دوش ثریا کر دیا۔ جلسے کے بعد جناب حامد مجید اور جعفر میر مجھے اور حضرت مفتی جعفر حسین صاحب کو ساتھ لے کر برانڈرتھ روڈ کے مشہور تاجر احمد بخش اینڈ برادران کے جواں سال مالک خالد کے گھر لے ائے۔ یہ نوجوان بھی ہمارے دوستوں میں سے تھے۔ پھول کی طرح تازہ اور شگفتہ چہرہ، جس محفل میں بیٹھتے اپنے قہقہوں کے قمقموں سے اسے روشن منور کر دیتے۔ افسوس کہ نوعمری اور جواں سالی ہی میں یہ رفیق عزیز

ماہنامہ افکار العارف لاہور

اگست 2023

بھی اللہ کو پیارا ہوا۔ ہائے! کس کس کا ذکر کروں کس کو رووں، اس عمر مختصر میں ایسے ایسے پیارے لوگ داغ مفارقت دے گئے بقول حضرت محشر بدیوانی

جن کی یادوں سے رگ جام دکھن ہونے لگے
ذکر چھڑ جائے تو پتھر کا بھی دل رونے لگے

خالد کے گھر میں نشست جمی تو حضرت مفتی صاحب سے دل کھول کر باتیں ہوئیں۔ یہیں یہ راز بھی کھلا کے کبابوں کے معاملے میں وہ بھی ہمارے ہم ذوق ہیں اور شعر وسخن میں بھی بہرا وافر رکھتے ہیں۔

سراپا ان کا زاہد خشک ہے مگر زندہ دلی کی دولت سے مالا مال ہیں۔ ہر چند کہ محفل نوجوانوں کی تھی مفتی صاحب نے ایک لمحہ بھی اپنے بزرگی اس پر ٹھونسنے کی کوشش نہیں کی۔ بس یہاں سے جوان سے نیاز مندی اور دوستی کا رشتہ قائم ہوا برابر 25 سال قائم ہی رہا۔ اس دوران کتنے ہی انقلاب آئے، زمانے نے کتنی کروٹیں بدلیں، مگر نہ میری طرف سے مفتی صاحب کے تعلق خاطر میں کوئی کمی ائی نہ انہوں نے اپنی شفقت کا ہاتھ کھینچا۔ اب ان گزرے ہوئے ماہ سال کی یادوں کا طوفان اٹھا ہے تو دل کی کیا حالت ہے، کیا عرض کروں۔

دل کے ذرے منتشر ہو کے ملے خاک میں
جو بکھر جائے وہ شیرازہ سمٹ سکتا نہیں
کیسی کیسی محفلیں تھی کیسے کیسے لوگ تھے
وہ سنہرا دور ماضی اب پلٹ سکتا نہیں

سال ڈیڑھ سال کے بعد حضرت مفتی صاحب سے تقریب یکجائی کی ایک اور سبیل نکل ائی۔ سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودہ میں (26 دسمبر 61ء) یوم علی علیہ السلام کا ایک جلسہ ہوا اور میں اور مفتی صاحب اس کے مقرر تھے۔ ایک جگہ ٹھہرنے ایک جگہ کھانے پینے اور وقت گزارنے سے تبادلہ خیالات کی ایک اور سبیل نکل ائی۔ خوب خوب باتیں ہوئیں۔ جلسہ اختتام پذیر ہوا اور ہم رخصت ہونے لگے تو مفتی صاحب نے کرم کی حد کر دی۔ فرمایا میں گجرانوالہ میں اپنے گھر پر یوم علی علیہ السلام کی ایک تقریب منعقد کروں گا۔ اس میں تمہیں تقریر کرنی ہوگی نہ میں خود بولوں گا نہ کسی کو بلاؤں گا۔ یہ جلسہ صرف اور صرف تمہارے اعزاز میں ہوگا۔

کیا ہی اچھا وقت تھا اور کیا ہی اچھے لوگ۔ ایک شیعہ مجتہد کے گھر پر یوم علی اور اس میں صرف ایک ہی تقریر وہ بھی اہل سنت کے ایک خطیب کی۔ میں نے فرمان کی تعمیل کی۔ جلسہ تو جو ہوا سو ہوا مگر مجھے مفتی صاحب کی سادہ بود باش دیکھ کر سخت تعجب ہوا۔ گجرانوالہ کی ایک پرانی آبادی کے بالا خانے میں حضرت مفتی صاحب مقیم تھے

نہ کوئی صوفہ نہ قالین نہ کھڑکیوں اور دروازوں پر پردے نہ کوئی دوسرا ساز سامان، کتابوں کے ڈھیر اور ایک بوسیدہ دری پر فرش۔ میں نے مولانا حسرت موہانی کو نہیں دیکھا لیکن ان کے دیکھنے والے کہتے ہیں کہ ان کی سادگی و درویشی مثالی تھی اس لحاظ سے مفتی صاحب کو بلا تامل حسرت ثانی کہا جا سکتا ہے۔ دنیوی ساز و سامان سے کامل بے نیازی، پوشش سے رہائش تک ہر چیز امیں فقیری، اہل سنت نے یا تو استاذی شیخ الحدیث حضرت مولانا ادریس کاندھلوی میں دیکھی یا پھر حضرت علامہ مفتی جعفر حسین میں فرق صرف اتنا ہے کہ حضرت کاندھلوی ایک ٹھیٹھ متشرع بزرگ تھے اور مفتی صاحب کی قلندری میں کچھ کچھ رندی کا رنگ بھی پایا جاتا ہے۔

گجرانوالہ کی اس حاضری کے بعد تو وہ مفتی صاحب سے ملاقاتوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ وہ جب بھی لاہور اتے تو مجھے بلا لیتے یا غریب خانے پر قدم رنجہ فرماتے میرے اسلام اباد منتقل ہونے تک برابر یہ یہ معمول رہا کہ ماہ رمضان میں ایک دو افطاریاں ہم ضرور ایک ساتھ کرتے۔ مشہور خطیب حضرت علامہ اظہر حسن زیدی (ایسا شیر زباں خطیب شاید ہی اب کوئی پیدا ہو) فلیمنگ روڈ پر قیام پزیر تھے۔ ان کی بیگم کے کھانوں کا کیا کہنا۔ مولانا زیدی مدظلہ نے ان کے کھانوں کی ایسی چاٹ لگا دی تھی کہ وقت بے وقت ان سے کھانوں کا تقاضہ کر کے اپنے

ذوق وشوق خوری کی تسکین کرلیا کرتے مگر رمضان میں ایک عظیم الشان افطاری کروانا ان کا معمول تھا۔ اس افطاری کے مستقل مہمانوں میں میرے علاوہ مفتی صاحب، مظفر علی شمسی مرحوم اور ملک مہدی حسن علوی مرحوم بھی شامل تھے۔کبھی کبھی آغا شورش بھی آنکلتے تھے۔مولانا زیدی کو اللہ تادیر سلامت رکھے گو کہ وہ اکثر بیمار رہتے ہیں لیکن اللہ تعالی کے فضل وکرم سے حیات ہیں۔اس محفل کے تمام شرکا رب کے پاس جاچکے ہیں۔

خواب بن کر رہ گئی ہیں کیسی کیسی محفلیں
خیال بن کر رہ گئے ہیں کیسے کیسے آشنا

1964ء میں لاہور میں شیعہ سنی فساد ہوگیا۔قصور کس کا تھا، اس سے بحث نہیں۔ بدقسمتی سے خون مسلم کی صدا کر دونوں جماعتوں میں ہیں، ان کا ذریعہ معاش ہی کلمہ گووں کو لڑانا ہے۔ ان کے درمیان آگ بھڑکانا اور بھڑکانا اور پھر بھڑکتی ہوئی آگ پر ہاتھ تاپنا ہے ورنہ کون نہیں جانتا کہ یہ دونوں مسلک خلفائے راشدین کے عہد سے چلے آرہے ہیں۔صدیاں گزرگئی نہ شیعہ سنیوں کو ختم کرسکے نہ سنی شیعوں کو۔یہ دونوں گلشن اسلام کی آب یاری کرتے آئے ہیں۔ دونوں کے سلف نے اسلامی ثقافت کے انمول خزانے میں اپنی میراث میں چھوڑے ہیں۔دونوں نے علوم وفنون کے چہرے کو جلا بخشی ہے۔دونوں ایک ساتھ دشمنان اسلام کے خلاف بنیان مرصوص بن کر لڑے ہیں۔ دونوں چہرہ اسلام کی دو آنکھیں یا جسد اسلامی کے دو بازو، ان میں سے دایاں کون اور بایاں کون؟ یہ بحث لا حاصل ہے۔غور طلب بات یہ ہے کہ بازو جونسا بھی کٹے، جسم نہیں رہتا لوتھڑا بن کر رہ جاتا ہے۔سنی شیعوں کو بھی مٹا دیں تب نقصان اسلام کا ہے شیعہ سنیوں کو نیست و نابود کردیں تب بھی زیاں اسلام کا ہے۔اس بات کو لاہور کے شیعوں اور سنیوں نے نہ سمجھا۔وہ شرپسندوں کے بہکاوے میں آگئے۔نتیجہ یہ نکلا کہ تصادم ہوگیا اور تصادم سے پورا شہر گروہ واریت کی لپیٹ میں آگیا۔اس زمانے میں سید فرید اللہ شاہ لاہور کے ڈپٹی کمشنر تھے۔ بڑے ہی نیک دل اور دیانت دار افسر، ان کے تعاون سے لاہور کے ممتاز شہریوں نے مختلف علاقوں میں جلسہ ہائے عام کا اہتمام کیا۔ کچھ جلسے کربلا گامے شاہ اور ڈویژنل آڈیٹوریم (نزد عجائب گھر) میں بھی ہوئے۔ مقررین میں علامہ علاؤالدین صدیقی، مولانا محمد بخش مسلم، مولانا اظہر حسن زیدی اور میرے علاوہ مفتی صاحب بھی ہوتے۔ ان جلسوں میں شیعہ سنی دونوں مکاتب فکر کے لوگ جوق در جوق شریک ہوتے تھے۔ان تقریروں کی وجہ سے اچھے جذبات کے کرلوٹتے۔خدا کا شکر ہے کہ تھوڑے عرصے ہی میں فضا کا تکدر جاتا رہا اور لاہور کے شیعہ سنی شیر وشکر ہوگئے۔

مفتی صاحب خالی چوکی واعظ و ذاکر نہ تھے ایک بلند پایہ عربی کے ماہر متبحر عالم دین بھی تھے۔زمانہ طالب علمی میں کچھ کتابیں بعض اہل سنت علما سے بھی پڑھیں۔اس لیے طبیعت میں فراخی اور مسلک میں کشادگی پائی جاتی تھی۔اکتیس علماء کے مشہور زمانہ اجتماع میں شریک ہوکر اسلامی ریاست کے بنیادی خدوخال طے کرنے میں انہوں نے زریں خدمات انجام دیں۔ادارہ تعلیمات اسلامیہ اور اسلامی مشاورتی کونسل کے رکن بھی رہے۔ان کے ساتھ جن بزرگوں نے کام کیا وہ ان کی دقت نظر اور تبحر علمی کہ دل سے قائل ہیں۔خود مجھ سے حضرت مولانا ظفر احمد انصاری نے جو مفتی صاحب نے مفتی صاحب کے ساتھ ادارہ تعلیمات اسلامیہ میں کام کرچکے ہیں، مفتی صاحب کی علمیت اور فہم وفراست کی بے حد تعریف کی ہے۔ نہج البلاغہ کا جو ترجمہ اپنے علمی حاشیوں کے ساتھ مفتی صاحب نے کیا ہے وہ آج بھی ان کے بلند علمی مقام کا شاہد عادل ہے۔

مزاج مفتی صاحب کا کسی ایک فرقے تک محدود ہوکر رہنے کا نہ تھا مگر نہ جانے! اس دوران کیا بات ہوئی کہ مفتی صاحب یک بیک قائد ملت جعفریہ کی حیثیت سے سامنے آگئے۔ مارشل لاء کے بعد سے میرا ان کا رابطہ کچھ دیر نہ رہا تھا۔کچھ میں بھی اس زمانے میں زیادہ تر ملک سے باہر رہا تھا۔ وہ دو ایک مرتبہ تشریف لائے تو میں موجود نہ تھا۔ بعد میں اتے

جاتے گجرانوالہ سے معلوم کیا تو وہ دورے پر باہر تھے۔ اس لیے اس ارتقا یا تبدیلی کا اصل سبب معلوم نہ ہوسکا۔ تبدیلی یہ اس لیے تھی کہ مفتی صاحب سیاست سے طبعاً کوسوں دور تھے۔ بنیادی طور پر علمی اور تدریسی ذوق کے ادمی تھے۔ اس لیے اجتماعات سے کچھ زیادہ شغف نہ تھا۔ ہوسکتا ہے ملک میں مذہبی حکومت کا غلغلہ سن کر انہیں تشویش لاحق ہوئی ہو کہ یہاں اسلامی حکومت کی جگہ ایک فرقہ وارانہ حکومت قائم نہ ہوجائے۔ اس لیے میدان میں اترنے پر مجبور ہوئے ہوں۔ بہر حال وجہ کچھ بھی ہو اس میں کلام نہیں کہ شیعہ حضرات نے اپنی قیادت کے لیے آدمی بے حد مخلص اور بے غرض چنا۔ ان کی اسی بے غرضی کا اعجاز تھا کہ شیعان پاکستان میں تھوڑے ہی عرصے کے اندر جو مقبولیت بطور قائد انہیں حاصل ہوئی وہ نہ اس سے پہلے کسی کو حاصل ہوئی نہ بعد میں اب کسی کو (بلکہ اب تو ان کی وفات کے بعد شیعہ حضرات کھلم کھلا دو دھڑوں میں بٹ چکے ہیں)

مفتی صاحب کی قیادت میں شیعہ حضرات حکومت سے نکتہ تصادم پر آ گئے تو خطرہ پیدا ہو گیا کہیں یہ آویزش شیعہ سنی فسادات پر منتج نہ ہو۔ لاچار مجھے اپنے اثر رسوخ کو استعمال کرنا پڑا۔ حکومت میں نے 21 اگست 1980 کو اسلام اباد میں آل پاکستان علماء کنونشن منعقد کرنے کا اعلان کیا۔ ہر چند کے میں سیاسی طور پر حکومت وقت کے ساتھ عدم مزاحمت اور عدم موافقت کی پالیسی پر عمل پیرا تھا لیکن اتحاد اسلامی کو معرض خطر میں دیکھ کر اس کنونشن کی کامیابی کے لیے میں نے بھی کوشش کی۔ حضرت مفتی صاحب حکومت کی طرف سے اس کنونشن میں شرکت کی دعوت مسترد کر چکے تھے مگر میری شخصی درخواست پر وہ اپنے سیکرٹری جنرل سید شائق انبالوی اور اپنے ایک دوسرے رفیق کار سے سید شبیر حسین نقوی کے ساتھ 20 اگست کوئٹہ سے بذریعہ طیارہ اسلام آباد پہنچے اپنے ایک عقیدت مند سید ثقلین کے گھر قیام کیا۔ شام کو غریب خانے پر تشریف لے ائے۔ ان کے ذہن میں علماء کنونشن کرنے کے بارے میں کچھ شکوک وشبہات تھے اور وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ حکومت اس سے پہلے ان کے ساتھ جو معاہدہ کر چکی ہے حسب وعدہ 16 ستمبر کو اس کا اعلان کرنے کی دوبارہ یقین دہانی کرائے، ظاہر ہے کہ یہ کام میرے بس سے باہر تھا اس کی یقین دہانی نے تو ارباب حکومت کی کرا سکتے تھے۔ جناب محمود ہارون ان دنوں وزیر مذہبی امور تھے (اور ان سے میرے ذاتی تعلقات کو ایک روبع صدی ہونے کو ہے۔) میں مفتی صاحب کو لے کر ان کے ہاں پہنچا۔ محمود صاحب نے صدر صاحب سے بات کی، طے پایا کہ کنونشن کے بعد صدر صاحب حضرت مفتی صاحب سے ملاقات کریں گے۔ اگلے دن کنونشن تھا۔ مفتی صاحب اپنے ساتھیوں سمیت شریک ہوئے۔ کچھ تقریروں کا تیور قدر تیکھا بھی رہا لیکن بحیثیت مجموعی فضا پر جذبہ اتحاد اسلامی غالب تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ مفتی صاحب کی شرکت سے شیعہ سنی تناؤ میں کافی کمی آ گئی۔ 23 اگست کو مفتی صاحب نے صدر مملکت سے ملاقات کی، میں بھی موجود تھا۔ اس میں جو امور طے پائے اس کے مطابق صدر صاحب نے اپنے فیصلوں کا اعلان کر دیا۔ اس طرح ملک میں فرقہ وارانہ کا تعصبات کی جو جو اندھی چلنے والی تھی وہ خدا کے فضل وکرم سے اخوت ومحبت کی باد نسیم میں تبدیل ہوگئی۔

سال دو سال کے بعد اچانک سنا کہ حضرت مفتی صاحب شدید بیمار ہیں۔ انہیں لندن لے جایا گیا۔ مرض سرطان نکلا۔ ڈاکٹروں نے جواب دے دیا۔ لاہور لے ائے، یہاں میو ہسپتال میں رہے۔ میں عیادت کو گیا۔ بے ہوش تھے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے ایک طفل معصوم نیند میں ہے۔ 25 سالہ تعلق اپ کا ایک ایک نقش ذہن میں تازہ ہوگیا۔ مجھے محسوس ہوا جیسے جیتے جی آب کبھی ان سے ملاقات نہ ہوگی۔ واپس اکر ایک بیان میں میں نے قوم سے حضرت مفتی صاحب کی صحت کے لیے" یوم دعا" منانے کی اپیل کی لیکن کھیل ختم ہو چکا تھا۔ جس دن اخبار میں میرا بیان شائع ہوا اسی دن حضرت مفتی صاحب عالم اخرت کو سدھار گئے۔

جس کو رکھتے تھے محبت کے ترانے بیدار
سو گیا وہ چمن میں چادر صحرا لے کر

☆☆☆☆☆

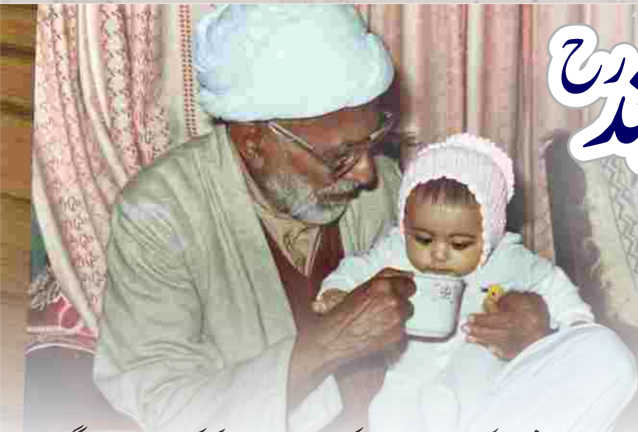

علامہ مفتی جعفر حسین مجتہدؒ
عکسِ زندگانی

تحریر: اعجاز علی مرزا

رہبر شیعان پاکستان ، قائد ملت جعفریہ حضرت علامہ مفتی جعفر حسین اعلی اللہ مقامہ کا تعلق پنجاب کے مشہور شہر گجرانوالہ سے تھا۔ آپ 1914ء میں گجرانوالہ کے ایک متدین شیعہ اثناعشری خاندان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم کا اسم گرامی حکیم چراغ دین ابن حکیم غلام حیدر تھا۔ باپ دادا حکمت کے شعبہ سے وابستہ تھے۔ آپ پانچ بہن بھائی تھے، دو بہنیں اور تین بھائی۔ بڑے بھائی محمد حسن جعفری ایڈووکیٹ وکالت کے شعبہ سے وابستہ تھے جبکہ آپ کے چھوٹے بھائی نے حکمت کے شعبہ کو اختیار کیا۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے تایا حکیم شہاب الدین سے حاصل کی۔ پھر عربی ادب اور اسلامی علوم کی تعلیم حاصل کرنے کے لیئے شہر کے مقامی علماء کرام سے کسب فیض کیا۔ گجرانوالہ کے دیوبندی عالم مولانا چراغ علی اور اہل حدیث عالم مولانا محمد اسماعیل کے ساتھ قبلہ مفتی صاحب کے تایا حکیم شہاب الدین مرحوم کے دوستانہ تعلقات تھے۔ چنانچہ قبلہ مفتی صاحب نے ان دونوں علماء کے حضور زانوئے تلمذ تہہ کیا اور علم کی دولت سے مالا مال ہوئے۔

ان کے علاوہ آپ مولانا مفتی عبدالواحد کے پاس بھی زیر تعلیم رہے۔ گجرانوالہ کے ممتاز دیوبندی عالم دین مولانا زاہد الراشدی اپنی ایک تحریر میں رقم طراز ہیں کہ ”صدر جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم کے ابتدائی دور کی بات ہے کہ راقم الحروف مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ میں باغ جناح کی جانب اپنے کمرہ کی کھڑکی کھول کر اس کے ساتھ بیٹھا تھا کہ گلی سے مولانا مفتی جعفر حسین صاحب چند ساتھیوں کے ہمراہ گزرے۔ مفتی صاحب اہل تشیع کے قومی سطح پر بہت بڑے عالم تھے اور تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کے بانی و سربراہ تھے، انہوں نے گلی سے گزرتے ہوئے مجھے دیکھا تو جامع مسجد کی سیڑھیاں چڑھ کر کمرے میں آ گئے اور میں نے اٹھ کر ان کا خیر مقدم کیا اور احترام سے بٹھایا۔

مفتی صاحب کہنے لگے کہ میں ماضی کی یاد تازہ کرنے کے لیے اوپر آ گیا ہوں، میں اس کمرہ میں چار سال تک پڑھتا رہا ہوں اور حضرت مولانا مفتی عبدالواحدؒ میرے استاذ ہیں۔ وہ تھوڑی دیر بیٹھے اور اپنے دورِ طالب علمی کی یادوں کو تازہ کرتے ہوئے رخصت ہو گئے“ بارہ سال کی عمر میں لاہور کے ممتاز شیعہ عالم دین مناظر اسلام علامہ مرزا احمد علی امرتسری کی نگاہ انتخاب آپ پر پڑی اور وہ آپ کو اعلیٰ دینی تعلیم کے حصول کے لیے متحدہ ہندوستان کے شیعہ مرکز علم و ادب حوزہ علمیہ لکھنؤ لے گئے۔

لکھنؤ پہنچ کر آپ نے مدرسہ ناظمیہ میں داخلہ لیا۔ جہاں آپ نے لکھنؤ کی تعلیم انتہا تک حاصل کی۔ آپ ایک ہونہار طالب علم تھے اور وہاں آفتاب پنجاب کے لقب سے مشہور ہوئے۔ لکھنؤ قیام کے دوران آپ نے نہ صرف دینی تعلیم حاصل کی بلکہ وہاں کی زبان اور تہذیب و تمدن کو اس طرح اپنایا کہ اہل زبان آج بھی آپ کی زبان و بیان کا دم بھرتے ہیں۔ لکھنؤ سے فارغ التحصیل ہونے پر آپ نے وہاں سے ممتاز الافاضل کی سند حاصل کی اور اسی دوران لکھنؤ یونیورسٹی سے فاضل ادب اور فاضل حدیث کی اسناد بھی حاصل کیں۔ لکھنؤ میں آپ کے اساتذہ میں سرکار نجم الملۃ ، مولانا سبط حسن جونپوری، مفتی سید احمد علی اور سید العلماء سید علی نقی النقوی شامل تھے۔

تعلیم مکمل کرنے کے بعد ایک سال تک آپ مادر علمی مدرسہ ناظمیہ میں ہی درس و تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ اس کے

بعد آپ مزید دینی تعلیم کے حصول کے لیئے نجف اشرف، عراق روانہ ہو گئے جہاں آپ نے پانچ سال تک قیام کیا۔ نجف اشرف میں آپ کے اساتذہ میں مرجع وقت آیت اللہ العظمیٰ سید ابوالحسن اصفہانی، آقائے شیخ عبدالحسین رشتی، آقائے سید جواد تبریزی وغیرہ شامل تھے۔ اس دور میں نجف اشرف میں دینی علوم کے طلبا کی زندگی اتنی آسان نہیں تھی مگر آپ نے تمام مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور نہایت استقامت کے ساتھ علوم محمد و آل محمد علیہم السلام حاصل کرنے میں مگن رہے۔

قیام نجف کے دوران آپ نے اپنے اساتذہ سے بھرپور علمی استفادہ کیا اور بالآخر اجازہ اجتہاد کے حصول کے بعد 1940ء میں آپ واپس وطن واپس تشریف لے آئے۔ وطن پہنچنے کے بعد آپ لکھنؤ میں اپنے استاد محترم سرکار نجم الملت کے حضور حاضر ہوئے۔ جن کی طرف سے آپ کو بحیثیت مدرس نوگانواں سادات ضلع مراد آباد کے مدرسہ باب العلم میں تعینات کر دیا گیا۔ نوگانواں سادات کے مدرسہ میں دو سال قیام کے بعد آپ اپنے آبائی شہر گجرانوالہ تشریف لے گئے۔

گجرانوالہ آ کر آپ نے مقامی مومنین کے تعاون سے مدرسہ جعفریہ کا اجرا کیا، جس کے ابتدائی طالب علموں میں علامہ حسین بخش جاڑا اور مولانا عبدالغفور جعفری آف وزیر آباد بھی شامل تھے۔ وسائل کی کمی کی وجہ سے یہ مدرسہ زیادہ دیر جاری نہ رہ سکا۔ اس کے بعد قبلہ مفتی صاحب شیعہ قومیات، مجالس عزا سے خطاب، نہج البلاغہ اور صحیفہ کاملہ کے ترجمے میں مصروف ہو گئے لیکن گجرانوالہ میں مدرسہ کے قیام کا خیال ان کے ذہن سے محو نہیں ہوا۔ اور بالآخر اپنی زندگی کے آخری سالوں میں آپ

نے جی ٹی روڈ گجرانوالہ پر جامعہ جعفریہ کے نام سے ایک عظیم الشان مدرسہ کی بنیاد رکھی جو آپ کی زندگی میں ہی فعال ہو گیا۔ قبلہ مفتی صاحب کے علمی آثار میں ترجمہ نہج البلاغہ، ترجمہ صحیفہ کاملہ اور سیرت امیر المومنین شامل ہیں۔

علمی و ادبی حلقوں میں آپ کے تراجم و حواشی کو بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ آپ کی تالیف کردہ سیرت امیر المومنین بھی ایک لاجواب کتاب ہے۔ مفتی صاحب رح کی پہلی شادی سیالکوٹ کے ایک شیعہ خاندان میں ہوئی۔ اس اہلیہ سے قبلہ مفتی صاحب کی دو صاحبزادیاں ہوئیں۔ جن میں سے ایک کا انتقال بچپن میں ہی ہو گیا۔ کچھ عرصہ بعد زیارات مقامات مقدسہ کے لئے ایران جاتے ہوئے راستے میں کوئٹہ کے مقام پر مفتی صاحب کی پہلی اہلیہ قضاء الٰہی سے انتقال کر گئیں جن کی تدفین کوئٹہ میں ہی ہوئی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد 1950ء میں آپ کی دوسری شادی لاہور میں مقیم مرزا نوروز علی امرتسری کی صاحبزادی سے سرانجام پائی۔

آپ کا نکاح مناظر اسلام علامہ مرزا احمد علی امرتسری نے پڑھایا۔ مفتی صاحب کی اپنی اس اہلیہ کے ساتھ تادم مرگ رفاقت رہی۔ ان سے قبلہ مفتی صاحب کے ہاں کوئی اولاد تو نہ ہوئی البتہ پہلی بیوی سے مفتی صاحب کی جو بیٹی زندہ تھیں ان کی پرورش، تعلیم و تربیت اور شادی بیاہ کی تمام تر ذمہ داریاں قبلہ مفتی صاحب کی انہیں اہلیہ محترمہ نے ایک سگی ماں کی طرح بڑے پیار و محبت اور انتہائی خلوص کے ساتھ نبھائیں۔ قبلہ مفتی صاحب کی ایک دختر کے علاوہ کوئی اور اولاد زندہ نہ تھی۔ 1980ء میں بیٹی کی شادی کے بعد پیرانہ سالی کے عالم میں قبلہ مفتی صاحب اور ان کی اہلیہ کی نگہداشت کے لیئے گھر میں کوئی اور فرد نہ تھا جس کی وجہ سے انہیں کافی دقت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ اس صورت حال کے پیش نظر اپنی شادی کے کچھ ہی عرصہ بعد قبلہ مفتی صاحب کے داماد برادر فیض بخش ملک اپنی اہلیہ کے ہمراہ قبلہ مفتی صاحب کے گھر گوجرانوالہ منتقل ہو گئے۔ 1983ء میں شدید علالت کی وجہ سے قبلہ مفتی صاحب کو علاج کی غرض سے لندن کا سفر اختیار کرنا پڑا۔ اس سفر میں فیض بھائی بھی آپ کے ہمراہ تھے۔

لندن سے واپسی اور اسکے بعد قبلہ مفتی صاحب کی وفات تک برادر فیض بخش ملک نے ان کی تیمارداری کے فرائض بڑی جانفشانی سے سرانجام دیئے۔ 1983ء میں قبلہ مفتی صاحب کی وفات کے بعد آپ کی اہلیہ، بیٹی اور داماد لاہور منتقل ہو گئے۔ 2007ء میں آپ کی اہلیہ انتقال کر

گئیں اور قبرستان فردوسیہ لاہور میں سپردِ خاک ہوئیں۔ قبلہ مفتی صاحب کی دختر پروفیسر نرجس خاتون ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ خاتون تھیں۔ آپ پنجاب یونیورسٹی سے فارغ التحصیل اور لاہور میں واقع خواتین کے ایک معروف کالج میں درس و تدریس کے شعبہ سے وابستہ تھیں۔ چند سال ہوئے کالج سے ریٹائرمنٹ کے بعد (فروری 2017ء میں) وفات پا گئیں اور لاہور میں سپردخاک ہوئیں۔ قبلہ مفتی صاحب کے داماد برادر فیض بخش ملک بھی کچھ عرصہ قبل (دسمبر 2019ء میں) داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے راہی ملک بقا ہوئے۔ قبلہ مفتی صاحب مرحوم کا نواسہ اور نواسی اپنے اہل وعیال سمیت لاہور میں مقیم ہیں۔ البتہ قبلہ مفتی صاحب مرحوم کے خاندان کا کوئی فرد علم دین کے شعبہ سے وابستہ نہیں ہوا۔ قائدِ ملت جعفریہ علامہ مفتی جعفرحسین مجتہد رح حقیقتاً مجتہدانہ شان کے حامل ایک بابصیرت عالم دین اور محب وطن قومی رہنما تھے۔

آپ نے زندگی بھر خود کو کبھی بھی کسی ملکی یا غیر ملکی مذہبی یا سیاسی شخصیت کے نمائندے کے طور پر متعارف نہیں کرایا۔ ملت جعفریہ پاکستان کو آپ کی جراتمندانہ، پرخلوص اور دیانت دار قیادت پر غیر متزلزل اعتماد تھا۔ قیام پاکستان سے لے کر اپنی زندگی کے آخری سانس تک چھتیس سال کے طویل عرصہ میں قوم کی رہنمائی کے دوران آپ نے ہمیشہ پاکستان کے شیعہ علماء، عمایدین ملت اور مخلص قومی کارکنان کی مشاورت سے ملت جعفریہ پاکستان کے وسیع تر مفاد میں بہترین فیصلے کیئے۔ آپ نے کبھی کسی ملکی یا غیر ملکی حکومت یا مقتدر شخصیت و ادارے کے دباؤ یا ان کی طرف دی جانے والی گائیڈ لائن کو درخور اعتنا نہیں سمجھا۔

برصغیر پاک وہند میں شیعہ سنی کشمکش کا ایک طویل ماضی ہے۔ تحریک پاکستان کے دوران قائداعظم محمد علی جناح رح اور ان کے مخلص ساتھیوں کی انتھک کوششوں سے ان مسلکی تنازعات پر وقتی طور پر قابو پالیا گیا اور تمام مسلمانوں نے یکجا ہوکر قیام پاکستان کی جدوجہد میں بھرپور حصہ لیا۔ لیکن جیسے ہی پاکستان بنا اور حکومت پاکستان کو دستور سازی کا مرحلہ پیش آیا یہ مسائل پھر سے نمایاں ہو گئے۔ اس موقعہ پر جب پاکستان میں شیعہ مسلمانوں کے حقوق کو نظرانداز کرنے کی سازشیں شروع ہوئیں تو علامہ مفتی جعفرحسین مجتہد فوری طور پر میدان عمل میں آ گئے۔ آپ نے شیعہ علماء کرام اور عمائدین ملت کا اجلاس طلب کیا اور شیعان حیدر کرار پاکستان کے حقوق کے تحفظ کے لیئے جدوجہد شروع کرنے کا اعلان کر دیا۔ اس مقصد کے حصول کے لیئے لاہور میں ادارہ تحفظ حقوق شیعہ پاکستان کا قیام عمل میں لایا گیا۔

علامہ مفتی جعفرحسین مجتہد اس ادارے کے صدر جبکہ علامہ حافظ کفایت حسین سینئر نائب صدر، مولانا سید اظہر حسن زیدی جونیئر نایب صدر اور پروفیسر محمد صادق قریشی سکریٹری جنرل منتخب ہوئے۔ قبلہ مفتی صاحب نے اس ادارے کے پلیٹ فارم سے اپنے رفقاء سے مل کر شیعہ حقوق کے تحفظ کے لیئے انتھک کوشش کی اور حکومت وقت پر واضح کر دیا کہ پاکستان میں شیعہ حقوق پر شبخون مارنا ممکن نہیں۔ قبلہ مفتی صاحب نے ایک طویل عرصہ تک مختلف سرکاری اداروں میں شیعہ مکتب فکر کی نمایندگی کی۔

اس دوران ہر اہم موقعہ پر آپ نے مقتدر قوتوں اور دیگر مسالک کے علماء و سربرآوردہ حضرات کے روبرو بھرپور انداز میں شیعہ موقف پیش کیا اور ملت جعفریہ کے حقوق و مفادات کے تحفظ کے لیئے ہمیشہ بے لاگ اور دوٹوک طرز عمل اختیار کیا۔ علامہ مفتی جعفرحسین مجتہد رح نے قادیانیوں کے خلاف جدوجہد میں بھی نمایاں حصہ لیا۔ 18 مئی 1952ء کو اس وقت کے وزیر خارجہ چوہدری ظفراللہ خان نے کراچی میں اپنی ایک تقریر کے دوران مسلمانان پاکستان کے مذہبی جذبات کو مجروح کرنے والی باتیں کیں۔ اس پر سخت ایکشن لیتے ہوئے

علماء کرام نے کراچی میں آل پارٹیز کانفرنس کا احتجاجی اجلاس طلب کر لیا۔

قبلہ مفتی صاحب کو بھی اس اجلاس میں شرکت کی خصوصی دعوت دی گئی۔ آل پارٹیز کانفرنس کے اس اجلاس میں علامہ مفتی جعفر حسین مجتہد رح نے قادیانیوں کے بارے میں مکتب تشیع کا نقطہ نظر بھر

پورا انداز میں پیش کیا۔ آپ نے قادیانیت کے رد میں ایک مدلل تقریر پیش کی۔ اس اجلاس میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کا آغاز ہوا اور چوہدری ظفر اللہ کو وفاقی وزیر کے عہدہ سے برطرف کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ قیام پاکستان کے بعد حکومت پاکستان کی طرف سے علامہ مفتی جعفر حسین رح کو پاکستان کی دستور ساز کمیٹی کا رکن بنایا گیا۔ اس کمیٹی نے قرارداد مقاصد منظور کی جو بعد ازاں دستور پاکستان کی اصل واساس قرار پائی۔ وزیر اعظم پاکستان نوابزادہ لیاقت علی خان کی طرف سے آپ کو تعلیمات اسلامیہ بورڈ کا رکن بھی مقرر کیا گیا۔

صدر ایوب خان نے اپنے دور اقتدار میں پاکستان میں اسلامی مشاورتی کونسل کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا۔ جس میں تمام اسلامی مکاتب فکر کے علماء کو نمائندگی دی گئی۔ علامہ مفتی جعفر حسین مجتہد کو شیعہ نمائندہ کی حیثیت سے اس کونسل کا رکن مقرر کیا گیا۔ ایوب خان اور یحیی خان کے دور میں بھی آپ نے اس کونسل میں مذہب وملت کی نمائندگی کی۔ ذوالفقار علی بھٹو کے دور حکومت میں آپ کی جگہ پر خطیب آل محمد مولانا سید اظہر حسن زیدی کو اس کونسل کا رکن مقرر کیا گیا۔ جنرل ضیاء کی حکومت نے اسلامی مشاورتی کونسل کا نام بدل کر اسلامی نظریاتی کونسل رکھ دیا اور اس کی نئے سرے سے تشکیل کی۔ جس کے نتیجہ میں علامہ مفتی جعفر حسین رح کو ایک بار پھر اس کونسل کا رکن مقرر کر دیا گیا۔ اگرچہ آپ دھیمے مزاج کے ایک نرم خو انسان تھے لیکن جہاں بھی ملی مفادات کی بات آتی تھی آپ مخالفین کے لیئے شمشیر بے نیام ثابت ہوتے تھے۔

اس ضمن میں ایک واقعہ بہت مشہور ہوا اور وہ یہ کہ آپ وزیر اعظم لیاقت علی خان کے قائم کردہ تعلیمات

اسلامیہ بورڈ کے اجلاس میں بحثیت رکن شریک تھے کہ دوران اجلاس جب مختلف فرقوں کے نقطہ نظر کا ذکر ہونے لگا تو اجلاس کی صدارت کرنے والے وفاقی وزیر سردار عبدالرب نشتر نے غضب ناک ہو کر کہا کہ اگر آپ فرقوں کی بات کریں گے تو میں مستعفی ہو جاؤں گا۔

ان کی یہ بات سنتے ہی مفتی صاحب نے فوراً جواب دیا کہ" وزیر محترم! اگر آپ مختلف فرقوں کا نقطہ نظر اور سنی وشیعہ کا نام سننے کو تیار نہیں اور مستعفی ہونے کی دھمکی دے رہے ہیں تو سن لیجیئے کہ آپ کو تو ابھی استعفیٰ لکھنا ہو گا جبکہ میں گھر سے ہی لکھ کر لایا ہوں کہ اگر یہاں میرے مذہب کا نقطہءنظر نہ سنا گیا تو میں مستعفی ہو جاؤں گا" یہ کہہ کر آپ نے قبا کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور اپنا استعفیٰ پیش کر دیا۔ 1951ء میں جب اکتیس علماء کے مشہور زمانہ بائیس نکات کی منظوری کا مرحلہ آیا تو علامہ مفتی جعفر حسین مجتہد اور علامہ حافظ کفایت حسین مرحوم نے ملت جعفریہ کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا اور بلخصوص نقطہ نمبر بائیس ("دستور کی کوئی ایسی تعبیر معتبر نہ ہوگی جو کتاب وسنت کے خلاف ہو") کے ضمن میں یہ تشریحی نوٹ شامل کروایا کہ "قرآن وسنت کے الفاظ جہاں جہاں آئے ہیں ان کا کسی گروہ پر اطلاق کے وقت وہی مفہوم مراد لیا جائے گا جو اس فرقہ کے نزدیک صحیح و مسلم ہوگا۔

اسی طرح جب جنرل ضیاء کے دور میں نام نہاد اسلامائزیشن کی آڑ میں ملت جعفریہ پاکستان پر سنی فقہ مسلط کرنے کا سلسلہ شروع ہونے لگا تو آپ نے فوری طور پر اس سازش کو بے نقاب کر دیا اور تمام تر حکومتی جبر کو نظر انداز کرتے ہوئے مزاحمت کی راہ کا انتخاب کیا۔ اپنی ضعیفی اور پیرانہ سالی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے آپ فی الفور میدان عمل میں اتر آئے اور ملت جعفریہ پاکستان آپ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے متحد ہو کر اپنے حقوق کے تحفظ کے لیئے سربکف ہوگئی۔ جب جنرل ضیاء نے پاکستان میں اسلامی نظام نافذ کرنے کے سلسلہ میں چند جزوی اقدامات کا اعلان کیا تو ان میں زکات کی سرکاری سطح پر جبری وصولی کا اعلان بھی شامل تھا۔ مگر اس اعلان میں فقہ جعفریہ کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا اور جنرل ضیا نے ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ ان اقدامات کی سفارش اسلامی نظریاتی کونسل نے متفقہ طور پر کی ہے۔ علامہ مفتی جعفر حسین رح نے فوری طور پر ایک پریس کانفرنس بلا کر حکومتی بیان کی واشگاف الفاظ میں تردید کی اور حکومت کو الٹی میٹم دیدیا کہ اگر اسلامی قوانین نافذ کرتے وقت فقہ جعفریہ

کے پیروکاروں کے لئے فقہ جعفریہ کے نفاذ کا اعلان نہ کیا گیا تو وہ بطور احتجاج 30 اپریل 1979ء کو اسلامی نظریاتی کونسل کی رکنیت سے مستعفی ہوجائیں گے۔ جب ضیاء حکومت نے یہ مطالبہ منظور نہ کیا تو علامہ مفتی جعفر حسین مجتہد رح نے اسلامی نظریاتی کونسل کی رکنیت سے استعفا دے دیا۔ اس کے بعد آپ نے علماء و عمائدین کی مشاورت سے تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے پلیٹ فارم سے عوامی جدوجہد کا آغاز کر دیا۔

قبلہ مفتی صاحب مرحوم کا شمار شیعان حیدر کرار پاکستان کے ان علماء میں ہوتا ہے جو اعتدال کی راہ پر گامزن تھے۔ آپ ہمیشہ ملت تشیع کے اتحاد کے لیئے سرگرم عمل رہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے حلقہ احباب میں شجر حسین شجر جیسا ذاکر، سید اظہر حسن زیدی جیسا خطیب، محمد حسین ڈھکو جیسا مدرس، محسن نقوی جیسا شاعر اور نواب مظفر علی خان قزلباش جیسا سیاستدان

سبھی شامل تھے۔ رئیس الحفاظ علامہ حافظ کفایت حسین مرحوم اور قبلہ مفتی جعفر حسین مرحوم کے درمیان دوستانہ تعلقات تھے اور ادارہ تحفظ حقوق شیعہ کے پلیٹ فارم سے دونوں بزرگوار مل کے ملت تشیع پاکستان کے حقوق کے لیئے جدوجہد کرتے رہے۔ خطیب آل محمد مولانا سید اظہر حسن زیدی اور قبلہ مفتی جعفر حسین مرحوم کا ایک دوسرے سے سگے بھائیوں جیسا تعلق تھا جو آخری دم تک قائم رہا۔ تنظیم المکاتب کراچی کے سربراہ علامہ سید رضی جعفر نقوی کا شمار قبلہ مفتی صاحب کے قریبی احباب میں ہوتا تھا۔ جامعہ المنتظر لاہور کے پرنسپل علامہ سید صفدر حسین نجفی مفتی صاحب مرحوم کے دور میں تحریک کے سینیر نائب صدر تھے اور ان کے قبلہ مفتی صاحب سے بہترین تعلقات تھے۔ مفسر قران علامہ حسین بخش جاڑا قبلہ مفتی صاحب کے شاگرد رشید تھے اور وہ ہمیشہ اپنے استاد محترم کے حلقہ خاص میں شامل رہے۔

مفتی محمد شفیع کراچی۔ سید سلیمان ندوی اور مولانا ظفر احمد انصاری، مولانا حنیف ندوی سمیت بہت سے معاصر اہل سنت علماء سے قبلہ مفتی صاحب کے خوشگوار مراسم تھے۔ نظریاتی اختلاف کے باوجود ہر ایک سے احترام اور رواداری سے پیش آنا ان کی طبیعت کا خاصہ تھا۔ مولانا اسحاق فیصل آبادی، مولانا زاہد الراشدی، مولانا کوثر نیازی سمیت بہت سے ممتاز اہل سنت علماء نے اپنی تحریروں میں قبلہ مفتی صاحب کا تذکرہ بہت اچھے الفاظ میں کیا ہے۔ قائد ملت جعفریہ علامہ مفتی جعفر حسین مجتہد رح سادہ بلکہ بڑی حد تک درویشانہ زندگی گزارنے کے عادی تھے۔ آپ کا طرز زندگی اس قدر سادہ تھا

کہ انجان لوگوں کو اس پر مفلسی یا غربت کا گمان گذرتا حالانکہ ایسی کوئی بات نہ تھی۔ 1950ء کے قریب کے کچھ سال آپ نے کراچی میں گذارے۔ اس کے بعد آپ گجرانوالہ منتقل ہوگئے اور وہاں ذاتی گھر خرید کر مستقل سکونت اختیار کر لی۔ آپ متوسط آمدنی کے حامل ایک کفایت شعار انسان تھے۔ ایک بیوی اور ایک بیٹی پر مشتمل مختصر سا کنبہ تھا جسے آپ نے متوسط طبقہ کے معیار زندگی کے مطابق ہر ممکنہ سہولت مہیا کر رکھی تھی۔ آپ ایک بلند پایہ فقیہ، اعلیٰ درجے کے مترجم اور بہترین ادیب ہونے کے ساتھ ساتھ ایک مقبول خطیب بھی تھے۔ لوگ آپ کی مجالس بڑے شوق سے سنا کرتے تھے۔ پاکستان کے تقریبا ہر بڑے شہر کے علاوہ آپ نے بنگلہ دیش (اس وقت کا مشرقی پاکستان)، متحدہ عرب امارات، افریقہ اور یورپ کے بہت سے مقامات پر مجالس عزاء سے خطاب کیا۔ آپ مجالس پڑھنے کا نذرانہ وغیرہ نہ توطے کرتے تھے اور نہ ہی کبھی بانئ مجلس سے اس کا تقاضہ کرتے تھے۔

بانئ مجلس نے اپنی مرضی سے کچھ دے دیا تو ٹھیک اور اگر نہ دیا تو بھی کوئی گلہ شکوہ نہیں کرتے تھے۔ آپ کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ اکثر اوقات مجلس پڑھنے کے فوراً بعد وہاں سے روانہ ہوجایا کرتے تھے اور کئی دفعہ تو بانئ مجلس نے آپ کو ریلوے اسٹیشن یا لاری اڈے پر جا کے تلاش کیا اور آپ کی خدمت میں نذرانہ پیش کیا۔ مجالس عزا سے خطاب کے نذرانے اور آپ کی ترجمہ شدہ کتب کی رائلٹی وغیرہ سے آپ کو مناسب آمدن ہوجایا کرتی تھی۔ گنپت روڈ لاہور کے ایک مومن تاجر کے کاروبار میں بھی کچھ رقم انوسٹ کی ہوئی تھی جس سے ہر ماہ کچھ آمدن ہوجایا کرتی تھی، یوں مل ملا کے باعزت طریقے سے گذارا ہوجاتا تھا اور کسی قسم کی معاشی تنگی کا سامنا نہیں تھا۔ آپ نے ایک مطمئن زندگی گذاری لیکن کبھی بھی قیمتی لباس، بھاری بھرکم عمامہ، زرق برق عبا و قبا اور بڑی بڑی گاڑیوں والا کلچر نہیں اپنایا۔

یہ سب لوازمات جو آج کل کے معروف پاکستانی شیعہ علماء کا ٹریڈ مارک بن چکے ہیں قبلہ مفتی صاحب ان سب تکلفات سے کوسوں دور تھے۔ آپ کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ سرکاری اجلاس ہوں، صدر پاکستان سے میٹنگ ہو یا کوئی غیر ملکی دورہ، آپ ہمیشہ کرتے پاجامے میں ملبوس ہوتے، سر پر مختصر سا عمامہ باندھا کرتے تھے اور کبھی ضرورت ہوتی تو قبا پہن لیتے۔ عبا بہت ہی کم زیب تن کیا کرتے تھے۔ کئی مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ آپ مجلس پڑھنے گئے اور وہاں قیام کے دوران کپڑوں کو دھونے کی ضرورت محسوس کی تو کسی میزبان کو زحمت دینے کی بجائے آپ نے اپنا لباس خود ہی دھولیا۔ پاؤں میں عام سے جوتے پہن کر پیدل یا پھر پبلک ٹرانسپورٹ میں سفر کرنا قبلہ کا معمول تھا۔ اسلام آباد کنونشن کے کچھ ہی عرصہ بعد جب کہ ملک کے طول وعرض میں آپ کی قیادت کا طوطی بول رہا تھا، راقم السطور کو ایک دفعہ قبلہ مفتی صاحب کے ہمراہ ان کے گھر اردو بازار گوجرانوالہ سے جی ٹی روڈ پر واقع ان کے مدرسے جامعہ جعفریہ جانے کا اتفاق ہوا۔ قبلہ بلا تکلف بس میں سوار ہوئے اور کوئی سیٹ خالی نہ ہونے کی وجہ سے یہ سفر ہم نے کھڑے ہو کر طے کیا۔ اگرچہ قبلہ کی طبیعت قدرے ناساز تھی لیکن بیماری و پیرانہ سالی کے باوجود ان کی جبین پر کوئی شکن تک نہ آئی۔ 1979ء میں حکومت وقت کی جانب سے ملت جعفریہ کے مطالبات تسلیم نہ کئے جانے پر آپ نے اسلامی نظریاتی کونسل کی رکنیت سے استعفیٰ دے دیا مگر

حکومت نے آپ کا استعفیٰ منظور نہ کیا اور کونسل کے ممبر کی حیثیت سے آپ کی تنخواہ آپ کو بھیجتے رہے، لیکن آپ نے یہ تنخواہ لینے سے انکار کر دیا اور یہ کہہ کر اسے حکومت کو واپس کر دیا کہ جب کام نہیں کیا تو تنخواہ کس بات کی؟ جولائی 1981ء میں قائد ملت جعفریہ علامہ مفتی جعفر حسین مرحوم مقامات مقدسہ کی زیارت، دیدار مراجع عظام اور رہبر کبیر انقلاب اسلامی آیت اللہ خمینی اعلی اللہ مقامہ سے ملاقات کی غرض سے ایران تشریف لے گئے۔ اس قافلہ میں چند بزرگ علماء اور قبلہ مفتی صاحب کے کچھ احباب سمیت تقریباً بیس بائیس افراد شامل تھے۔ جن راقم السطور اعجاز علی مرزا اور قبلہ مفتی صاحب کے داماد فیض بخش ملک بھی شامل تھے۔

اس سفر زیارات میں جو دیگر حضرات قبلہ مفتی صاحب کے ہم سفر تھے ان میں علامہ حسین بخش جاڑا اور ان کے فرزند باقر جاڑا، مولانا کاظم حسین اثیر جاڑوی، مولانا ملازم حسین اصغر، مولانا تاج دین حیدری، سید اختر حسین شائق انبالوی، مخدوم زادہ مختار حسین، نجف علی چاون، مظفر علی چوہان سمیت گجرانوالہ اور ملتان کے کچھ مومنین سمیت ایک دو اور علماء بھی شامل تھے جن کے نام اب مجھے یاد نہیں رہے۔ پاک ایران سرحد پر ایرانی حکام نے آپ کو جمہوری اسلامی ایران میں خوش آمدید کہا۔ زاہدان پہنچنے پر ایرانی صوبہ سیستان و بلوچستان کے اعلیٰ حکام نے آپکا استقبال کرتے ہوئے حکومت ایران کی طرف سے درخواست کی کہ زاہدان سے تہران تک آپ کے وفد کے ہوائی جہاز سے سفر کا خرچ حکومت ایران اپنے ذمہ لینا چاہتی ہے۔ ایرانی حکام کی یہ پیشکش قبول نہ کرتے ہوئے قبلہ مفتی صاحب نے فرمایا" ایک طویل جنگ اور کرمان کے حالیہ زلزلوں سے آپ کی معیشت پہلے ہی بہت کمزور ہو چکی ہے، اس پر ہم مزید بار نہیں بننا چاہتے، ہم اپنا خرچ خود برداشت کریں گے۔ البتہ آپ کے اس خلوص ومحبت کے نہایت شکر گذار ہیں۔

"اسی سفرِ ایران کے دوران قبلہ مفتی صاحب نے کرمان کے زلزلہ زدگان کی امداد اور دوبارہ بحالی کے لیئے ایرانی حکام کو نقد مالی امداد بھی بطور عطیہ عنایت فرمائی۔ اس کے علاوہ قبلہ مفتی صاحب نے قم ومشہد میں مقیم پاکستانی طلبا میں بھی رقوم تقسیم فرمایں۔ قم میں قبلہ مفتی صاحب مرحوم اور ان کے رفقا کی رہائش وغیرہ کے انتظامات اس وقت وہاں زیرِ تعلیم مولانا شیخ کرامت علی عمرانی اور مولانا اسلم صادقی نے کیئے تھے۔ ایران میں قیام کے دوران آپ نے ایک پریس کانفرنس سے بھی خطاب کیا جس میں آپ نے ایرانی صحافیوں کے بہت سے تند و تیز سوالات کے بڑے تحمل سے جواب دیئے۔ یہ حقیقتاً ایک یادگار سفر تھا۔ زندگی میں پہلی دفعہ امام رضا علیہ السلام کے روضہ اقدس کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ بی بی معصومہ قم ع و دیگر امام زادگان رح کے درہائے اقدس پر حاضری کی

سعادت نصیب ہوئی۔ عالم تشیع کے بزرگ مراجع عظام کے دیدار کا موقعہ ملا۔

قبلہ مفتی صاحب کے ہمراہ جن مراجع عظام سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا ان میں آیت اللہ سید محمد کاظم شریعتمدار، آیت اللہ سید محمد شیرازی، آیت اللہ گل پایئگانی اور آیت اللہ عبداللہ شیرازی شامل تھے۔ آیت اللہ شریعتمدار سے ملاقات کی ایک خاص بات یہ بھی تھی کہ انہوں نے تمام ملاقاتیوں کو تحفتاً دو دو ریال کے ایرانی سکے بھی مرحمت فرمائے، دو سکے مجھے بھی عطا ہوئے جن میں سے ایک آج بھی میرے پاس محفوظ ہے۔ قبلہ مفتی صاحب کی بانئ و رہبر کبیر انقلاب حضرت آیت اللہ السید روح اللہ الخمینی اعلی اللہ مقامہ سے تہران میں خصوصی ملاقات طے تھی۔ تمام شرکاء قافلہ بھی مفتی صاحب قبلہ کے ہمراہ قم سے روانہ ہوئے۔ ہم لوگوں کا خیال تھا کہ شاید ہم بھی کہیں دور سے آیت اللہ خمینی رح کا دیدار کر لیں گے لیکن ہماری خوش قسمتی کہ اس ملاقات کے بعد قبلہ مفتی صاحب کی درخواست پر رہبر کبیر انقلاب اسلامی آیت اللہ خمینی رح نے بکمال مہربانی قبلہ مفتی صاحب کے ہمراہ آئے لوگوں کو بھی خصوصی ملاقات کا شرف بخشا۔ یہ ایک مختصر سی محفل تھی۔ حسینیہ جمران کے ایک متوسط سے کمرے میں پچیس کے قریب لوگ فرشی نشست پر بیٹھے تھے۔

جبکہ ایک سادہ سی کرسی پر آیت اللہ خمینی رح تشریف فرما تھے۔ راقم السطور سمیت مفتی صاحب کے ہمراہ گئے سبھی لوگوں کو آیت اللہ خمینی رح کی دست بوسی کا شرف حاصل ہوا۔ اس موقعہ پر اس بات کا مشاہدہ بھی ہوا کہ جب قبلہ مفتی صاحب رح نے آیت اللہ خمینی رح کا ہاتھ چومنا چاہا تو

انہوں نے فوری طور پر اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ بعدازاں علماء سے معلوم ہوا کہ یہ انداز بھی ایک خاص قسم کا احترام تھا جو مراجع عظام کی طرف سے غیر معمولی عظمت کے حامل بعض علماء کرام کو دیا جاتا ہے۔ اس موقعہ پر آیت اللہ خمینی رح نے ہم لوگوں سے فارسی زبان میں مختصر سا خطاب بھی کیا جس میں انہوں نے شیعہ سنی اتحاد کی اہمیت اور مدرسہ و یونیورسٹی سے منسلک لوگوں میں قرب و یگانگت کی تلقین فرمائی۔ یوں ہمیں رہبر کبیر انقلاب اسلامی رح کی معیت میں کچھ لمحے گذارنے اور ان کی گفتگو براہ راست سننے کی سعادت حاصل ہوئی۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ملاقات قبلہ مفتی صاحب کے خصوصی اکرام کا اظہار تھی ورنہ اس وقت بھی حسینیہ جمران کے وسیع و عریض ہال میں ہزاروں ایرانی ”اماما اماما، دیدارِ یک دقیقہ“ کے فلک شگاف نعرے لگاتے ہوئے آیت اللہ خمینی رح کی ایک جھلک دیکھنے کے منتظر تھے۔ قبلہ مفتی صاحب کے اس سفر ایران کے احوال پر مشتمل تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے مرکزی سیکرٹری اطلاعات مولانا ملازم حسین اصغر آف سرگودھا نے ایک مختصر سا رسالہ بھی تحریر کیا تھا جو کہ شاید اب کہیں بھی میسر نہیں ہے۔ قائد ملت جعفریہ علامہ مفتی جعفر حسین رح اپنی زندگی کے آخری ایام میں پھیپھڑے کے کینسر کا شکار ہو گئے تھے۔

زندگی کے آخری تین چار ماہ میں اس بیماری نے زیادہ شدت اختیار کر لی تھی۔ آپ علاج کے لیئے لندن تشریف لے گئے لیکن کوئی افاقہ نہ ہوا۔ جس پر آپ وطن واپس آ گئے اور چند روز میو ہاسپٹل لاہور میں زیر علاج رہنے کے بعد 29 اگست 1983ء کو اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے۔ آپ کا جسد خاکی آپ کے آبائی شہر گوجرانوالہ لے جایا گیا جہاں عقیدت مندوں کی بڑی تعداد آپ کے آخری دیدار کے لیئے آپ کے گھر میں جمع تھی۔ آپ کی پہلی نماز جنازہ علامہ سید صفدر حسین نجفی نے گوجرانوالہ میں پڑھائی جس کے بعد آپ کی میت کو تدفین کے لیئے لاہور لے جایا گیا۔ لاہور میں مینار پاکستان کے مقام پر آپ کے جنازہ کے استقبال کے لیئے مومنین کا جم غفیر موجود تھا۔ آپ کے جنازہ کو ایک بہت بڑے جلوس کی صورت میں مینار پاکستان سے کربلا گامے شاہ تک لایا گیا جہاں علامہ سید یار شاہ نجفی نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ جس میں ملک کے طول و عرض سے آئے مومنین کرام، علماء عظام اور سرکردہ سرکاری حکام کے علاوہ مختلف شعبہ ہائے حیات سے تعلق رکھنے والے افراد کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔ نماز جنازہ کے بعد آپ کو حسب وصیت کربلا گامے شاہ لاہور میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

علامہ مفتی جعفر حسین، اتحاد کے مظہر

سید نثار علی ترمذی (ایڈیٹر ماہنامہ پیام اسلام آباد)

ہر بڑی شخصیت کے متعدد پہلو ہوتے ہیں۔ بعض پہلو بہت نمایاں ہو جاتے ہیں بعض عوام کی نظر میں مقبول ہو جاتے ہیں لیکن دیگر پہلو جو اپنی جگہ تو بہت اہم ہوتے ہیں مگر وہ مکمل سوانح حیات کے نہ ہونے یا تجاہل عارفانہ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ علامہ مفتی جعفر حسین مرحوم ایک تو بڑی شخصیات میں سے ایک ہیں ان کے ساتھ بھی بڑی شخصیتوں والا سلوک ہوا ہے۔ میں اپنے قلیل مشاہدہ اور مطالعہ کی بنا پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ جو لوگ مخلص ہوتے اور الٰہی انسان ہوتے ہیں اللہ ان کی محبت لوگوں کے دلوں میں پیدا کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ مفتی جعفر حسین اب بھی یاد کیے جاتے ہیں۔ ان کے کیے ہوئے علمی کام اپنی جگہ بنا چکے ہیں۔ ایک تو آپ کا بچپن ایسے ماحول میں گزرا ہے جہاں فرقہ واریت کی بجائے انسانیت اور رواداری کا رواج تھا۔ آپ کے آباء طب سے تعلق رکھتے تھے جو معاشرے میں ایک معزز اور معروف طبقہ گنا جاتا ہے۔ پھر آپ کے چچا نے آپ کی تعلیم و تربیت اہل سنت کے علماء کرام کے سپرد کی جنہوں نے آپ کو بنیادی تعلیمات و عربی زبان کے قواعد و ضوابط سے آگاہ کیا۔ آپ کا بچپن سے اہل سنت کا ساتھ یہ ارتباط تا حیات آپ پر اثر انداز رہا۔ ہمارے ہاں تعصب اور نفرت کی ایک وجہ مختلف مسالک کے درمیان عدم رابطہ اور ان کے افکار سے نہ آگاہی بھی ہے۔ الحمدللہ! مفتی صاحب قبلہ آغاز سے ہی ان مراحل سے گزر چکے تھے۔ اس لیے ان کے اہل سنت کے علماء سے ذاتی روابط بھی موجود تھے اور ان کی گفتگو اور تعلیمات میں بھی شائستگی، ہم آہنگی اور برداشت کا پیغام جلوہ گر رہا ہے۔ اس کے کئی شواہد موجود ہیں۔ 2016ء کی بات ہے۔ بندہ ناچیز کو ایک پانچ روزہ بین المسالک ورکشاپ میں شرکت کا موقع ملا جس میں دیگر مقررین کے علاوہ مشہور عالم علامہ زاہد الراشدی صاحب نے بھی خطاب کیا۔ یہ ورکشاپ دو مقامات پر تھی۔ دو دن اسلام آباد اور تین نتھیا گلی میں۔ اسلام آباد سے روانگی کے وقت میری سیٹ علامہ زاہد الراشدی صاحب کے ساتھ تھی۔ آپ سے مختلف موضوعات پر گفتگو رہی۔ آپ نے علامہ مفتی جعفر حسین مرحوم کے بارے میں بتایا کہ وہ ایک مرتبہ ان کے کمرے میں تشریف لائے۔ انہوں نے کمرے کو ترتیب سے کرنے کی کوشش کی تو مفتی صاحب نے کہا رہنے دو میں اس کمرے میں چھ سال رہا ہوں۔ یہ ان کا اپنے ابتدائی مادر علمی سے انسیت اور وابستگی کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ وہ اپنی مادر علمی سے محبت رکھتا ہے۔ انہوں نے مزید بتایا کہ وہ مفتی صاحب کے ساتھ امن کمیٹی گوجرانولہ میں تھے۔ ایک دن ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر جنرل نے کہا یہاں پیپلز کالونی میں امن کمیٹی کے اراکین کو پلاٹ دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ آپ لوگ اپنی درخواستیں جمع کروا دیں تاکہ پلاٹ الاٹ کیے جا سکیں۔ ایک مرتبہ کسی کام کے سلسلے میں سرکاری دفتر جانا ہوا تو ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر جنرل نے کہا کہ سب کی درخواستیں آ چکی ہیں سوائے مفتی جعفر حسین کے اور آپ کے۔ میں نے کہا کہ ہماری درخواستیں تو نہیں آئیں گیں۔ مولانا راشدی کا مفتی صاحب مرحوم کی اس خصوصیت کا تیس سال بعد تک یاد رکھنا ایک قابل ذکر بات ہے۔ 1948 میں علامہ مفتی جعفر حسین مرحوم کو حکومت پاکستان تعلیمات

اسلامی بورڈ میں بطور رکن نامزد ہوئے جہاں کے ان کے علاوہ دیگر مسالک کے چوٹی کے علماء سے ارتباط بڑھا اور ان کے ساتھ مل جل کر کام کرنے کا موقع میسر آیا۔ اس ادارے نے قرارداد مقاصد جیسی مکمل دستاویز تیار کی جو آج بھی آئین پاکستان کا حصہ ہے اور یہ قرارداد اللہ تعالی کی حاکمیت کا اعلان کرتی ہے وہیں پر تمام مسالک کے حقوق کا تحفظ بھی کرتی ہے۔ اس میں مفتی صاحب قبلہ کا حصہ تاریخ کا حصہ ہے اگر مفتی صاحب کی جگہ کسی اور کو یہ نمائندگی حاصل ہوتی تو ہوسکتا ہے کہ یہ قرارداد اس طرح تحریر و ترتیب نہ پاسکتی بلکہ مسالک کی موشگافیوں کا آئینہ دار ہوتی۔ 1951 میں جب کراچی میں 22 علماء کے 32 نکات منظور ہوئے تو اس پر مکتب تشیع کی طرف سے حافظ کفایت حسین مرحوم بحثیت صدر ادارہ تحفظ حقوق شیعہ پاکستان کے ساتھ علامہ مفتی جعفر حسین مرحوم کے

دستخط بحثیت رکن تعلیمات اسلامی بورڈ موجود ہیں۔ یہ دستاویز آج بھی شیعہ سنی کے مابین ایک مشترکہ اور مکمل دستاویز کے طور پر پیش کی جاتی ہے۔ اس دستاویز پر بعض علماء نے متعدد اعتراض کیے تو اگلے سال اس میں اس تشریح کو شامل کیا گیا کہ قرآن وسنت کی تعبیر ہر مسلک کے مطابق ہوگی مگر اسے پزیرائی نہ مل سکی۔ یہ بھی اتحاد بین المسلمین کے لیے مفتی جعفر حسین مرحوم کی خدمات میں سے ایک ہے۔ مفتی جعفر حسین مرحوم نے تحریک ختم نبوت میں مرکزی و بنیادی کردار ادا کیا۔ اس کا اظہار ختم نبوت کی مرکزی رہنما مولانا اللہ وسایا مرحوم نے اپنی کتاب میں کیا جسے بطور ثبوت یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔

مولانا اللہ وسایا تحریک ختم نبوت 1952ء کی صفحہ 114 میں لکھتے ہیں کہ دو جون 1952 کو مولانا لال حسین اختر کی مساعی جمیلہ سے تھیوسوفیکل ہال کراچی میں آل مسلم پارٹیز کانفرنس کا اہتمام کیا گیا۔ اس کانفرنس کے دعوت ناموں پر مولانا لال حسین اختر کے ساتھ مولانا احتشام الحق تھانوی (دیوبندی) مولانا عبد الحامد بدایوانی (بریلوی) مولانا مفتی جعفر حسین مجتہد (شیعہ) مولانا محمد یوسف (اہل حدیث) نے بھی دستخط کی ہے اس کانفرنس میں پہلی مرتبہ مدرجہ ذیل تین مطالبات بھی متعین کیے گئے۔

(1) قادیانی ایک غیر مسلم اقلیت قرار دیے جائیں۔ (2) چوہدری ظفر اللہ خان کو وزارت خارجہ کے عہدے سے الگ کر دیا جائے۔ (3) تمام کلیدی آسامیوں سے قادیانی افسروں کو علیحدہ کیا جائے۔ اسی اجلاس میں یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ مندرجہ مذکورہ مطالبات کا منوانے کے لیے ایک آل مسلم پارٹیز کنونشن بھی طلب کیا جائے۔ کانفرنس کی صدارت مولانا سید سلمان ندوی مرحوم نے فرمائی۔ ایک بورڈ کا قیام بھی عمل لایا گیا جس کے ذمہ یہ تھا کہ وہ ایک آل مسلم پارٹیز کنونشن کے جملہ انتظامات کا ذمہ دار ہوگا۔ اس بورڈ کے ممبران درج ذیل حضرات منتخب ہوئے۔

(1) سید سلیمان ندوی، صدر تعلیمات اسلامی بورڈ مفتی محمد شفی ممبر تعلیمات اسلامی بورڈ (2) مفتی محمد شفیع ممبر تعلیمات اسلامی بورڈ (3) مولانا عبد الحامد بدایونی (4) مولانا مفتی محمد یوسف کلکتوی (5) مفتی صاحب داد صاحب (6) مولانا سلطان احمد صاحب (7) علامہ احمد نورانی صاحب (8) مولانا لال حسین صاحب اختر (9) الحاج ہاشم گز در صاحب (10) مولانا مفتی جعفر حسین مجتہد ممبر تعلیمات اسلامی بورڈ (11) مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی (کنوینر)

مندرجہ مذکورہ بورڈ کا ایک اجلاس 13، جولائی 1952 کو الحاج ہاشم گز در کے مکان پر ہوا۔ اس اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ آل مسلم پارٹیز کنونشن میں مدرجہ ذیل جماعتوں کو دعوت نامے جاری کیے جائیں۔ (1) جمعیت علماء اسلام پاکستان (2) جمعیت علمائے پاکستان (3) مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان (4) مجلس احرار اسلام پاکستان (5) تنظیم اہل سنت والجماعت پاکستان (6) جمعیت اہل حدیث پاکستان (7) جماعت اسلامی پاکستان (8) حزب اللہ مشرقی پاکستان (9) ادارہ تحفظ حقوق شیعہ 5 اگست 1952ء کو کراچی میں ایک

مشترکہ میٹنگ ہوئی اور فیصلہ ہوا کہ مستقبل قریب میں کل پاکستان سطح کی ایک آل پارٹیز کنونشن بلائی جائے۔مولانا احتشام الحق تھانوی کو کنونشن بلانے کا مجاز قرار دیا گیا۔مولانا موصوف نے 11 دسمبر 1952ء کو پاکستان بھر کے دینی جماعتوں کے نمائندوں کا کنونشن بلانے کے لیے دعوت نامے جاری کر دیے کہ: " آل پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن کا اجلاس کراچی میں 16، 17، 18 جنوری 1953 کو منعقد ہوگا۔"قادیانی رہنما مرزا ناصر احمد نے مفتی جعفر حسین مرحوم کے کردار کا اظہار کیا ہے۔مولانا اللہ وسایا" پارلیمنٹ میں قادیانی شکست صفحہ 82 (6) میں لکھتے ہیں

کہ اٹارنی جنرل۔کیا 51ء میں شیعہ مجتہد مفتی جعفر حسین بھی ان میں شامل نہ تھے؟

مرزا ناصر۔ جی وہ بھی شامل تھے مگر"ترجمان اسلام" لاہور 21 مارچ 1972 صفحہ 5,کالم نمبر پانچ میں آ گیا ہے۔

اٹارنی جنرل۔ یہ آپ نے محضر نامہ میں لکھ دیا ہے مگر میں عرض کرتا ہوں کہ 51ء میں شیعہ بھی، دیوبندی بھی بریلوی اہل حدیث کے ساتھ علامہ سلمان ندوی کی صدارت میں جمع تھے؟

مرزا ناصر۔ جمع تھے۔ (نوٹ یہ کتاب قومی اسمبلی میں مسلمانوں اور قادیانیوں کے درمیان ہونے والی بحث مباحثے پر مشتمل ہے۔)

سید منیر حسین گیلانی صاحب نے اپنی خودنوشت" سیاسی بیداری" کے صفحہ 49 پر علامہ حافظ سید ریاض حسین نجفی کے ایک بیان کو شامل کیا ہے جس میں آپ کہتے ہیں کہ حافظ کفایت حسین کے بعد تحریک ختم نبوت میں سب سے زیادہ کردار علامہ مفتی جعفر حسین کا ہے۔انہوں نے ختم نبوت اور سیرت نبی پر بہت کام کیا ہے اور شیعہ کی نمائندگی کی ہے۔

مولانا احمد لاہوری مرحوم نے قرآن پاک کا ترجمہ شائع کیا تھا اور اس امید کے ساتھ کہ یہ ترجمہ تمام مسالک کے لیے قابل قبول ہوگا مگر واقعی یہ ترجمہ اس قابل تھا کہ اسے عام کیا جاتا اور ایک ماڈل ترجمے کے طور پر پڑھا جاتا جس سے مسالک کے درمیان ہم آہنگی اور بھائی چارہ کی فضا بہتر ہو جاتی مگر تعصب اور تنگ نظری ایسا نہ کرنے دیا۔اس ترجمے پر موصوف احمد علی لاہوری مرحوم نے تمام مسالک کے جید علماء سے تقاریض لکھوائیں تا کہ سند رہے اس اعزاز کا بھی علامہ مفتی جعفر حسین مرحوم کو ملا۔ یہ ترجمہ چھپا بھی اور تمام مسالک کے علماء کی تقاریض کے ساتھ مگر بعد ازاں اس ترجمے میں سے مفتی صاحب مرحوم کی تقریظ کو نکال دیا گیا جسے ایک المیہ ہی کہا جا سکتا ہے۔باوجود کوشش کے وہ ترجمہ قرآن جس پر مفتی صاحب کی تقریض تھی دستیاب نہیں ہو سکا لیکن تلاش جاری ہے۔مفتی صاحب کی تقریض دلالت کرتی ہے کہ یہ ترجمہ واقعی ایک قابل قدر کوشش ہے اور اتحاد و وحدت کی طرف ایک مثبت قدم ہے۔مفتی صاحب کی تقریض نے اس مغالطے کا رد بھی کر دیا کہ شیعہ تحریف قران کے قائل ہیں۔آپ نے ثابت کیا کہ شیعہ اسی قران مجید پر ایمان رکھتے ہیں اور اسی قرآن کی تلاوت کرتے ہیں جو عام مسلمانوں کے درمیان رائج ہے۔مفتی صاحب کی یہ خدمت عوام کی نظروں سے اوجھل تھی اسے اس مضمون میں اجاگر کرنے کی سعادت حاصل ہوئی مولانا کوثر نیازی مرحوم نے بھی اپنے مضمون میں علامہ مفتی جعفر حسین مرحوم کے اتحاد و وحدت کے کردار پر روشنی ڈالی ہے اور ایسے جلسوں کا ذکر کیا جو بین المسالک ہم آہنگی و بھائی چارے کے لیے منعقد ہوئے تھے اور ان میں ایک اہم مقرر علامہ مفتی جعفر حسین تھے۔انہوں نے اپنے مضمون میں مفتی صاحب کی سادگی اور مہمان نوازی اور علمیت پر روشنی ڈالی ہے۔یہ دراصل

مفتی صاحب مرحوم کے اس کردار پر روشنی ڈالی ہے جو آپ نے دیگر مسالک کے علماء کے ساتھ محبت اور اخوت سے نبھایا۔ اہل حدیث مورخ محمد اسحاق بھٹی صاحب نے اپنی کتاب بزم ارجمنداں میں مفتی جعفر حسین مرحوم پر ایک یادگار مضمون لکھا ہے اس میں سے ایک اقتباس موضوع کے مطابق آپ کی خدمت میں پیش ہے۔"مفتی صاحب ہمیشہ ہر اس کمیٹی میں شامل رہے جو مشترکہ مقاصد کے حصول کی غرض سے ملک کے تمام مکاتب فکر (شیعہ، حنفی، اہل حدیث) سے تعلق رکھنے والے علماء، زعماء پر مشتمل ہوتی۔ اس نوع کی کمیٹیوں میں ان کی رائے کو اہمیت دی گئی۔ قیام پاکستان کے بعد اسلامی مملکت کی بنیادی واساسی اصول مرتب کرنے کے غرض سے 21، 2322، 24 جنوری 1951 کو 31 علماء کی اس میٹنگ میں بھی مفتی صاحب شریک تھے جس میں اسلامی حکومت کے 22 نکات ترتیب دیے گئے تھے۔ اس میٹنگ میں دوسرے شیعہ عالم و مجتہد حافظ کفایت حسین شامل تھے۔ اور ان دونوں حضرات کو تمام مسالک فقہ کے علماء و زعماء کے نزدیک قدر و منزلت حاصل تھی۔" یہ آپ کے اتحاد بین المسلمین کے لیے انجام دی جانے والی خدمات کا اعتراف ہے۔ جب محمد اسحاق مرحوم کا یہ مضمون ماہنامہ روزہ پیام اسلام اباد میں شائع ہوا تو فیصل اباد سے پروفیسر ڈاکٹر قاری محمد طاہر، مدیر ماہنامہ التجوید، نے اپنی یادیں تازہ کیں اور باغ موچی دروازہ میں بین المسالک سیرت النبی کے جلسہ سے علامہ مفتی جعفر حسین مرحوم کی تقریر کا احوال سنایا۔ اس میں آپ کی مقبولیت، اہمیت، برجستگی اور نکتہ سنجی کا خوب صورت اظہار کیا۔ آپ دیگر مکاتب کی عوام میں بھی جگہ رکھتے تھے۔ اتحاد بین المسلمین کے لیے آپ کے عزم وارادہ کا تذکرہ مفتی صاحب مرحوم کے رفیق دیرینہ حاجی شریف مرحوم نے بھی اپنے مضمون میں کیا ہے۔ اپ نے مفتی صاحب کو قائد اعظم کی مماثلت قرار دیتے ہوئے کئی مواقع ذکر کیے ہیں جن میں ایک کا تذکرہ یہاں کرتے ہیں۔" قائد اعظم نے ایک مدت تک ہندو مسلم اتحاد کو اپنی زندگی کا نصب العین قرار دے رکھا اور آخری عمر میں ناگزیر وجوہات کے سبب سے آپ کو صرف مسلمانان ہند کی قیادت اختیار کرنا پڑی۔ بعینہ اسی طرح تخلیق پاکستان کے بعد ایک مدت تک مفتی صاحب بھی شیعہ سنی اتحاد کے علم بردار رہے اور آپ نے ہمیشہ امت مسلمہ کو فرقہ واریت کی وبا سے دور رہنے اور اللہ کی رسی کو مضبوط تھامنے رکھنے کا پوری قوت کے ساتھ درس دیا اور آخر عمر میں آپ کو بھی ناگزیر وجوہات کے سبب سواد اعظم سے کٹ کر صرف فرقہ جعفریہ کی قیادت کا پرچم تھامنا پڑا اور پھر دنیا نے دیکھا کہ قیادت کا یہ پرچم حکومت اور چند تخریب پسند عناصر کی مسلسل مخالفت کے باوجود آپ نے اسی شان سے تھاما کہ جب تک جیئے قائد اعظم کی مانند سوائے ناقابل ذکر مستثنیات کے، ملت جعفریہ کے پورے تین کروڑ افراد کے دل کی دھڑکن بن کر جیئے۔" یہ آپ کے کردار وحدت امت پر ایک اور سند ہے۔ اسی طرح جب آپ علیل ہو کر صاحب فراش ہوئے تو عیادت کرنے والوں میں دیگر مسالک کی شخصیات و علماء کرام بھی تشریف لائے اور اسی طرح آپ کی رحلت پر تمام مسالک کے علماء و زعماء نے اپنی تعزیتی بیانات میں آپ کے اتحاد امت کے کردار کو سراہا اور آپ کی رحلت کو امت کا نقصان قرار دیا۔ اخبارات نے آپ رحلت کی خبر کے ساتھ آپ کی وحدت امت خدمات کو سراہا اسی طرح اپنے اپنے اداریوں میں بھی آپ کے اسی کردار کا تذکرہ کیا ہے۔ روزنامہ جنگ لاہور مرحوم مفتی جعفر حسین کا شمار ملک کے ممتاز علماء کرام میں ہوتا تھا انہوں نے تبلیغ و اشاعت دین کے ساتھ ساتھ تحریک پاکستان میں بھی سرگرم لیا۔ ان کے کردار کا یہ پہلو بطور خاص یاد رکھا جائے گا کہ مسلمانوں کے مختلف مکاتیب فکر کے درمیان افہام و تفہیم اور اتفاق کے جذبے سے شرسار تھے۔

روزنامہ جنگ کراچی: مفتی صاحب کا شمار پاکستان کے ان اکابرین میں کیا جاتا تھا جنہوں نے ملت اسلامیہ کے اتحاد کے لیے انتھک جدوجہد کی تھی اور اسی بنا پر پاکستان کے تمام مکاتب فکر کے افراد کو ان کی رحلت

سے صدمہ پہنچا ہے۔

روزنامہ حریت کراچی؛ مفتی جعفر حسین اتحاد امت کے داعی، مفتی صاحب مسلمانان عالم کے اتحاد پر زبردست یقین رکھتے تھے اور ان کا کہنا تھا کہ یہی اتحاد مسلمانوں کو سیاسی، تہذیبی اور سماجی عظمت اور رتبہ دلا سکتا ہے اور وہ ایک زبردست طاقت بن کر کرہ ارض پر پھیل سکتے ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کی زندگی کے مقصد اور مشن کی راہ کو زندہ رکھیں اور مسلمانان عالم کے اتحاد کے کام کو آگے بڑھائیں۔

روزنامہ مشرق لاہور؛ ممتاز شیعہ عالم مفتی جعفر حسین کی رحلت ملک کے تمام دینی حلقوں کے لیے سانحہ عظیم کی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ فرقہ ورانہ اتحاد ع یکجہتی اور اسلامی اصولوں اور اقدار کی سربلندی کی ہر تحریک میں پیش پیش رہے۔ تحریک پاکستان میں سرگرم کردار ادا کیا۔ قرارداد مقاصد تیار کرنے والی علماء کمیٹی میں قابل قدر حصہ لیا تعلیمات اسلامی بورڈ کی رکن کی حیثیت نمایاں خدمت انجام دی علماء کی تاریخی بائیس نکات کی تیاری میں بھی معاونت کی اور مختلف ادوار میں اسلامی مشاورتی کونسل، اسلامی نظریاتی کونسل کے رکنیت کے فرائض بھی خوش اسلوبی سے انجام دیے۔ مرحوم کی عملی خدمات ہماری تاریخ کا روشن باب ہیں۔

روزنامہ امن؛ آپ جید عالم اور بے بدل محقق تھے جنہوں نے اسلامی فلسفے کی وضاحت کی اور اسے عام فہم بنایا۔ حضرت مفتی صاحب اپنے موقف پر ڈٹے رہنے والے جرآت مند عالم دین تھے جو انتہائی نامساعد

حالات میں بھی کبھی نہیں ڈگمگائے۔ ان کی وفات ایک قومی نقصان ہے۔ انہوں نے دین کی خدمت اور امت کی یکجہتی کو ہمیشہ اپنا شعار بنائے رکھا۔ ان جیسی ہستیاں صدیوں میں ایک بار پیدا ہوتی ہیں۔

روزنامہ امروز لاہور: مرحوم مت جبر عالم دین تھے۔ ان کی زندگی تبلیغ دین کے لیے وقف رہی۔ وہ بڑے حلیم طبع صلح جو اور دردمند انسان تھے۔ اتحاد بین المسلمین ان کا مسلک تھا۔ وہ ہمیشہ مختلف فرقوں میں مفاہمت کے لیے کوشاں رہے۔ انہی اوصاف کی بنا پر وہ سبھی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ چنانچہ ان کی رحلت پر سبھی مکاتب فکر نے گہرے رنج والم کا اظہار کیا ہے۔

روزنامہ آفتاب؛ مفتی صاحب کا شمار ان مذہبی رہنماؤں میں ہوتا ہے جنہوں نے فرقہ وارانہ اتحاد قائم کرنے کی ہمیشہ کوشش کی اور شیعہ مکتب فکر میں تو انہیں وہی مقام حاصل تھا تو ایران نے آقائے خمینی کا ہے۔ مرحوم کا تحریک پاکستان کی جدوجہد میں نمایاں حصہ لیا اور 1952ء میں جن اکتیس علمائے کرام نے اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے متفقہ طور پر 22 نکات مرتب کی ان نے مفتی صاحب بھی شامل تھے۔ ظاہر بات ہے کہ جو کردار اپ کی زندگی پر غالب رہا اسی کا اظہار غیر جانبدار میڈیا نے کیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج بھی اپ کے اس کردار کی وجہ سے اپ کو یاد کیا جاتا ہے۔ آپ نے جن شخصیات یعنی کہ حضرت علی علیہ السلام اور حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی کتب کا ترجمہ اور حاشیہ تحریر فرمایا ہے اور اسی طرح سیرت امیر المومنین علیہ السلام دو جلدوں میں مرتب کی ہے یہ دونوں شخصیات امت محمدی میں مشترک اور قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ آپ کی یہ علمی خدمت بھی ایک پہلو کے لحاظ سے اتحاد بین مسلمین کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ ضرورت ہے کہ آپ کے اس کردار کا تفصیل سے تحقیق و جائزہ لیا جائے اور ان اصولوں کو واضح کیا جائے کہ جن پر آپ عمل پیرا تھے۔ ایک بات آپ کے کردار سے بہت واضح ہوتی ہیں اپنی شناخت اور اپنی پہچان کو برقرار رکھتے ہوئے دیگر مسالک کے ساتھ اتحاد و دوستی کا ہاتھ بڑھایا جائے۔ آپ ہر مسئلے پر اپنی رائے رکھتے تھے لیکن آپ دلائل و براہان کے سامنے اسے تبدیل کرنے میں کبھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے تھے۔ میرا خیال ہے یہی آپ کی کامیابی کا مرکزی نقطہ ہے۔ اللہ ہمیں آپ کے آثار کو محفوظ کرنے اور تعلیمات کو عام کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

خدا کی رزاقیت

بحوالہ

علامہ مفتی جعفر حسینؒ

سید رمیز الحسن موسوی [ڈائریکٹر نور الھدیٰ مرکز تحقیقات (نمت) اسلام آباد]

علامہ مفتی جعفر حسین اعلی اللہ مقامہ کا اُردو زبان میں علمی اور تحقیقی مقام ایک سند کی حیثیت رکھتا ہے اُنھوں نے اپنی کتابوں خواہ وہ ترجمہ کی صورت میں ہوں یا تصنیف وتالیف کی صورت میں سب میں اپنے علمی وتحقیقی مقام ومنزلت کا لوہا منوایا ہے۔ اُن کی تین چار کتابیں ہی منظر عام پر آئی ہیں، جن میں نہج البلاغہ اور صحیفہ سجادیہ کا ترجمہ وحواشی اور سیرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام پر مشتمل کتابیں ہیں جو برسہا برس کے بعد بھی اپنی علمی طراوت کو باقی رکھے ہوئے ہیں۔ ان کتابوں میں بیسویں دینی وتاریخی موضوعات پر مفتی جعفر حسین مرحوم کے علمی حواشی اور تحقیقی نوٹ اُن کی وسیع معلومات اور مطالعہ کی عکاسی کرتے ہیں۔ نہج البلاغہ اور صحیفہ کاملہ کے ترجمے اور حواشی میں مفتی صاحبؒ نے بہت سے مقامات پر تاریخی، کلامی، فقہی اور عرفانی واخلاقی حوالے سے اپنے قارئین کو وسیع معلومات فراہم کی ہیں اور بہت سی علمی ودینی اصطلاحات کی وضاحت کی ہے اور دینی وتاریخی اعلام ورجال کے بارے میں اظہار خیال کیا ہے۔ علامہ علی نقی نقویؒ کی طرح مفتی صاحبؒ کی تحریر کا ایک خاص پہلو اُن کا اختصار ہے لیکن اسی اختصار میں علمی جامعیت بھی ہے۔ بعض اوقات یہ دونوں شخصیات ایک ہی جملے میں علم وادب کے دریا بہا دیتی ہیں۔ ہماری اس بات کی تصدیق وہ تمام اہل علم ضرور کریں گے کہ جنہوں نے نہج البلاغہ اور صحیفہ کاملہ کے ترجمے کے ساتھ ساتھ اُن کے علمی حواشی کا بھی دقیق مطالعہ کیا ہے۔ مفتی صاحبؒ نے جس دور میں یہ حواشی لکھے ہیں وہ نیٹ کا زمانہ نہیں تھا اور نہ کمپیوٹر کی سہولت موجود تھی۔ ایک علمی مطلب کو سمجھنے کے لیے بیسیوں کتابوں تک رسائی حاصل کرنی پڑتی تھی اور علمی کتابخانوں کی خاک چھاننی پڑتی تھی۔ اس لیے اتنے دقیق علمی حواشی اور تحقیق نوٹ لکھنا وسیع مطالعہ کی دلیل ہیں۔ اس علمی وسعت کے ساتھ ساتھ مفتی صاحبؒ کا عربی اور اُردو ادبی ذوق بھی اُن کی تحریروں میں جھلکتا ہے جس کی وجہ سے اُن کی تحریر اُردو ادب کے لحاظ سے بھی ابھی تک اپنی تازگی اور طراوت برقرار رکھے ہوئے ہے۔

مفتی صاحبؒ کے ان حواشی اور سیرت امیر المؤمنین میں بہت سے ایسے موضوعات ملتے ہیں جن پر اگر تحقیق کی جائے تو بہت سے دینی وتاریخی مطالب تخریج کیے جاسکتے ہیں۔ اور یہ کام ہماری اس علمی اور دینی شخصیت کے علمی آثار کے احیاء کا باعث بن سکتا ہے۔ ہمارے جوان محقق علماء اور اہل قلم کو اس جانب خصوصی توجہ دینی چاہیے۔ اسی مقصد کے پیش نظر اس تحریر میں مفتی صاحب مرحوم کے موجود علمی آثار سے ''رزاقیت خدا'' کے عنوان سے کچھ مطالب قارئین کے ذوق مطالعہ کی نذر کئے جارہے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کا روزی رسان ہے اور وہی ہر جاندار کو رزق دے رہا ہے۔ پس روزی اور رزق حاصل کرنے کے لیے ہم جو محنت ومشقت کرتے ہیں اور جو جدوجہد کرتے ہیں یہ کس لیے ہے؟ دوسرے الفاظ میں اگر ہمارا روزی رسان خدا ہے تو پھر ہم روزی کی تلاش میں مارے مارے کیوں پھرتے ہیں؟ اس قسم کے بہت سے سوالات ہمارے ذہنوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ انہی سوالات کو ہم دینی تعلیمات اعم از نہج البلاغہ یا صحیفہ کاملہ کی دعاؤں میں تلاش کریں تو مفتی جعفر حسینؒ کی تحریروں میں اس کا جواب ہمیں کچھ اس طرح ملتا ہے۔

مفتی صاحبؒ خطبہ اشباح میں امیر المؤمنین کے اس فرمان " اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَا یَفِرُهُ الْمَنْعُ وَ الْجُمُوْدُ، وَلَا یُكْدِیْهِ الْاِعْطَآءُ وَ الْجُوْدُ، اِذْ كُلُّ مُعْطٍ مُّنْتَقِصٌ سِوَاهُ، وَ كُلُّ مَانِعٍ مَّذْمُوْمٌ مَا خَلَاهُ، وَ هُوَ الْمَنَّانُ بِفَوَآئِدِ النِّعَمِ، وَ عَوَآئِدِ الْمَزِیْدِ وَ الْقِسَمِ، عِیَالُهُ الْخَلَآئِقُ، ضَمِنَ اَرْزَاقَهُمْ، وَ قَدَّرَ اَقْوَاتَهُمْ، وَ نَهَجَ سَبِیْلَ الرَّاغِبِیْنَ اِلَیْهِ، وَ الطَّالِبِیْنَ مَا لَدَیْهِ، وَ لَیْسَ بِمَا سُئِلَ بِاَجْوَدَ مِنْهُ بِمَا لَمْ یُسْئَلْ۔ ''یعنی: تمام حمد اس اللہ کیلئے ہے کہ جو فیض و عطا کے روکنے سے مالدار نہیں ہوجاتا اور جود وعطا سے کبھی عاجز وقاصر نہیں

ہوتا۔ اس لئے کہ اس کے سوا ہر دینے والے کے یہاں داد و دہش سے کمی واقع ہوتی ہے اور ہاتھ روک لینے پر انہیں برا سمجھا جا سکتا ہے۔ وہ فائدہ بخش نعمتوں اور عطیوں کی فراوانیوں اور روزیوں (کی تقسیم) سے ممنون احسان بنانے والا ہے۔ ساری مخلوق اس کا کنبہ ہے، اس نے سب کے رزق کا ذمہ لیا ہے اور سب کی روزیاں مقرر کر رکھی ہیں۔ اس نے اپنے خواہش مندوں اور اپنی نعمت کے طلب گاروں کیلئے راہ کھول دی ہے۔ وہ دستِ طلب کے نہ بڑھنے پر بھی اتنا ہی کریم ہے جتنا طلب و سوال کا ہاتھ بڑھنے پر۔

اللہ تعالیٰ کے ضامن رزق ہونے کا مفہوم

اس فرمان کے ذیل میں مفتی جعفر حسینؒ لکھتے ہیں: ''خداوند عالم رزق کا ضامن اور روزی کا کفیل ہے، جیسا کہ اس کا ارشاد ہے: ''وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا''۔ زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کے رزق کا ذمہ اللہ نے نہ لیا ہو۔

لیکن اس کے ضامن رزق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس نے سب کیلئے زندگی و معیشت کے سروسامان مہیا کر دیئے ہیں اور جنگلوں، پہاڑوں، دریاؤں، معدنوں اور زمین کی وسعتوں میں سب کا حصہ یکساں رکھا ہے اور ہر ایک کو ان سے فائدہ اٹھانے کا حق دیا ہے۔ اس کے انعامات کسی ایک سے مخصوص نہیں ہیں اور نہ اس کے رزق کا دروازہ کسی کیلئے بند ہے۔ چنانچہ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے: ''كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۚ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا''۔

ہم اِن کی اور اُن کی تمہارے پروردگار کی بخششوں سے مدد کرتے ہیں اور تمہارے پروردگار کی بخشش کسی کیلئے بند نہیں۔

رزق کی تنگی اور سستی و کاہلی کا تعلق

مفتی جعفر حسینؒ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے اس وسیع دستر خوان رزق کے باجود اگر کوئی شخص تنگدستی اور مفلسی کا شکار ہوتا ہے تو اس کی ایک بنیادی وجہ اُس کی سستی و کاہلی اور محنت و مشقت سے فرار ہے۔ لہذا وہ لکھتے ہیں:

''اب اگر کوئی تن آسانی و سہولت پسندی کی وجہ سے ان چیزوں کو حاصل نہ کرے اور ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جائے تو ایسا نہیں کہ گھر بیٹھے روزی پہنچ جایا کرے۔ اس نے تو زمین پر گونا گوں نعمتوں کے خوان چن دیئے ہیں، لیکن انہیں حاصل کرنے کیلئے ہاتھ بڑھانے کی ضرورت ہے۔ سمندر کی تہ میں موتی بکھیر دیئے ہیں، لیکن انہیں نکالنے کیلئے غوطہ زنی کی حاجت ہے۔ پہاڑوں کے دامن میں لعل و جواہر بھر دیئے ہیں، لیکن کوہ کنی کے بغیر ان تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ زمین میں نمو کے خزانے موجود ہیں، مگر تخم پاشی کے بغیر ان سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔ دنیا میں چو طرفہ رزق کے انبار بکھرے ہوئے ہیں، مگر سفر کی مشقتوں کے بغیر انہیں سمیٹا نہیں جا سکتا۔''

زمین پر سیر و سیاحت اور حصول رزق

مفتی صاحب کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ وہ محنت و مشقت کے بعد زمین پر سیر و سیاحت کو انسانوں کے درمیان رزق کی تقسیم کا اہم ذریعہ سمجھتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے کلام سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''چنانچہ پروردگار عالم کا ارشاد ہے: ''فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ''۔ زمین کے اطراف و جوانب میں چلو پھرو، اور اس کا رزق کھاؤ۔

خدا کی رزاقیت کا معنیٰ

وہ خدا کی رزاقیت کے مفہوم کو مزید واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''اس کے ''رازق'' ہونے کے یہ معنی نہیں کہ نہ کد و کاوش کرنا پڑے، نہ تلاشِ معاش میں گھر سے نکلنا پڑے اور خود بخود روزی پہنچ جایا کرے۔ بلکہ رازق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس نے زمین میں نشوونما کی صلاحیت پیدا کی، روئیدگی کیلئے بادل برسائے، پھل، سبزیاں اور غلے پیدا کئے۔ یہ سب تو اللہ کی طرف سے ہے لیکن ان کا حاصل کرنا انسان کی سعی و عمل سے وابستہ ہے۔ جو جدوجہد کرے گا وہ اپنی کوشش و ریاضت کے ثمرات سے بہرہ اندوز ہوگا اور جو اپنی کوشش سے ہاتھ اٹھا لے گا وہ اپنی سستی و کوتاہی کے نتائج سے دو چار ہوگا۔ چنانچہ قدرت کا ارشاد ہے:

''وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى''

انسان کو وہی حاصل ہوتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔

حصول رزق کے لئے جدوجہد کا قرآن سے دقیق استدلال

مفتی صاحبؒ رزق حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کے لئے حضرت مریم علیہا السلام کے بارے میں آیت سے بہت ہی دقیق اور خوبصورت استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''نظامِ قدرت اسی پر قائم ہے کہ ''بوؤ اور کاٹو'' اور بوئے بغیر روئیدگی کی امید رکھنا اور کئے بغیر نتائج کی آس لگانا غلط ہے۔ اعضا و جوارح ہیں ہی اس لئے کہ انہیں بر سر عمل رکھا جائے۔ چنانچہ حضرت باری کا جناب مریم سلام اللہ علیہا سے خطاب ہے:

'' وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا۔

فَكُلِي وَاشْرَبِي وَقَرِّي عَيْنًا"

یعنی: تم خرمے کے درخت کا تنا اپنی طرف ہلاؤ، تم پر پکے ہوئے خرمے گریں گے، انہیں کھاؤ اور (چشمے کا پانی) پیو اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرو۔

قدرت نے حضرت مریم سلام اللہ علیہا کیلئے کھانے پینے کا سامان مہیا کر دیا، لیکن ایسا نہیں کیا کہ خرموں کو درخت سے اتار کر ان کی جھولی میں ڈال دیا ہو، کیونکہ جہاں تک رزق کے پیدا کرنے کا تعلق ہے وہ اسی کا کام ہے، اس لئے درخت کو سرسبز و شاداب کیا، اس میں پھل لگائے اور پھلوں کو پختہ کر دیا۔ لیکن جب انہیں اتارنے کی نوبت آتی ہے تو قدرت دخل نہیں دیتی۔ صرف حضرت مریم سلام اللہ علیہا کو ان کا کام یاد دلایا جاتا ہے کہ وہ اپنے ہاتھ کو ہلائیں اور اپنے رزق کو حاصل کریں۔

رزق کے حلال و حرام ہونے کا مفہوم

اسی مطلب سے مفتی صاحبؒ رزق کے حلال و حرام ہونے کی ایک خوبصورت دلیل ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اگر اس کی رازقیت کے یہی معنی ہیں کہ ''جو دیتا ہے وہی دیتا ہے اور جو ملتا ہے اسی کی طرف سے ملتا ہے'' تو پھر انسان جو کچھ بھی کھائے کمائے گا اور جس طرح بھی حاصل کرے گا، وہ اس کیلئے حلال ہی ہوگا۔ خواہ چوری سے حاصل ہو یا رشوت سے، ظلم سے حاصل ہو یا غصب سے۔ کیونکہ یہ اللہ کا فعل اور اس کا دیا ہوا رزق ہوگا جس میں انسان کے اختیار کا کچھ دخل نہ ہوگا اور جہاں کوئی چیز اختیار کے حدود سے باہر ہو اس کیلئے حلال و حرام کا سوال پیدا نہیں ہوتا اور نہ اس سے کسی قسم کی باز پرس ہوتی ہے، اور جب ایسا نہیں بلکہ اس سے حلال و حرام کا تعلق ہوتا ہے تو پھر اسے انسانی اعمال سے متعلق ہونا چاہئے تا کہ اس سے پوچھا جا سکے کہ اس نے حلال طریقہ سے حاصل کیا ہے یا حرام طریقہ سے۔

بغیر جدوجہد رزق کی مثال

البتہ جہاں اس نے اکتساب رزق کی قوتیں ہی نہیں دیں وہاں رزق رسانی کا ذمہ خود لیا ہے۔ چنانچہ شکم مادر میں جنین کیلئے غذا کے پہنچانے کا سروسامان کیا جو اس کی ضرورت اور احتیاج کے مطابق اسے ملتا رہتا ہے، لیکن جب یہی بچہ کارگاہ ہستی میں قدم رکھتا ہے اور ہاتھ پیر ہلانے کی سکت اس میں آ جاتی ہے تو پھر منہ ہلائے بغیر اپنے سرچشمۂ رزق سے غذا حاصل نہیں کر سکتا۔

رزق کی پیداوار اور تقسیم میں الٰہی تدبیر و تقدیر

نہج البلاغہ کے خطبہ اشباح ہی میں امام علیہ السلام نے فرمایا ہے:

وَ قَدَّرَ الْاَرْزَاقَ فَكَثَّرَهَا وَ قَلَّلَهَا، وَ قَسَّمَهَا عَلَى الضِّيْقِ وَ السَّعَةِ فَعَدَلَ فِيْهَا لِيَبْتَلِيَ مَنْ اَرَادَ بِمَيْسُوْرِهَا وَ مَعْسُوْرِهَا، وَ لِيَخْتَبِرَ بِذٰلِكَ الشُّكْرَ وَ الصَّبْرَ مِنْ غَنِيِّهَا وَ فَقِيْرِهَا، ثُمَّ قَرَنَ بِسَعَتِهَا عَقَابِيْلَ فَاقَتِهَا، وَ بِسَلَامَتِهَا طَوَارِقَ اٰفَاتِهَا، وَ بِفُرَجِ اَفْرَاحِهَا غُصَصَ اَتْرَاحِهَا۔

اس نے روزیاں مقرر کر رکھی ہیں، (کسی کیلئے) زیادہ اور (کسی کیلئے) کم اور اس کی تقسیم میں کہیں تنگی رکھی ہے اور کہیں فراخی اور یہ بالکل عدل کے مطابق تھا۔ اس طرح کہ اس نے جس جس صورت سے چاہا امتحان لیا ہے۔ رزق کی آسانی یا دشواری کے ساتھ اور مال دار اور فقیر کے شکر اور صبر کو جانچا ہے۔ پھر اس نے رزق کی فراخیوں کے ساتھ فقر و فاقہ کے خطرے اور اس کی سلامتیوں میں نت نئی آفتوں کے دغدغے اور فراخی و وسعت کی شادمانیوں کے ساتھ غم و غصہ کے گلوگیر پھندے بھی لگا رکھے ہیں۔

علامہ مفتی جعفر حسینؒ خطبہ اشباح میں امیر المؤمنین علیہ السلام کے اس فرمان کے ذیل میں لکھتے ہیں:

''کائناتِ ہستی کے نظم و نسق میں جس طرح نتائج کے ترتّب کو انسانی کارگزاریوں سے وابستہ کیا ہے جس سے قوت عمل باطل نہیں ہوتی، اسی طرح ان مساعی کی کامیابی و ناکامی کو اپنی مشیت کا پابند بھی بنایا ہے تا کہ انسان اپنی طاقتِ عمل پر بھروسا کر کے خالق کو نہ بھول جائے۔ یہی ''جبر و تفویض'' کے درمیان ''امر بین الامرین'' کا نقطہ ہے۔ چنانچہ جس طرح تمام کائنات میں قدرت کا ہمہ گیر اور محکم قانون کام کر رہا ہے، اسی طرح رزق کی پیداوار اور اس کی تقسیم بھی تدبیر و تقدیر دونوں کی کارفرمائی کے ساتھ اس کے ٹھہرائے ہوئے اندازے کے مطابق ہوتی ہے جو انسانی نتائج عمل کے تناسب اور پھر اس کی حکمت و مصلحت کی

کارفرمائی کی وجہ سے کہیں کم ہے اور کہیں زیادہ۔ اب چونکہ سامان معیشت کا وہی خالق و موجد ہے اور اکتسابِ رزق کی قوتیں اس کی بخشی ہوئی ہیں، اس

لئے رزق کی کمی وبیشی کی نسبت اسی کی طرف دی گئی ہے کہ اس نے سعی وعمل کے اختلاف اور مصالح عباد کے پیش نظر رزق کے الگ الگ معیار اور مختلف پیمانے مقرر کئے ہیں۔ کہیں افلاس ہے اور کہیں خوش حالی، کہیں تکلیف ہے اور کہیں راحت، کوئی مسرت واطمینان کے گہوارے میں جھول رہا ہے اور کوئی فقر وناداری کی سختیاں جھیل رہا ہے۔ چنانچہ قرآنِ کریم میں ہے:

" یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَیَقۡدِرُ ؕ اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ "، یعنی؛ اللہ جس کیلئے چاہتا ہے روزی فراخ کر دیتا ہے اور جس کیلئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے، بیشک وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

امیر المومنین علیہ السلام نے خطبہ ۲۳ میں اسی مطلب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"اَمَّا بَعۡدُ! فَاِنَّ الۡاَمۡرَ یَنۡزِلُ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الۡاَرۡضِ کَقَطَرَاتِ الۡمَطَرِ اِلٰی کُلِّ نَفۡسٍ بِمَا قُسِمَ لَھَا مِنۡ زِیَادَۃٍ اَوۡ نُقۡصَانٍ"۔ یعنی؛ ہر شخص کے مقسوم میں جو کم یا زیادہ ہے اسے لے کر فرمانِ قضا آسمان سے زمین پر اس طرح اترتے ہیں جس طرح بارش کے قطرے۔

چنانچہ جس طرح بارش کے فیضان کا ایک نظم وانضباط ہے کہ سطح سمندر سے بخارات اٹھیں اور پانی کے ذخیرے اٹھائے ہوئے فضا میں گھنگور گھٹا کی صورت میں پھیل جائیں اور قطرہ قطرہ کر کے اس طرح ٹپکیں کہ قطروں کے تار بندھ جائیں اور میدانی زمینوں اور بلند ٹیلوں کی رگوں اور نسوں کو سیراب کرتے ہوئے آگے بڑھ جائیں اور جہاں نشیب ہو پانی کے خزانے جمع کرتے رہیں تاکہ پیاسے آکر پئیں، جانور سیراب ہوں اور سوکھی زمینوں کی اس سے آبیاری ہو، یونہی اللہ سبحانہ نے زندگی ومعیشت کے تمام سروسامان مہیا کر رکھے ہیں، لیکن اس کی بخشش کا ایک مقررہ اندازہ ہے جس میں ذرہ برابر فرق نہیں پڑتا چنانچہ ارشاد قدرت ہے:

"وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا عِنۡدَنَا خَزَآئِنُہٗ ۫ وَمَا نُنَزِّلُہٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعۡلُوۡمٍ "۔ یعنی؛ کوئی چیز ایسی نہیں جس کے (بھرپور) خزانے ہمارے پاس موجود نہ ہوں، لیکن ہم ہر چیز کو مقررہ پیمانے پر بھیجتے ہیں۔

رزق کی کمی وفراوانی کا فلسفہ

اگر انسان کی بڑھتی ہوئی طمع وحرص کے پیمانے چھلکنے لگیں تو جس طرح بارش کی فراوانی، روئیدگی اور شادابی کے بجائے فصلیں تباہ کر دیتی ہے، یونہی سامانِ معیشت وضروریاتِ زندگی کی کثرت، انسان کو اللہ سے بے نیاز اور بغاوت وسرکشی پر آمادہ کر دے۔ چنانچہ اللہ سبحانہ فرماتا ہے: " وَلَوۡ بَسَطَ اللّٰہُ الرِّزۡقَ لِعِبَادِہٖ لَبَغَوۡا فِی الۡاَرۡضِ وَلٰکِنۡ یُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا یَشَآءُ ؕ اِنَّہٗ بِعِبَادِہٖ خَبِیۡرٌۢ بَصِیۡرٌ "۔

اگر خدا اپنے بندوں کی روزی میں فراخی کر دے تو وہ زمین میں سرکشی کرنے لگیں۔ وہ تو ایک اندازے پر جس کیلئے جتنا چاہتا ہے بھیجتا ہے اور وہ اپنے بندوں (کی مصلحتوں) سے واقف اور ان پر نظر رکھتا ہے۔

اور اگر رزق میں کمی کر دے تو جس طرح بارش کا رک جانا زمین کو بنجر اور چوپاؤں کو ہلاک کر دیتا ہے، یونہی ذرائع رزق کی بندش سے انسانی معاشرہ تباہ وبرباد ہو کر رہ جائے اور زندگی ومعیشت کا کوئی سروسامان باقی نہ رہے۔

چنانچہ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:

" اَمَّنۡ ہٰذَا الَّذِیۡ یَرۡزُقُکُمۡ اِنۡ اَمۡسَکَ رِزۡقَہٗ "۔ یعنی؛ اگر خدا اپنی روزی کو روک لے تو کون ایسا ہے جو تمہیں روزی دے۔

لہٰذا اس حکیم ودانا نے ایک متناسب ومعتدل طریقہ پر نظام رزق جاری کیا ہے اور رزق وروزی کی اہمیت ظاہر کرنے اور ایک کو دوسرے سے مرتبط رکھنے کیلئے رزق کی تقسیم میں تفرقے پیدا کر دیئے ہیں۔ یہ تفرقہ اور غیر مساویانہ تقسیم کبھی خود انسانی مساعی کے اختلاف کا نتیجہ ہوتی ہے اور کبھی نظام عالم کے مجموعی مفاد اور اس کی حکمت ومصلحت کی کارفرمائی کی بنا پر ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اگر فقر واحتیاج میں نادار کے صبر واستقلال کا امتحان لیا ہے تو ثروت ودولت میں دولتمند کے شکر اور ادائیگی حقوق کی کڑی آزمائش ہے کہ وہ فقراء ومساکین کے حقوق ادا کرتا ہے یا نہیں، ناداروں اور فاقہ کشوں کی خبر لیتا ہے یا نہیں۔ اور پھر جہاں دولت ہوگی، طرح طرح کے خطرات بھی پیدا ہوں گے، کبھی مال وجائیداد کیلئے خطرہ ہوگا، کبھی فقر وافلاس کا کھٹکا ہوگا۔ چنانچہ بہت سے لوگ ایسے ہوں گے کہ جو دولت کے نہ ہونے کی وجہ سے اپنے کو زیادہ مطمئن اور خوش پاتے ہوں گے۔ ان کے نزدیک یہ بے سروسامانی اور بے مائیگی اس دولت سے کہیں زیادہ بہتر ہوگی جو ان کے آرام واطمینان کو چھین لے اور کبھی یہی دولت جسے انسان جان سے زیادہ عزیز سمجھتا ہے اس کی جان جانے کا سبب بن جاتی ہے۔ پھر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جب تک دولت نہ تھی، اخلاق محفوظ تھے، سیرت بے داغ

تھی اور ادھر مال و دولت کی فراوانی ہوئی کہ اخلاق تباہ ہو گئے، کردار بگڑ گیا۔ اب شراب کا دور بھی ہے، مہوشوں کا جمگھٹا بھی ہے، نغمہ و سرود کی بزم بھی ہے۔ اس صورت میں دولت کا نہ ہونا ہی ایک نعمت تھا، لیکن انسان اللہ کی مصلحت سے بے خبر ہونے کی وجہ سے چیخ اٹھتا ہے اور وقتی تکلیف سے متاثر ہو کر شکوہ شکایت پر اتر آتا ہے اور یہ نہیں دیکھتا کہ کتنی برائیوں سے اس کا دامن بچا رہا ہے کہ جو دولت کے ہونے کی وجہ سے پیدا ہو سکتی تھیں، لہٰذا دولت اگر راحت کی کفیل ہے تو فقر اخلاق کا نگہبان ہے۔

رزق کی تنگی کے وقت امام زین العابدینؑ کی دعا

یہ صحیفہ سجادیہ کی ۲۹ ویں دعا ہے۔ رزق کی تنگی کے وقت پڑھی جانے والی اس دعا میں امام سجاد علیہ السلام بارگاہ الٰہی میں اس طرح التجا کرتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ ابْتَلَيْتَنَا فِيْ اَرْزَاقِنَا بِسُوْٓءِ الظَّنِّ، وَ فِيْ اٰجَالِنَا بِطُوْلِ الْاَمَلِ، حَتّٰى الْتَمَسْنَا اَرْزَاقَكَ مِنْ عِنْدِ الْمَرْزُوْقِيْنَ، وَ طَمِعْنَا بِاٰمَالِنَا فِيْٓ اَعْمَارِ الْمُعَمَّرِيْنَ۔۔۔الخ

اے اللہ! تو نے رزق کے بارے میں بے یقینی سے اور زندگی کے بارے میں طول عمل سے ہماری آزمائش کی ہے، یہاں تک کہ ہم ان سے رزق طلب کرنے لگے جو تجھ سے رزق پانے والے ہیں، اور عمر رسیدہ لوگوں کی عمریں دیکھ کر ہم بھی درازی عمر کی آرزوئیں کرنے لگے۔

اے اللہ! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور ہمیں ایسا پختہ یقین عطا کر جس کے ذریعہ تو ہمیں طلب و جستجو کی زحمت سے بچالے، اور خالص اطمینانی کیفیت ہمارے دلوں میں پیدا کر دے جو ہمیں رنج و سختی سے چھڑا لے، اور وحی کے ذریعہ جو واضح اور صاف وعدہ تو نے فرمایا ہے اور اپنی کتاب میں اس کے ساتھ ساتھ قسم بھی کھائی ہے، اسے اس روزی کے اہتمام سے جس کا تو ضامن ہے، سبکدوشی کا سبب قرار دے، اور جس روزی کا ذمہ تو نے لیا ہے اس کی مشغولیتوں سے علیحدگی کا وسیلہ بنا دے، چنانچہ تو نے فرمایا ہے اور تیرا قول حق اور بہت سچا ہے، اور تو نے قسم کھائی ہے اور تیری قسم سچی اور پوری ہونے والی ہے کہ: "تمہاری روزی اور وہ کہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے آسمان میں ہے"، پھر تیرا ارشاد ہے: "زمین و آسمان کے مالک کی قسم! یہ امر یقینی و قطعی ہے جیسے یہ کہ تم بول رہے ہو"۔

ہر حال میں ہمارا رازق اللہ تعالیٰ ہے

اس دعا کے ذیل میں علامہ مفتی جعفر حسینؒ لکھتے ہیں: "وہ رازق و مربی جو شکم مادر اور زمانہ طفولیت میں جبکہ نہ ہاتھ پاؤں میں سکت ہوتی ہے نہ اکتسابِ رزق پر قدرت، نہ کاروکسب کا شعور ہوتا ہے نہ ذرائع معیشت پر اطلاع، محبت و شفقت کے سایہ میں بقائے زندگی کے تمام سروسامان مہیا کرتا ہے تو وہ زندگی کے دوسرے ادوار میں کیونکر غفلت کرے گا؟ جبکہ وہی سب کا خالق اور سب کا روزی رساں ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

"يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ"

اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں تمہیں بخشی ہیں انہیں یاد کرو، کیا اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور بھی خالق ہے جس نے تمہارے لئے آسمان و زمین مہیّا کیا ہے۔

خاصان خدا پر تنگی رزق کا فلسفہ

مفتی جعفر حسینؒ بعض اوقات بندوں پر رزق اور معیشت کی تنگی کے بارے میں لکھتے ہیں:

لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت و مصلحت کبھی اس کی مقتضی ہوتی ہے کہ وہ اپنے خاص بندوں کو تنگیٔ معیشت میں مبتلا کرے۔ چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق وارد ہوا ہے کہ: "كَانَ يَرْبُطُ حَجَرًا عَلٰى بَطْنِهٖ مِنَ الْجُوْعِ": "گرسنگی کی وجہ سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تھے" اور فرمایا کرتے تھے کہ: "مجھے یہی پسند ہے کہ ایک دن سیر ہوں اور ایک دن بھوکا رہوں"۔

اسی طرح حضرت ایوب علیہ السلام تنگیٔ معیشت میں مبتلا ہوئے، حالانکہ وہ اپنے زمانہ میں بڑے مالدار شمار ہوتے تھے۔ زمین تھی، باغات تھے، بار برداری کیلئے تین ہزار اونٹ، پانچ سو گدھے اور کھیتی باڑی کیلئے ایک ہزار بیل۔ اس کے علاوہ سات ہزار بھیڑیں اور خدمت و نگہداشت کیلئے چار سو نوکر تھے کہ اچانک حالات بدل جاتے ہیں، دولت جاتی رہتی ہے، مویشی لوٹ لئے جاتے ہیں، اولاد بھی ایک ایک کر کے ختم ہو جاتی ہے، بیماری کی وجہ سے نقل و حرکت سے مجبور ہو جاتے ہیں اور زبان سے یہ فریاد نکلتی ہے کہ: "اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ"۔

(پالنے والے!) میں دکھیا ہوں اور تو سب رحیموں سے زیادہ رحیم ہے۔

یونہی حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے انبیاء علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام پر معاشی لحاظ سے آزمائشی دور آئے، مگر اس تنگی و عسرت میں اگر مانگا تو اللہ تعالیٰ سے اور

دوسرے کے آگے ہاتھ نہ پھیلایا۔ اس ابتلاء وتنگیٔ معیشت سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے صبر وشکیب پر انہیں زیادہ سے زیادہ اجر وثواب دے اور وہ اللہ تعالیٰ سے لَو لگا کر اس سے تضرع وزاری کرتے رہیں۔

چنانچہ امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے: إِنَّ اللهَ لَيَبْتَلِي الْعَبْدَ وَهُوَ يُحِبُّهُ لِيَسْمَعَ تَضَرُّعَهُ.

خدا اپنے بندے کو دوست رکھنے کے باوجود مبتلا کرتا ہے، تا کہ اس کے تضرع وزاری کی آوازیں سنے۔

تنگی معیشت میں خاصان خدا اور عام لوگوں کی سوچ

عام انسانوں کی نگاہیں ایسے موقع پر اسباب و وسائل پر ہوتی ہیں، لیکن خاصان خدا اپنے علم ویقین کی روشنی میں یہ سمجھتے ہیں کہ اگر چہ اس نے رزق کو اسباب سے وابستہ کیا ہے، لیکن وہ جب چاہے ان اسباب کو بے نتیجہ بھی بنا دے سکتا ہے۔ اس لئے محض اسباب پر بھروسا نہیں کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ایک شخص تجارت کو وسیلہ قرار دیتا ہے، مگر نفع کے بجائے نقصان ہوتا ہے اور یہی وسیلہ اصل سرمایہ کو بھی لے ڈوبتا ہے اور دوسرا زراعت کے ذریعہ روزی حاصل کرنا چاہتا ہے تو کھڑی کھیتی کو برق وژالہ باری تباہ کر دیتی ہے اور کبھی کھلیان کو آگ لگ جاتی ہے اور کئے کرائے پر پانی پھر جاتا ہے۔ اگر یہ اسباب ووسائل ہی کافی ہوتے تو گھر میں تالا لگانے اور دربان چھوڑنے کے بعد چوری نہ ہوتی اور دشمن کے مقابلہ میں ہتھیار مہیّا کرنے کے بعد اس پر کامیابی یقینی ہوتی۔ حالانکہ اکثر ایسا ہوتا رہتا ہے کہ تالا ٹوٹ جاتا ہے اور گھر کا اثاثہ لُٹ جاتا ہے اور ہتھیار کے ہوتے ہوئے دشمن سے شکست ہو جاتی ہے۔ یہ اس لئے کہ ایک قوت ان کو بے نتیجہ بنانے والی ہے۔ تو جن اسباب ووسائل کی باگ دوڑ دوسرے کے ہاتھ میں ہو ان پر اعتماد کیونکر کیا جا سکتا ہے۔ یہ تو اسی وقت نتیجہ خیز ثابت ہو سکتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کی مشیت بھی کارفرما ہو۔ لہٰذا اصل کارسازی اسی کی ہوگی جو ان اسباب کے نتیجہ خیز بنانے کی قدرت رکھتا ہے۔

اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ جب وہی کارساز ورزق رساں ہے تو پھر حرکت و عمل اور اسباب مہیا کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ کیونکہ یہ دنیا عالمِ اسباب ہے اور اسباب سے کلیۃً الگ نہیں رہا جا سکتا۔ اور یہ یقین رکھنا کہ یہ اسباب بھی اسی کے پیدا کردہ ہیں اور اسی نے قوائے عمل دیئے ہیں عین توکل ہے۔ اگر انسان ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جائے تو یہ قوائے عمل ایسی نعمت کی ناشکری ہے جو ہمہ گیر ہونے کی صورت میں نظم عالم کی تباہی کا باعث ہے۔ اس دُعا کا مقصد یہ نہیں ہے کہ اسباب سے قطع نظر کر لی جائے بلکہ مقصد یہ ہے کہ ان اسباب پر اعتماد کے بجائے خالق اسباب پر اعتماد رکھا جائے اور ان قوائے عمل کو صرف حصولِ رزق کیلئے وقف نہ کر دیا جائے، بلکہ ان سے اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت کا بھی کام لیا جائے کہ یہی زندگی کا مقصود اصلی ہے۔

حوالہ جات:

۔سورۂ ہود، آیت ۶
۔سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۲۰۔
۔سورۂ ملک، آیت ۱۵۔
۔سورہ نجم، آیت ۳۹
۔سورہ مریم، آیت ۲۵،۲۶
۔نہج البلاغہ، ترجمہ وحواشی مولانا مفتی جعفر حسینؒ، خطبہ اشباح ص ۲۸۶ ؛مرکز افکار اسلامی، اشاعت دوم (مارچ ۲۰۲۰ء)
۔نہج البلاغہ، ترجمہ وحواشی مولانا مفتی جعفر حسینؒ، خطبہ اشباح (۸۹)، ص ۲۹۸، مرکز افکار اسلامی، اشاعت دوم (مارچ ۲۰۲۰ء)
۔سورۂ شوریٰ، آیت ۱۲
۔سورہ حجر، آیت ۲۱
۔سورہ شوریٰ، آیت ۲۷
۔سورہ ملک، آیت ۲۱
۔سورۂ بنی فاطر، آیت ۳
۔شرح الکافی (اصول والروضۃ)، ملا صالح مازندرانی، ج ۸، ص ۳۵۶
۔سورۂ انبیاء، آیت ۸۳
۔ریاض السالکین، ج ۴، ص ۳۱۶
۔ترجمہ وشرح صحیفہ کاملہ، مفتی جعفر حسین، ص ۲۵۶، امامیہ پبلیکیشنز لاہور، اشاعت ۱۹۹۸ء

☆☆☆☆☆

تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے بانی قائد علامہ مفتی جعفر حسین رحمۃ اللہ علیہ سے روزنامہ جنگ لاہور کے معروف صحافی ارشاد احمد حقانی نے گوجرانوالہ میں مفتی صاحب کی رہائش گاہ پر ایک خصوصی انٹرویو کیا۔ حرف راز کے نام سے کالم لکھنے والے ارشاد حقانی خود بھی اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔ مرحوم قائد کے اس انٹرویو کو تحریک کی آئندہ جدوجہد اور اس وقت کے حالات کے تناظر میں بہت بنیادی اہمیت رہی ہے۔ اور اسے حوالے کے طور پر استعمال بھی کیا جاتا ہے، کیونکہ اس انٹرویو میں قائد ملت جعفریہ پاکستان کی ملکی معاملات پر گہری نظر، سیاسی جمہوری فکر، مارشل لا کی مخالفت، 1973 کے آئین کو ملکی مسائل کا حل قرار دینا اور اس کی بحالی کا مطالبہ اور اس وقت کی افسوسناک فرقہ وارانہ سوچ کے مقابلے میں شیعہ نقطہ نظر کا اظہار کیا گیا تھا۔ انہوں نے ایم آر ڈی (Movement for Restoration of Democracy) کی حکومت مخالف تحریک کی بھی حمایت کا اعادہ

73 کا آئین بحال رکھا جائے اس کی موجودگی میں کسی نئے ڈھانچے کی ضرورت نہیں حکومت زکوٰۃ وعشر لینے کے مجاز نہیں، اس مسئلہ پر کوئی افہام و تفہیم نہیں ہوسکتی

اسلام میں مارشل لا کی کوئی گنجائش نہیں، معاہدہ اسلام آباد کی مکمل پابندی نہیں کی گئی، شیعہ سنی اختلافات طبعی ہیں ان کو ختم نہیں کیا جاسکتا راؤ رشید کو بحالی جمہوریت کے تعاون کا یقین دلایا تھا، حکومت کا جھکاؤ امریکا کی طرف اور خود بھی اس سے انکار نہیں کرتی، تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے قائد مفتی جعفر حسین سے خصوصی انٹرویو:

ملاقات: ارشاد احمد حقانی

گوجرانوالہ (جنگ رپورٹ) تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے قائد مفتی جعفر حسین نے کہا ہے کہ ایم آر ڈی پنجاب کے لیڈر راؤ عبدالرشید کی ملاقات ہوئی تھی اور انہوں نے جمہوریت کے لیے اپنے تعاون اور امداد کا یقین دلایا تھا۔

مفتی جعفر حسین کا قبلہ کا روزنامہ جنگ کو تفصیلی تاریخی انٹرویو

73 کا آئین بحال رکھا جائے اس کی موجودگی میں کسی نئے ڈھانچے کی ضرورت نہیں۔ حکومت زکوٰۃ وعشر لینے کے مجاز نہیں، اس مسئلہ پر کوئی افہام و تفہیم نہیں ہوسکتی۔

اور ملک میں جمہوریت کی بحالی کا مطالبہ بھی کیا۔ انہوں نے جن خیالات کا اظہار کیا۔ وہ ہم اس وقت قارئین کی نذر کرتے ہیں:

اخباری ہیڈ لائنز کچھ یوں تھیں:

اسلامائزیشن کے خاطر خواہ نتائج برآمد نہیں ہوئے، حکومت کا رویہ جانبدارانہ اور ہمیں اس سے جتنی شکایت ہیں پہلے کسی حکومت سے نہیں تھیں۔

گوجرانوالہ میں اپنے مکان پر جنگ سے خصوصی ملاقات میں انہوں نے کہا کہ مسٹر بابر نے جو بیان دیا ہے میں اس کی تردید کرتا ہوں۔ انہوں نے یہ بیان دے کر زیادتی کی ہے۔ ایک سوال کے جواب میں کہ آیا راؤ عبدالرشید سے آپ کی گفتگو ایم آر ڈی کے حوالے سے ہوئی مفتی جعفر حسین نے کہا کہ خاص ایم آر ڈی کے حوالے سے تو نہیں ہوئی تھی لیکن جمہوریت کی بحالی اور مارشل لا کے خاتمے کے حوالے سے ہوئی تھی اور میں

نے کہا کہ ہم ہر اس جماعت کی حمایت کریں گے جو ملک میں جمہوریت کی بحالی کے لیے کام کرے۔ میں نے انہیں یہ بھی بتایا تھا کہ شیعہ فرقہ کی طرف

سے 14 اگست میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی۔ ایک اور سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ جمہوریت کی بحالی کے لیے کی جانے والی ہر جدوجہد کو ہماری حمایت حاصل ہے۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ شیعہ کانفرنس کے صدر کی اس تجویز کے بارے میں ان کی کیا رائے ہے کہ زکوٰۃ اور عشر کے سوال پر پوری افہام وتفہیم میں ایسے اختلافات موجود ہیں جن کا کوئی حل موجود نہیں (تو انہوں نے کہا کہ) ہمارے ہاں زکوٰۃ چند مخصوص چیزوں پر عائد ہوتی ہے جبکہ دوسری فقہ میں ایسا نہیں ہے۔ زکوٰۃ کی تقسیم کے طریقہ کار پر بھی ہمیں اختلاف ہے۔ ہمیں یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ حکومت کو زکوٰۃ دینا جائز ہے بھی یا نہیں۔ ہم حکومت کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں سمجھتے۔ ان سے سوال کیا گیا کہ آپ موجودہ حکومت کو زکوٰۃ دینا درست نہیں سمجھتے یا علی الاطلاق آپ کسی بھی حکومت کو اس کا حقدار نہیں ٹھہراتے۔ مفتی صاحب نے کہا ہم کسی بھی حکومت کو زکوٰۃ لینے کا مجاز نہیں سمجھتے جو شیعہ نہ ہو اور عادل نہ ہو۔ اس لئے ہم موجودہ حکومت کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔ ہمیں اور بھی اعتراضات ہیں۔

ہمارے اور اہل سنت کے ہاں اصول یہ ہے کہ زکوٰۃ مال ظاہرہ پر لی جاسکتی ہے۔ اموال باطنہ پر نہیں۔ روپیہ چونکہ اموال باطنہ میں شامل ہے۔ لہذا حکومت کو حق نہیں پہنچتا کہ اس پر زکوٰۃ لے۔ اس طرح بینکوں میں جمع رقم پر زکوٰۃ کاٹی جاتی ہے، جس پر سود دیا جاتا ہے اور اس کے برعکس اس سے نہیں کاٹی جاتی، جس پر سود نہیں دیا جاتا یعنی کرنٹ اکاونٹ۔ یہ زکوٰۃ درحقیقت سود میں سے کاٹی جاتی ہے۔ جس پر ہمیں اعتراض ہے۔ تقسیم کا طریقہ کار بھی قابل اطمینان نہیں۔ ہم آئے دن اخبارات میں پڑھتے رہتے ہیں کہ بعض مقامات پر چیئرمین اور دیگر ارکان بددیانتی کرتے ہیں۔ اور بھی بہت سے پہلو غیر اطمینان بخش ہیں۔ اس لئے ہم زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔ ہماری فقہ میں شیعہ کی زکوٰۃ صرف شیعہ ہی کو دی جاسکتی ہے۔ زکوٰۃ سادات کو بھی نہیں دی جاسکتی۔

عشر کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے مفتی جعفر حسین نے کہا کہ حکومت سرکاری زمین پر عشر لے سکتی ہے۔ نجی ملکیت کی زمین پر حکومت کو لینے کا کوئی حق نہیں۔ جب ان سے کہا گیا کہ عشر زرعی پیداوار کی زکوٰۃ ہے اور وہ نجی ملکیت سے بھی لی جاسکتی ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے ہاں ہر پیداوار پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ گیہوں، خرما اور انگور پر زکوٰۃ ہے۔ سوال کیا گیا کہ شیعہ حکومت نجی ملکیت کی زمین پر عشر لینے کی مجاز ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ نہیں اور ایران میں موجودہ حکومت زکوٰۃ یا عشر نہیں لے رہی۔ صرف ایران کی بات نہیں سعودی عرب میں بھی حکومت زکوٰۃ یا عشر نہیں لیتی۔ لوگ خود دیتے ہیں۔ اس مرحلے پر مفتی صاحب سے یہ دو ٹوک سوال کیا گیا کہ کیا آپ کی رائے میں اسلامی حکومت زکوٰۃ وعشر وصول کرنے کی مجاز ہے یا نہیں؟ مفتی صاحب نے جواب دیا جی نہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ اگر حکومت عادل نہیں ہے تو اسے کیا حق پہنچتا ہے۔ اس کے لیے حکومت کا عادل ہونا ضروری ہے۔ سوال کیا گیا ایران میں حکومت عادل ہے۔ آپ کے بقول وہاں بھی نہیں لے رہے تو مفتی صاحب نے کہا کہ نہیں لے رہے۔ وہاں انقلاب سے پہلے انفرادی ادائیگی کا جو نظام تھا وہ قائم ہے۔

مفتی صاحب سے پوچھا گیا کہ آپ کے اور حکومت کے درمیان جو معاہدہ اسلام آباد ہوا تھا۔ اس کی پابندی کس حد تک ہوئی ہے۔ انہوں نے جواب دیا حکومت نے

بڑی حد تک اس کی پابندی نہیں کی۔ زکوٰۃ کے مسئلے پر پابندی کی لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ کہہ دیا کہ ہر سال ایک فارم داخل کرو۔ یہ ایک بڑی تکلیف دہ

بات ہے۔اس کے علاوہ حدود وتعزیرات اور عشر کا مسئلہ ہے۔ہمیں کہا گیا تھا کہ جو بھی قانون بنے گا اس میں شیعہ مسلک کا خیال رکھا جائے گا۔لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔

اسلامائزیشن کے مقاصد اور اثرات بارے ایک سوال کا جواب دیتے مفتی جعفر حسین نے کہا کہ اس کے اثرات نظر نہیں آرہے۔یہ جو کہا جارہا کہ یہ اسلام ہے،تو ہم اسے صحیح اسلام تسلیم نہیں کرتے۔ہم ان کی طرف سے عائد کردہ زکوٰۃ کو صحیح اسلامی ٹیکس کہنے کو تیار نہیں۔ہمیں حدود آرڈیننس پر بھی اعتراض ہے۔اس کی تجویز کردہ سزاوں پر اور طریق کار پر۔مسجد سے ایک گھڑی چرانے پر اس کا ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ ہوا ہے۔حالانکہ اہل سنت اور شیعہ کے ہاں اس چوری پر سزا دی جاتی ہے جو چار دیواری کے اندر ہو۔مسجد یا گذرگاہ سے چوری کرنے والے کو ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دی جاسکتی۔اسی طرح بدکاری کے الزام میں ایک شخص کی گواہی پر سنگساری کی سزا سنادی گئی ہے۔ہم اسے اسلامی سزا نہیں کہہ سکتے۔

ایک اور سوال کے جواب میں مفتی جعفر حسین نے کہا کہ اسلام میں مارشل لا کی کوئی گنجائش نہیں اور جو حکومت اسلامی نہیں، اس کے اقدامات کس طرح اسلامی ہوسکتے ہیں؟ کراچی کے واقعات کے بارے میں شیعہ رہنما نے کہا حکومت وہاں مناسب احتیاطی تدابیر اختیار نہیں کرسکی، وہ ایسا کرتی تو کچھ نہ ہوتا۔مفتی صاحب سے پوچھا گیا کہ آیا شیعہ سنی فقہی اختلافات کا کوئی حل ہے۔جس سے نفاذ اسلام کا عمل آسان ہوجائے اور کشیدگی باقی نہ رہے۔

انہوں نے جواب دیا اختلاف طبعی چیز ہے۔یہ اختلاف کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ دوسرے کی فقہ کو تو کوئی قبول نہیں کرے گا۔اس کا حل یہ ہے کہ ہم اپنی فقہ پر عمل کریں دوسرے اپنی فقہ پر عمل کریں۔فقہ کو اس طرح آزاد چھوڑ دیا جائے۔جب ان سے پوچھا گیا کہ پبلک لا اکثریت کی فقہ کے مطابق بنانا درست نہیں تو انہوں نے کہا یہ سیاست کی باتیں ہیں۔دین کے معاملے میں اکثریت، اقلیت کوئی معنی نہیں رکھتی۔یہاں کسی کو دوسرے کی فقہ ماننے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔انہیں بتایا گیا کہ ایران میں چونکہ اکثریت شیعوں کی ہے۔اس لئے وہاں فقہ جعفریہ نافذ ہے۔مفتی صاحب نے جواب دیا بلاشبہ

وہاں فقہ جعفریہ نافذ ہے اور وہاں دوسری فقہ کے ماننے والے بھی ہیں، لیکن کسی نے مطالبہ نہیں کیا کہ ہماری فقہ بھی نافذ کی جائے۔

سکولوں میں اسلامیات کے نصاب کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ یہ الگ الگ ہونا چاہیے، شیعوں کے لئے شیعہ دینیات اور اور باقی کے لئے سنی دینیات۔اگر دونوں کو ملا کر ایک کر دیا جائے تو وہ کبھی ایک نہیں رہے گی نہ سنی رہے گی نہ شیعہ رہے گی۔کچھ بھی نہیں رہے گی ۔جب ان سے کہا گیا کہ آیا اس سے پاکستانی بچوں کے اندر شروع ہی سے فرقہ وارانہ احساسات پیدا نہیں ہوجائیں گے تو انہوں نے کہا شیعہ بچہ، شیعہ ہے اور شیعہ ہی رہے گا۔سنی بچہ، سنی ہے وہ سنی ہی رہے گا یہ کوئی بری بات نہیں۔

انہیں بتایا گیا کہ ایک تجویز یہ ہے کہ ایک متفق علیہ فقہ مرتب کرلی جائے جسے فقہ پاکستان کہا جاسکتا ہے۔اس پر آپ کی کیا رائے ہے۔اس پر مفتی صاحب نے کہا کوئی نئی فقہ مرتب نہیں کی جاسکتی اور ایسا کرنا نادانی ہوگی۔یہ بے معنی تجویز ہے۔عالم اجتہاد تو کرسکتے ہیں لیکن بالکل نئی فقہ مرتب نہیں کی جاسکتی۔

انہوں نے بتایا کہ اگرچہ صحیح اعداد و شمار نہیں ہیں لیکن ان کے خیال میں پاکستان میں شیعوں کی آبادی ایک تہائی اور ایک چوتھائی کے درمیان ہے۔ ہم نے سرکاری ملازمتوں میں آبادی کے تناسب سے بھی حصہ نہیں مانگا ۔اسلامی نظریاتی کونسل، وفاقی شرعی عدالت، شریعت فیکلٹی وغیرہ جہاں

اسلام پر کام ہوتا ہے اور قوانین کے لیے سفارش ہوتی ہے وہاں ہم اپنا حصہ مانگتے ہیں لیکن ان میں ہمیں مناسب حصہ نہیں دیا جاتا۔ انہوں نے تمام اداروں میں ہمیں رکھنے کا وعدہ کیا تھا جو پورا نہیں کیا گیا۔

ایک اور سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ جہاں تک نفاذ فقہ جعفریہ کا تعلق ہے تو شیعوں میں کوئی اختلاف نہیں، مگر بعض شیعہ حضرات کو حکومت نے ایران بھیجا تھا تاکہ زکو وغیرہ کے ضمن میں کوئی فتوی لائیں مگر انہیں ناکامی ہوئی۔ بعض ممتاز شیعہ علما کے بارے میں انہوں نے کہا کہ وہ ہمارے موقف کی مخالفت میں کوئی آواز نہیں اٹھا سکے کیونکہ شیعہ عوام ہمارے ساتھ ہیں۔ بھکر کنونشن میں تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے قیام کا مقصد بھی یہی تھا کہ شیعوں کو ان کے مسلک کے مطابق کام کرنے کی اجازت دلائی جائے۔ اگر ان پر کوئی پابندی عائد کی جائے تو اس کے خلاف آواز اٹھائی جائے۔ انہوں نے کہا کہ ملک بھر میں حکومت کے رویے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا رویہ جانبدارانہ ہے۔

ایرانی انقلاب کے بارے میں مفتی صاحب نے کہا یہ انقلاب اسلام کے نام پر آیا ہے۔ اگرچہ عرب ریاستیں اسے شیعہ انقلاب کہتی اور سمجھتی ہیں کہ یہ اسلامی انقلاب نہیں۔ انہوں نے اس الزام کو بھی غلط قرار دیا کہ ایران یا اس کے کسی اہلکار کی طرف سے پاکستان کی داخلی صورت حال میں کوئی مداخلت ہوئی ہے۔

افغان مہاجرین کے بارے میں پوچھے گئے سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ انہیں پناہ دینا تو ہمارا فرض تھا لیکن انہیں پاکستان کی سیاست میں ملوث نہیں ہونا چاہیے تھا۔ پاراچنار وغیرہ سے جو اطلاعات ملی ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ملوث رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کی حکومت کا امریکہ کی طرف جھکاو نظر آتا ہے اور حکومت بھی اس سے انکار نہیں کرتی۔

14 اگست کو صدر ضیا الحق کے مجوزہ اعلان بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ 1973 کے آئین کو قائم رہنا چاہیے اور کسی نئے ڈھانچے کی ضرورت نہیں۔ جب ایک متفق علیہ دستور موجود ہے جسے چاروں صوبوں کے نمائندوں نے بنایا ہے تو اس کی موجودگی میں کسی نئے ڈھانچے کی کیا ضرورت

ہے۔ انہوں نے کہا کہ 1956 کے آئین میں فرقہ وارانہ جذبات کے احترام کا زیادہ اہتمام تھا لیکن اب 1973 کے آئین کو قائم رکھنا چاہئے۔ ان کا کہنا تھا کہ فقہی اختلافات کو ایک حقیقت تسلیم کرتے ہوئے اتحاد و اتفاق قائم رکھنا چاہیے۔ مذہبی اختلاف کو نفرت کی بنیاد نہیں بننا چاہیے۔ یہ نہ دیکھا جائے کہ یہ شیعہ ہے یہ سنی ہے بلکہ دوسرے کی فقہ کو برداشت کیا جائے۔ تعمیری باتوں کے علاوہ معاشی و معاشرتی انصاف کی طرف توجہ دی جانی چاہیے۔ معیشت کو سود سے پاک نہیں کیا جاسکا۔ نفع ونقصان کی بنیاد پر جو کھاتے شروع کیے گئے ہیں یہ بھی کچھ نہیں ہے۔ سودی کاروبار ہی چل رہا ہے۔ اسلام نے عدل واحسان کا جو تصور دیا ہے ہمارے خیال میں اس پر کبھی عمل نہیں ہو رہا۔

مفتی صاحب نے کہا قیام پاکستان کے بعد جتنی شکایات ہمیں اس حکومت سے پیدا ہوئی ہیں اور کسی حکومت سے نہیں ہوئیں۔ اگر یہ حکومت عادل ہوتی تو ہمیں شکایت پیدا نہ ہوتی۔ مفتی صاحب نے جو علیل ہیں ایک سوال کے جواب میں بتایا کہ صدر صاحب ان کی عیادت کے لئے نہیں آئے تھے البتہ انہوں نے مزاج پرسی کروائی تھی لیکن گورنر صاحب نے بات کی تھی۔ ان کے کہنے سے ڈاکٹر مجھے دیکھنے کے لیے آتے رہے ہیں۔ واضح رہے کہ مفتی صاحب چند ماہ سے صاحب فراش ہیں اور بہت کمزور ہو چکے ہیں لیکن علالت اور پیرانہ سالی کے باوجود انہوں نے جنگ کو یہ طویل انٹرویو دیا۔

(بشکریہ روزنامہ جنگ لاہور، 10۔ جولائی 1983)

☆☆☆☆☆

علامہ مفتی جعفر حسین کی رحلت پر اخبارات کے اداریئے

روزنامہ جنگ لاہور بدھ 21 ذیقعد، 1403ء 31، اگست 1983ء

مفتی جعفر حسین کی رحلت ممتاز شیعہ عالم دین مفتی جعفر حسین گزشتہ روز طویل علالت کے بعد انتقال کر گئے اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم ایک عرصہ سے صاحب فراش تھے۔ گزشتہ علاج کے لیے لندن تشریف لے گئے تھے جہاں ڈاکٹروں کی تشخیص کے کے مطابق پھیپڑوں

کا سرطان تھا اور ڈاکٹروں نے علاج سے معذوری ظاہر کی۔ مرحوم مفتی جعفر حسین کا شمار ملک کے ممتاز علماء کرام میں ہوتا تھا۔ انہوں نے تبلیغ واشاعت دین کے ساتھ ساتھ تحریک پاکستان میں بھی سرگرم حصہ لیا۔ ان کے کردار کا یہ پہلو بطور خاص یاد رکھا جائے گا کہ وہ مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر کے درمیان افہام وتفہیم اور اتحاد واتفاق کے جذبے سے سرشار تھے۔ 1948 میں انہیں اسلامی تعلیمات بورڈ کا رکن نامزد کیا گیا۔ اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے ملک کے جید علمائے کرام نے کراچی میں جمع ہو کر جو 22 نکاتی پروگرام تیار کیا تھا مفتی جعفر حسین نے اس پروگرام کی ترتیب وتشکیل میں بھی نمایاں حصہ لیا وہ ایک عرصے تک اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن رہے لیکن کونسل کی کارکردگی پر عدم اطمینان کے بعد مستعفی ہو گئے۔ انہیں 16, اپریل 1979ء کو بھکر میں ایک عظیم قائد منتخب کیا گیا تھا۔ مرحوم نے سیدنا علی کرم اللہ وجہ کے خطبات نہج البلاغہ کے ترجمہ کیا جو ان کی علمی قابلیت کا مظہر ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے شیعہ مسلک کے لیے زبردست خدمات انجام دیں۔ مرحوم کے پس ماندگان میں ایک صاحبزادی اور بیوہ چھوڑی ہے۔ اللہ تعالی انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان صبر جمیل عطا فرمائے امین۔

روزنامہ جنگ کراچی بدھ 21 ذیقعد 1403 ہجری 31 اگست 1983ء مفتی جعفر حسین پاکستان کے ممتاز عالم دین مفتی جعفر حسین انتقال کر گئے۔

اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مفتی صاحب کا شمار پاکستان کے ان اکابرین میں کیا جاتا تھا جنہوں نے ملت اسلامیہ کی اتحاد کے لیے انتھک ت جدوجہد کی تھی اور اسی بناء پر پاکستان تمام مکاتب فکر کے افراد کو ان کی رحلت سے صدمہ پہنچا ہے۔ صدر پاکستان نے بھی ان کی رحلت پر اپنے گہرے رنج وغم کا اظہار کیا ہے اور ان کی نماز جنازہ میں پنجاب کے گورنر بھی بنفس نفیس شریک تھے۔ ان باتوں سے ارباب وطن کی نگاہ میں مفتی صاحب کی قدر ومنزلت اور عزت اور احترام کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالی مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ مفتی جعفر حسین کی وجہ سے یقینی طور پر جو خلا پیدا ہوا ہے وہ تادیر پورا نہیں ہوگا اور اہل وطن کو مدتوں ان جدائی محسوس ہوتی رہے گی۔

روزنامہ حریت کراچی 31 اگست 1983ء

مفتی جعفر حسین- اتحاد امہ کے داعی

ممتاز عالم دین مفتی جعفر حسین کی وفات کی خبر جنوبی ایشیا کے مسلمانوں

میں گہرے دکھ اور ملال کے ساتھ سنی گئی۔ مفتی صاحب ایک طویل عرصہ سے خون کے سرطان میں مبتلا تھے۔ انہوں نے گزشتہ روز صبح لاہور کے ہسپتال میں وفات پائی انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مفتی جعفر حسین مجتہد اس دور کے بہترین مذہبی اسکالر اور محقق تھے۔ اس کا اندازہ ان کے ان حواشی اور تعلیقات سے بھی ہوتا ہے جو انہوں نے نہج البلاغہ پر لکھے ہیں۔ مفتی صاحب مسلمانان عالم کے اتحاد پر زبردست یقین رکھتے تھے اور ان کا کہنا تھا کہ یہی اتحاد مسلمانوں کو سیاسی، تہذیبی اور سماجی عظمت اور رتبہ دلا سکتا ہے اور وہ ایک زبردست طاقت بن کر کرہ ارض پر پھیل سکتے ہیں۔ اسلامی نظریاتی کونسل کے ابتدائی اراکین میں مفتی صاحب کا نام سرفہرست ہے۔ جب 1951 میں کراچی میں مختلف مکاتب فکر کے 31 علماء کے کانفرنس کا انعقاد ہوا تو مفتی صاحب کی کوششوں سے متفقہ طور پر اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے بائیس نکات مرتب کیے گئے تھے۔ مفتی صاحب آج ہم میں نہیں ہیں لیکن ان کی زندگی کے مقصد اور مشن ہمارے سامنے ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کی زندگی کے مقصد اور مشن کی راہ کو زندہ رکھیں اور مسلمانان عالم کے اتحاد کو آگے بڑھائیں۔

روزنامہ مشرق لاہور بدھ 31 اگست 1983ء

ایک چراغ اور بجھا ممتاز شیعہ عالم دین مفتی جعفر حسین کی رحلت۔

ملک کے تمام دینی حلقوں کے لیے سانحہ عظیم کی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ فرقہ ورانہ اتحاد و یکجہتی اسلامی اصولوں اور اقدار کی سربلندی کی ہر تحریک میں پیش پیش رہے۔ تحریک پاکستان میں انہوں سرگرم کردار ادا کیا۔ قرارداد مقاصد تیار کرنے والی علماء کمیٹی میں قابل قدر حصہ لیا۔ تعلیمات اسلامیہ بورڈ کے رکن کی حیثیت سے نمایاں خدمات انجام دیں۔ علماء کے تاریخی بائیس نکات کی تیاری میں بھی معاونت کی اور مختلف ادوار میں اسلامی مشاورت کونسل اسلامی نظریاتی کونسل کی رکنیت کے فرائض بھی خوش اسلوبی سے انجام دیے۔ مرحوم کی یہ علمی اور اسلامی خدمات ہماری تاریخ کا روشن باب ہیں۔ وہ علوم دینیہ کے ممتاز عالم اسکالر ہی نہیں تھے بلکہ ایک صاحب کردار شخصیت بھی تھے۔ وہ ہر قسم کے حالات میں کلمہ حق کہتے رہے اور اپنے موقف کی راستی پر ڈٹے رہے۔ انہوں نے علوم دینیہ کی تدریس، تحقیق و تصنیف اور تبلیغ کے میدان نا قابل فراموش خدمات انجام دی ہیں۔ اس لیے ان کی اچانک رحلت سے دینی حلقوں میں جو خلا پیدا ہوا وہ مدتوں پورا نہیں ہو سکے گا۔

روزنامہ نوائے وقت لاہور

بدھ 21 ذیقعد 1403 ہجری 31 اگست 1983

آہ مفتی جعفر حسین

ممتاز شیعہ عالم دین، اسلامی نظریاتی کونسل کے سابق رکن اور ملت جعفریہ کے قائد و مجتہد جعفر حسین کی وفات نے ایک ایسا خلا پیدا کر دیا ہے جو آسانی سے پر نہیں ہوگا۔ عالم کی موت کو عالم کی موت کہا جاتا ہے۔ لکھنؤ کے مدرسہ ناظمیہ اور نجف اشرف کی دینی درس گاہ سے فارغ التحصیل تھے تو برسوں انہوں نے ہر فرقہ و مکتبہ فکر کی مستند کتابوں کا بلیغ نظری سے مطالعہ کیا اور درس و تدریس میں مصروف ہے۔ مفتی اور مجتہد کی اسناد حاصل کیں۔ اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن تھے مگر جب اس کی کارکردگی سے مطمئن نہ ہوئے تو بھٹو کے دور میں رکنیت سے مستعفی ہو گئے تھے اور موجودہ دور میں دوبارہ اس کونسل کے رکن بنے مگر

بوجوہ اس سے بھی مستعفی ہوئے۔ زکوۃ و عشر کے مسئلے پر فقہ جعفریہ کا نقطہ موجودہ حکومت پر واضح کیا تو حکومت نے ایک معاہدہ کے ذریعے شیعہ حضرات کو زکوۃ اور عشر سے مستثنیٰ قرار دے دیا۔ مرحوم روشن خیال اور مرنجان مرنج عالم دین تھے۔ ہماری دعا ہے کہ رب العزت انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے کہا اور سوگواروں کو صبر کی توفیق دے آمین۔

تعزیتی پیغامات رحلت مفتی جعفر حسین قبلہ

حجت الاسلام والمسلمین آیت اللہ السید آقائے حسن طاہری خرم آبادی مرحوم

زعیم حوزہ علمیہ جامعۃ المنتظر ونمائندہ امام خمینی در پاکستان

حضرات علماء کرام و برادران اسلامی خدا اپ کی تائید فرمائے۔ عظیم الشان اور جلیل القدر عالم دین علامہ مفتی جعفر حسین کی وفات کی افسوسناک خبر سنی۔ ملت اسلامیہ کے راہنما اور امت اسلامیہ کے ایک محکم رکن جسے ہم امن عالم ربانی کی رحلت پر رہبر عالی قدر انقلاب اسلامی حضرت امام خمینی مدظلہ کے حضور اور پاکستان کے تمام علمائے کرام، دینی مدارس ملت اسلامیہ پاکستان خصوصاً ان کے پس ماندگان کی خدمت میں تعزیت پیش کرتے ہیں اور خداوند متعال سے دعا کرتے ہیں کہ اس بزرگوار کے تمام پیروکاروں اور معتقدین کو اجر عظیم اور صبر جمیل عطا فرمائے اور قائد بزرگ ملت اسلامیہ حضرت امام خمینی مدظلہ کی حکیمانہ قیادت میں کفر اور عالمی سامراج پر اسلام اور مسلمانوں کی عظمت اور کامیابی کی درگاہ احدیت سے التجا کرتے ہیں۔

حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ سید صفدر حسین نجفی

قائم مقام سربراہ تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کا تعزیتی پیغام

قائد ملت جعفریہ علامہ مفتی جعفر حسین کی وفات ایک فرد کی نہیں بلکہ بمطابق معصوم ایک عہد اور ایک عالم کی موت ہے۔ آپ کے انتقال سے ملت جعفریہ شب بے چراغ ہوگئی ہے۔ پاکستان میں اپنے عصر کے وہ سب سے فاضل، ثقہ، نڈر، دیانت دار منکسر مزاج عالم دین تھے ان کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا اور دیر تک پر نہیں ہو سکے گا۔ ادارہ تحفظ حقوق شیعہ کی صدارت سے لے کر تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کی صدارت تک، تعلیمات اسلامیہ بورڈ سے لے کر اسلامی مشاورتی کونسل و اسلامی نظریاتی کونسل تک اور قرارداد مقاصد سے لے کر معاہدہ اسلام آباد تک اپ نے ملت کی جو بے لوث، عظیم اور تاریخ ساز قیادت و ترجمانی کی ہے وہ تاریخ کا روشن اور سنہرا باب ہے۔ ”القائم“ میں شائع ہونے والے میرے انٹرویو سے یہ سمجھا جا رہا ہے کہ میں نے مفتی صاحب قبلہ کی قائدانہ صلاحیتوں کی مطلق نفی کر دی ہے اور کچھ حلقے اپنے مزموم مقاصد کے پیش نظر اس کا پروپیگنڈا بھی کر رہے ہیں مگر میں صرف اتنا کہوں گا کہ میرے بیان کے سیاق و سباق کو نظر انداز کر دیا گیا ہے ورنہ یہ غلط فہمی ہرگز پیدا نہ ہوتی۔ مجھ سے سوال کیا گیا تھا کہ ایران میں اسلامی انقلاب اور جذبہ جان فروشی و فداکاری کی وجہ اگر ایک علمی و دینی قیادت ہے تو پھر پاکستان کے اندر ایسا جوش و جذبہ اور انقلاب کیوں نہیں پیدا ہوا

جب کہ یہاں بھی ملت کی قیادت ایک بزرگ عالم دین یعنی علامہ مفتی جعفر صاحب قبلہ کے پاس ہے۔ تو میں نے جواب دیا تھا کہ اس کا مطلب یہ تھا کہ جو قائدانہ صلاحیتیں ایرانی قیادت بالخصوص مجاہد اکبر آیت اللہ امام خمینی میں موجود

ہیں لازمی نہیں ویسی کی ویسی یہاں کی قیادت میں بھی ہوں جب کہ یہاں کا ماحول بھی مختلف ہے ورنہ یقیناً یہاں بھی اس قسم کا جوش جذبہ تحریک ولولہ اور ہمہ گیر انقلاب دیکھنے میں آتا اور یہ حقیقت تو ثابت ہے کہ جو قائدانہ صلاحیتیں آقائے خمینی میں موجود ہیں وہ اس دور کے کسی بھی قائد میں بدرجہ اتم موجود نہیں ہیں۔۔۔۔۔۔لیکن اس سے یہ کیسے ثابت ہوتا ہے کہ مفتی صاحب کی قائدانہ صلاحیتوں کی مکمل نفی ہوگئی؟ اگر مفتی صاحب میں قائدانہ صلاحیتیں نہ ہوتیں تو ملک بھر کے جید علماء پر مشتمل سپریم کونسل نے اپنا قائد کیسے تسلیم کر لیتیں۔ میں واضح اور واشگاف الفاظ میں کہتا ہوں کہ مفتی صاحب قبلہ ملت جعفریہ کے اپنے دور کی افضل واکمل ترین فرد تھے اور ان سے بہتر یہ کجا ہمارے پاس ان جیسی شخصیت بھی مفقود ہے۔ میں مرحوم ومغفور کی وفات حسرت آیات پر پوری ملت جعفریہ بالخصوص ان کی اہل خانہ کو دلی تعزیت پیش کرتا ہوں اور دست بدعا ہوں کہ خداوند تعالیٰ بحق محمد وآل محمد علیہم السلام مرحوم کو جوار معصومین میں جگہ عطا فرمائے۔

حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ حافظ سید ریاض حسین نجفی

مرکزی صدر وفاق علماء شیعہ پاکستان مہتمم اعلی جامعۃ المنتظر کا تعزیتی پیغام

قیام پاکستان سے لے کر اب تک کسی مذہبی رہنما کی وفات سے ملت کو اتنا نقصان نہیں پہنچا جتنا قائد ملت جعفریہ علامہ مفتی جعفر حسین قبلہ اعلی اللہ مقامہ کی وفات سے پہنچا ہے۔ آپ کے انتقال سے

جو خلا پیدا ہوگیا وہ پر ہوتا نظر نہیں آتا۔ اس لیے مرحوم صرف عالم دین ہی نہیں تھے بلکہ ایک صاحب طرز ادیب، فکر انگیز خطیب قادر الکلام شاعر، روشن فکر دانشور، نکتہ رس محقق، بے بدل مترجم بے مثل مصنف اور بے لوث و بے باک قائد بھی تھے۔ آپ کے صرف چار سالہ دور قیادت میں ملت کا جو تشخص قائم ہوا بتیس سال سے نہ ہوسکا تھا۔ یہی وہ زریں دور تھا کہ جس میں قوم کسی سودے بازی کا شکار نہیں ہوئی۔ آپ نے 1949ء سے لے کر 1979ء تک تقریباً تیس سال حکومتی اداروں میں قوم کی نمائندگی کی۔ 1979ء سے لے کر 1983ء تک تقریباً چار سال تین کروڑ عوام کی قیادت بھی کی مگر آپ کا طرز فکر وعمل اور انداز بود و باش ہر طرح سے بے عیب ہی رہا۔ آپ علم وفضل اور زہد وتقویٰ میں نابغہ روزگار اور سلف صالحین کی نادر یادگار تھے۔ آپ کے اٹھ جانے سے قوم ایک گوہر نایاب سے محروم ہوگئی ہے جب کہ آپ جیسی عظیم ہستیاں صدیوں کی گردش لیل ونہار سے وجود میں آتی ہیں اور خوش نصیب قوموں کے لیے عطیہ قدرت قرار پاتی ہیں۔ دعا ہے کہ خداوند عالم، چہاردہ معصومین کے طفیل انہیں اعلیٰ علیین میں جگہ عنایت فرمائے اور ہم سب پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

علامہ مفتی جعفر حسین مرحوم۔ افسر حسین خان

مفتی صاحب نے ملت جعفریہ کے قائد کی حیثیت نے ارباب اقتدار کے سامنے ملت کی نمائندگی کرتے ہوئے کبھی بھی مصلحت کوش اختیار نہیں کی۔ اپنا موقف ہر سطح واضح کرتے رہے۔ حکومت اس موقف پر رضا مند ہوئی یا نہیں یہ ایک الگ مسئلہ ہے۔ جہاں تک مفتی صاحب کی قیادت کا سوال ہے انہوں نے کبھی بھی رعب حکومت میں یا مستقبل کے خوف سے کسی کی ہاں میں ہاں نہیں ملائی۔ خاص طور سے اسلام آباد کنونشن کے بعد مفتی صاحب کا کردار بہت واضح ہوگیا ہے۔ اس میں پہلے علماء کرام جلوس کی صورت میں سڑکوں پر آنے لگے تو مفتی صاحب نے کہا میں سب سے پہلے جاؤں گا۔ انہوں نے جلوس کی قیادت فرمائی۔ اس کے بعد عوام نے جلوس نکالا تو اس کی قیادت بھی مفتی صاحب نے ہی فرمائی۔ ارباب اقتدار سے مذاکرات کے وقت حکومت کی جانب سے کئی ڈرافٹ پیش کیے گئے لیکن مفتی صاحب ان کو تسلیم کرنے سے بنا پر انکار دیا کہ یہ واضح نہیں تھے آخر کار باہمی رضامندی

سے ایک ڈرافٹ تیار ہو گیا۔ مفتی صاحب فرماتے ہیں: ”فقہ سے فرقہ واریت نہیں پھیلتی۔ جس طرح کسی ایک مقدمہ میں مخالف وکیل اس مقدمے میں اپنے ساتھی وکیل سے مخالفت رکھنے کے باوجود اس کا دشمن نہیں ہوتا، اس طرح فقیہ اسلام کا قانون دان ہوتا ہے۔ ایک فرقے کا فقیہ دوسرے فرقے کے فقیہ سے اختلاف رکھنے کے باوجود اس کا دشمن نہیں ہوتا۔“ اس بنا پر مفتی صاحب صرف ملت جعفریہ کے لیے واجب احترام نہیں ہیں بلکہ تمام مسلمان بلا امتیاز فرقہ اپ کا احترام کرتے ہیں۔ علماء کرام نے جو 22 نکات پیش کیے ہیں ان پر تمام فرقوں کے علماء متفق تھے۔ حکومت سے متعلق ایک شخص مفتی صاحب کے پاس آیا اور کہا قبلہ آپ تو شیعہ ہیں۔ کیا اپ کو نکات پر کوئی اعتراض نہیں؟ مفتی صاحب نے سخت انکار کرتے فرمایا،: نہیں! یہ ہمارا متفقہ فیصلہ ہے۔ مفتی صاحب کی تمام زندگی نہایت سادہ رہی۔ حتیٰ کہ جب اپ اسلامی مشاورتی کونسل رکن تھے ایک بار سرکاری سطح پر کسی اجلاس کے لیے کراچی تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے دو کمروں کے فلیٹ میں قیام کیا۔ اس وقت کے وزیر اعظم چوہدری محمد علی نے ان کو سرکاری رہائش گاہ میں قیام کی دعوت دی لیکن مفتی صاحب نے انکار کر دیا۔ انہوں نے فرمایا کہ اس شخص کی پہچان کے تین طریقے ہیں۔

(1) ان کے ہمسایوں سے ساتھ کیسے تعلقات ہیں۔

(2) ہم سفر سے کیسے تعلقات ہیں۔

(3) باہمی تعلقات میں کیسا ہے۔

اور مفتی صاحب اس معیار پر ہر لحاظ سے اعلیٰ کردار کے حامل رہے ہیں۔ مفتی صاحب کی قیادت میں ایک سقم رہی ہے کہ انہوں نے قیادت کے سلسلے میں مستقبل کی فکر نہیں کی اور اپنے بعد کوئی اپنا سا قائد تیار نہیں کیا۔

علامہ مفتی جعفر حسین۔ اظہر حسن زیدی

آپ کا کردار سبحان اللہ، بہت اچھا ہے اپنی بیماری اور کمزوری کے باوجود بحیثیت راہنما کے جو کچھ کر سکتے تھے کیا۔ شاعری کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ جوانی کے دور میں اردو، عربی، فارسی میں اہل بیت کی شان اشعار کہے۔ اتنا یاد ہے کہ مدح اہل بیت میں تھے کچھ اخلاقیات سے متعلق تھے۔ جناب زیدی صاحب نے فرمایا مفتی صاحب کی شخصیت ایسی تھی کہ جس سے دوستی ہو گی بس ہو گی۔ اس میں مد و جزر کبھی نہیں آیا۔ انقطاع کبھی نہیں ہوا۔ کسی شخص سے نفرت و عداوت نہیں۔ بات کرتے ہوئے جناب زیدی صاحب کے ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا چند آنسو پلکوں کا بندھن توڑ کر چھلک پڑے۔ آپ نے بھرائی ہوئی اواز میں فرمایا: میں مفتی جعفر کو ایک بار پھر پھر اپنے سامنے بیٹھا دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں بوجہ بیماری ان کی عبادت تو نہ جا سکا لیکن میری روح وہیں ہے۔ وہ شریف نفس بے نیاز، غریب پرور اور اخلاقی خوبیاں جو ایک انسان کا خاصہ ہے خدا نے انہیں کافی حد تک جمع کر دیں۔

مفتی جعفر حسین قبلہ۔ مرتضیٰ حسین صدر الافاضل

حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا الحاج جعفر حسین صاحب قبلہ پاکستان کے ان علماء میں ہیں ان کا چرچا لکھنو میں تھا۔ مفتی صاحب کے بارے میں یہ بھی لکھنؤ میں ہی سنا کہ نہج البلاغہ کا ترجمہ کر چکے ہیں۔ ہجرت کے بعد لاہور آیا کچھ عرصے بعد جناب مفتی صاحب سے ملاقات ہوئی۔ پہلی ملاقات میں ان کی ادب دوستی ذوق شعری اور زبان کی شستگی سے متاثر ہوا۔ مفتی صاحب بہت سادہ مزاج کم آمیز نظر آئے۔ انہوں نے نہج البلاغہ صحیفہ کاملہ کا ترجمہ و حواشی بہت احتیاط سے لکھے۔ اور بات بھی آہستہ آہستہ ٹھہر ٹھہر کر کرتے اور تحریر بھی آہستہ آہستہ تیار کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تینوں کتابیں سیرت الامیر المومنین علیہ السلام، صحیفہ کاملہ اور شرح نہج البلاغہ خاص اور بہت عمدہ کتاب ہیں۔ تحریک نفاذ فقہ جعفریہ میں ان کی محبوبیت سب پر عیاں ہے۔

علامہ مفتی جعفر حسین قبلہ ۔۔ پروفیسر سید سجاد رضوی

مولانا مفتی جعفر حسین ہمارے علماء کے اس گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جنہوں نے اپنے علم وفضل اور ورع وتقویٰ کی ازمائش وقت کے ہاتھوں کروائی ہے اور اپنے مخالفوں سے بھی اپنی علمی صلابت اور کردار کی پختگی کا لوہا منوایا ہے۔ ایک وقت تھا کہ غلامان حیدر کرار کی محفلوں کو اشاعت علوم محمد وآل محمد کے مرکز کی حیثیت حاصل تھی۔ ہمارا منبر اباد تھا۔ ہمارے منصۂ خطابت پر مولانا سبط حسن، مولانا سید کلب حسین، مولانا عدیل اختر، مولانا ابن

نونہروی، قاری لقا علی حیدری، مولانا سید محمد سبطین، حافظ کفایت حسین، مولانا سید محمد دہلوی، مولانا محمد بشیر انصاری، مولانا سید علی حائری، مولانا سید محمد باقر نجفی، مولانا سید ابن حسن جارچوی، مولانا قمر الزمان میرٹھی، مولانا فیض محمد لکھیالوی، حافظ ذوالفقار علی شاہ اور ان کے امثال جلوہ گر ہوتے تھے اور علم وعرفان کے دریا بہاتے تھے۔ اج یہ سب اپنے خالق کے جوار رحمت میں جاگزیں ہیں۔ اس گروہ میں چند ایک ارکان ابھی ہمارے درمیان ہیں۔ خدا انہیں زندہ سلامت رکھے۔ اس میں مولانا سید علی نقی قبلہ، مولانا مفتی جعفر حسین، مولانا مرتضیٰ حسین، مولانا سید ظفر حسن امروہوی کے اسماء قابل توجہ ہیں اور ان کے دم سے بھی منبر آباد ہے خدا اسے آباد رکھے۔ مولانا مفتی جعفر حسین قبلہ اس گروہ کے سربر آوردہ رکن ہیں۔ اس گروہ کی نمایاں خصوصیت میں علم وعرفان کی گہرائی ہی نہیں بلکہ اس کے علاوہ اس میں اہم تر امتیازی نشان یہ ہے ان حضرات گرامی نے ذکر محمد ال محمد کو تجارت نہیں بنایا نہ اپنی دکان خطابت کو چمکانے کے لیے ان طریقوں کو استعمال کیا جن سے منبر کا وقار مجروح ہو اور ذکر محمد وال محمد کی شان میں کمی واقع ہو۔ ان حضرات نے پہلے کسب علم کیا پھر نشر علم پر کمربستہ ہوئے۔ جو بات کی باون تولے پاورتی کی کھری بات کی اس پر کوئی بدترین دشمن بھی انگشت نمائی نہ کر پائے۔ انہوں نے تحقیق و احتیاط کو اپنا وطیرہ بنایا اور محمد وآل محمد کے نام سے غلط بیانات دا غنے کو کفر گردانا۔ ان حضرات گرامی میں مفتی جعفر حسین صاحب قبلہ کو امتیازی مقام حاصل ہے۔ ان کا ایک امتیاز یہ ہے کہ انہوں نے صرف تقریر ہی کو ذریعہ نشر حق نہیں گردانا بلکہ تحریر کو بھی استعمال فرمایا۔ تحریر کے میدان میں ان کی رفاقت مولانا محمد سبطین مرحوم، مولانا سید علی نقی مدظلہ، مولانا ظفر حسن امروہوی، مولانا علی حائری علی اللہ مقامہ جیسے حضرات کا نام اتا ہے لیکن ایک بات ایسی ہے کہ جس ں نے قبلہ مفتی صاحب کو انفرادیت بخشی ہے وہ ان کے کردار کا عملی پہلو ہے۔ پاکستان میں ملت جعفریہ کی قیادت کا فریضہ جس فراست سے انہوں نے سرانجام دیا ہے وہ اور حضرات کے حصے میں نہ آسکا۔ اسلام آباد کنونشن میں اور اس کے بعد ان کی قیادت نے شیعیان حیدر کرار کا نام پاکستان اور پاکستان اور پاکستان سے باہر روشن کیا اور ثابت کیا شیعہ صرف ملت گریہ کن ہی نہیں بلکہ وقت کرنے پر حق کی خاطر سنت شبیری کو ادا پڑنے پر حق کی خاطر سنت شبیری کو ادا کرنے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں۔ آج مفتی صاحب قبلہ غیروں کی نگاہ میں شیعان پاکستان کی رمز وحید ہیں۔ خدا انہیں زندہ وسلامت رکھے اور شیعان پاکستان کو اپنی قیادت سے نوازنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

☆☆☆☆☆

بزم ارجمنداں

مفتی جعفر حسین مجتہد

محمد اسحاق بھٹی مرحوم

۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴ جنوری ۱۹۵۱ء (۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۷۰ھ) کو کراچی میں سید سلیمان ندوی کے زیر صدارت مختلف مکاتب فقہ کے اکتیس علمائے کرام کا ایک اجلاس ہوا تھا، جس میں کامل غور و فکر کے بعد اسلامی مملکت کے بنیادی اصول مرتب کیے گئے تھے جو بائیس نکات پر مشتمل تھے۔ اس اجلاس کے انعقاد سے آٹھ دس روز پیشتر مولانا سید داؤد غزنوی نے تمام مسالک فقہ کے چند علماء و زعما کو اپنے مکان پر تشریف لانے کی دعوت دی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ کراچی کے اجلاس میں جن مسائل پر بحث کرنا مقصود ہے، ان پر غور کر لیا جائے تاکہ اس اجلاس میں کسی واضح نتیجے پر پہنچنے میں کوئی مشکل پیش نہ آئے۔ مولانا داؤد غزنوی کی دعوت پر جو حضرت تشریف لائے، ان میں معروف شیعہ عالم و مجتہد مفتی جعفر حسین بھی شامل تھے۔

گندمی سا رنگ، چھوٹی کالی داڑھی، درمیانہ قد، نہ فربہ نہ زیادہ دبلے پتلے۔ کھلے پائنچے کا پاجامہ اور اس کے اوپر لمبی سیاہ رنگ کی قبا پہنچے ہوئے۔ کسرتی سے جسم کے جوان عالم دین۔ لہجہ نرم اور بات پختہ۔ اسلوب گفتگو میں انکسار مگر دلائل میں وزن۔ بات زبان سے نکالنے سے پہلے دلیل کی میزان میں تولتے۔ انداز منجھا ہو اور الفاظ ادیبانہ۔ جملوں کی ساخت ایسی دل کش کہ گفتگو شروع کرتے تو ہر شخص توجہ سے سننے پر مجبور ہوتا میں نے ان کو پہلی دفعہ دیکھا اور پہلی دفعہ ان کی باتیں سننے کا اتفاق ہوا۔ یوں تو عام طور سے اکثر شیعہ مجتہد اور ذاکر صاف ستھری زبان بولتے ہیں اور الفاظ کا ذخیرہ ان کے پاس کافی ہوتا ہے، لیکن مفتی صاحب کو میں نے دیکھا کہ وہ بے تکلفی سے خوب صورت طریقے اور روانی سے اپنے نقطہ نظر کی وضاحت کرتے تھے۔ بات کرتے تھے انھیں کہیں بھی کوئی الجھن پیش نہیں آتی تھی۔

مفتی جعفر حسین ۱۳۳ ۱۹۱۳ء میں گوجرانوالہ کے ایک علمی خاندان میں پیدا ہوئے، جسے خاندان حکیماں کہا جاتا تھا۔ اس خاندان کے ایک فرد حکیم ظہور الدین تھے، جو فارسی ادب پر عبور رکھتے تھے۔ کہتے ہیں حافظ شیرازی کے اشعار انھیں کثرت سے یاد تھے اور وجد آفریں عالم میں پڑھا کرتے تھے۔ حکیم ظہور الدین اپنے زمانے میں گوجرانوالہ کے ایک سکول کے ٹیچر تھے اور وہاں کے معروف عالم اور طبیب حکیم شہاب الدین کے فرزند تھے، مفتی جعفر حسین کے یہ تایازاد بھائی تھے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ حکیم شہاب الدین جو علم دین اور علم طب میں گوجرانوالہ میں اچھی خاصی شہرت رکھتے تھے۔ مفتی صاحب کے تایا تھے۔ حکیم صاحب فارسی اور پنجابی کے شاعر بھی تھے۔

مفتی صاحب نے حصول علم کا آغاز انہی سے کیا تھا مفتی صاحب کے والد کا اسم گرامی حکیم چراغ الدین تھا۔ وہ بھی پڑھے لکھے بزرگ تھے اور شہر اور علاقے کے ممتاز طبیب گردانے جاتے تھے۔ بلند اخلاق، مخلص اور لوگوں کے ہم درد۔ عدالتی و قانونی قسم کے بعض مسائل سے باخبر تھے اور اس نوعیت کی درخواستیں لوگ ان سے لکھوایا کرتے تھے۔ بعض حضرات کے کہنے سے اس کے لیے انھوں نے (گوجرانوالہ میں) بڑے ڈاک خانے کے قریب بیٹھنے کے لیے جگہ کا انتظام کر لیا تھا، جہاں لوگ ان کے پاس آتے اور ان سے درخواستیں لکھوایا کرتے تھے۔ مفتی جعفر حسین کے ابتدائی دور طالب علمی میں گوجرانوالہ شہر کو دینی علوم اور مذہبی فنون کے مرکز کی حیثیت حاصل تھی۔ اہل حدیث علماء میں سے مولانا محمد اسماعیل اور قاضی عبدالرحیم وہاں کی مسند تدریس پر

متمکن تھے، جن کا شمار اس عہد اور اس نواح کے مشہور علماء مدرسین میں ہوتا تھا۔ دیوبندی مکتب فکر کے عالم مولانا محمد چراغ تھے، جو علمی و تدریسی حلقوں میں بڑی شہرت رکھتے تھے، مفتی عبدالرحیم سے وہ بالخصوص مستفید ہوئے اور کافی عرصہ ان کے حلقہ درس میں گزرا۔ جن دنوں مفتی صاحب مولانا اسماعیل صاحب کے دارالعلوم میں تعلیم حاصل کرتے تھے، ممتاز عالم و مصنف مولانا محمد حنیف ندوی ان کے ہم درس تھے۔ یعنی ابتدا میں دونوں نے ایک ہی استاد کے سامنے زانوے شاگردی تہہ کیا تھا۔

مولانا حنیف ندوی بھی اصلاً گوجرانوالہ کے رہنے والے تھے اور مفتی جعفر حسین کا مسکن بھی یہی شہر تھا۔ پھر دونوں کی ابتدائی تعلیم ایک ہی مدسے اور ایک ہی استاد سے ہوئی تھی، یہی وجہ ہے کہ دونوں بزرگوں کا اختلاف مسالک کے باوجود باہمی تعلق ہمیشہ قابل رشک رہا۔ دونوں ایک دوسرے سے محبت کا برتاؤ کرتے اور باہم عزت و احترام سے پیش آتے تھے۔ گوجرانوالہ کے ممتاز اساتذہ سے حصول علم کے بعد مزید تعلیم کے لیے مفتی صاحب نے لکھنو کا عزم کیا، جسے اس زمانے میں شیعہ علماء و مجتہدین کا مرکز سمجھا جاتا تھا اور جہاں اس نقطہ فکر کے متعدد دارالعلوم قائم تھے، جن میں دور دراز سے طلبا آ کر مختلف علوم و فنون حاصل کرتے تھے۔ ان میں ایک مدرسہ ناظمیہ تھا، جس میں مشہور شیعہ عالم و مدرس سید نجم الحسن فریضہ تدریس سرانجام دیتے تھے۔ اس دارالعلوم کے اساتذہ سے مفتی جعفر حسین نے خوب استفادہ کیا، بالخصوص سید نجم الحسن سے بہت مستفید ہوئے۔ لکھنو میں مفتی صاحب کے دور طالب علمی میں مولانا حنیف ندوی جوان کے پرانے ہم درس اور ہم شہر تھے، دارالعلوم ندوۃ العلما میں تعلیم حاصل کرتے تھے اور وہاں دونوں کی ملاقات کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ کبھی مولانا ان کے ہاں چلے جاتے اور کبھی مفتی صاحب مولانا کے ہاں آ جاتے۔ یعنی جس طرح اپنے آبائی شہر گوجرانوالہ میں دونوں کے میل جول کا سلسلہ جاری رہتا تھا، اسی طرح تعلیمی شہر لکھنو میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔

مفتی جعفر حسین مدرسہ ناظمیہ (لکھنو) سے سند فراغ حاصل کر چکے تو استاذ مکرم سید نجم الحسن نے خواہش ظاہر کی کہ اس مدرسے میں وہ معلم کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیں۔ درسی کتابیں انھوں نے نہایت محنت اور غور و انہماک سے پڑھی تھیں اور اللہ نے ذہانت و فطانت کی دولت بھی عطا فرمائی تھی، پھر پڑھنے پڑھانے کا شوق بھی تھا لہٰذا لائق شاگرد نے مہربان استاد کی خواہش کو اپنے لیے غنیمت جانا اور جس مدرسے میں طالب علم رہے تھے، اس میں مدرس کی حیثیت سے کام شروع کر دیا۔ دور طالب علمی میں وہاں ان کو یہ اعزاز حاصل رہا تھا کہ مدرسے کی مجلس مقاصدہ کے ناظم منتخب کیے گئے تھے، اب اپنی اس مہد علمی کی خدمت تدریس ان کے سپرد ہو گئی تھی۔ دونوں اعتبار سے خوب کام کیا اور اس حلقے میں اپنی خدمات کی بنا پر بڑی شہرت پائی۔ ۱۹۳۶ء میں وہ اعلیٰ تعلیم کے لیے نجف اشرف (عراق) چلے گئے، جہاں شیعہ حضرات کا بہت بڑا اور مشہور دارالعلوم ہے جسے ''حوزہ علمیہ'' کہتے ہیں اور جس کے فارغ التحصیل کو بڑے احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ نجف اشرف کے حوزہ علمیہ کے اساتذہ سے انھوں نے خوب استفادہ کیا اور وہاں درجہ اجتہاد پر فائز ہوئے۔ نجف اشرف سے واپس آئے تو صوبہ یوپی ضلع مراد آباد کے ایک مقام ''نوگاؤں سادات'' کی علمی درس گاہ کے ارباب اہتمام نے ان کی خدمات حاصل کر لیں۔ وہ یوپی کے ایک قصبے میں شیعہ حضرات کا ایک مشہور تعلیمی مرکز تھا اور اس دور میں وہاں کثیر تعداد میں طلباء حصول علم میں مصروف اور متعدد اساتذہ خدمت تدریس میں مشغول تھے۔ مفتی صاحب کی خدمات اس درس گاہ کے پرنسپل کی حیثیت سے حاصل کی گئی تھیں۔ آزادیٔ وطن (۱۹۴۷ء) تک وہ نوگاؤں سادات میں اقامت گزیں رہے۔

آزادی کے بعد ان کی خدمات کا ایک دوسرا دور شروع ہوا۔ اب حالات بدل چکے تھے، پاکستان معرض قیام میں آ چکا تھا ار حالات کی روشنی میں اسلامی مملکت کے باشندوں کی ذہنی و فکری تربیت نئے انداز سے کرنا ضرور قرار پا گیا تھا، اس کے لیے حکومت پاکستان نے جن علمائے دین کی خدمات حاصل کرنا ضروری قرار پا گیا تھا، اس کے لیے حکومت پاکستان نے جن علمائے دین کی خدمات حاصل کرنا ضروری سمجھا، ان میں جناب مفتی جعفر حسین کا اسم گرامی بھی شامل تھا۔ چنانچہ ۱۹۴۹ء میں انھیں رکن بورڈ آف تعلیمات اسلامی مجلس دستور ساز پاکستان بنایا گیا۔ اس وقت ان کی عمر چھتیس برس کی تھی۔ اس بورڈ کے صدر علامہ سید سلیمان ندوی تھے۔ دیگر ارکان میں سے مولانا مفتی محمد

شفیع، پروفیسر، عبدالخالق اور مولانا ظفر احمد انصاری کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔مفتی صاحب ہمیشہ ہر اس کمیٹی میں شامل رہے، جو مشترکہ مقاصد کے حصول کی غرض سے ملک کے تمام مکاتب فکر (شیعہ، حنفی، اہل حدیث) سے تعلق رکھنے والے علماء زعما پر مشتمل ہوتی۔

اس نوع کی کمیٹیوں میں ان کی رائے کو اہمیت دی گئی۔قیام پاکستان کے بعد اسلامی مملکت کے بنیادی واساسی اصول مرتب کرنے کی غرض سے ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴ جنوری ۱۹۵۱ء کو اکتیس علماء کی اس میٹنگ میں بھی مفتی صاحب شریک تھے،جس میں اسلامی حکومت کے بائیس نکات ترتیب دیے گئے تھے۔اس میٹنگ میں دوسرے شیعہ عالم و مجتہد حافظ کفایت حسین شامل تھے اور ان دونوں حضرات کو تمام مسالک فقہ کے علماء زعما کے نزدیک قدرومنزلت حاصل تھی۔قیام پاکستان کے بعد اب تک اس ملک میں جو لوگ اقتدار میں آئے ہیں، انھوں نے اسلام کا خوب استعمال کیا اور لوگوں کو یقین دلایا کہ زمام اختیار ہاتھ میں لیتے ہی وہ پہلا کام یہ کریں گے کہ یہاں اسلامی دستور کا نفاذ عمل میں لائیں گے لیکن جب تخت حکومت پر متمکن ہو گئے تو کچھ اور قسم کی باتیں ہونے لگیں۔ایک بہت بڑی بات یہ ہونے لگی کہ ہم تو اسلامی دستور کی تنفیذ کے لیے بالکل تیار بیٹھے ہیں، علمائے کرام ہی کسی متفقہ نقطے پر جمع نہیں ہورہے ہیں۔اسلامی دستور کے بارے میں علما کے درمیان اتنا شدید اختلاف پایا جاتا ہے کہ ہم اس سے سخت پریشانی میں مبتلا ہیں۔یہ متفق ہو جائیں ہم فوراً اسلامی دستور لے آئیں گے۔ارباب حکومت اس قسم کی باتیں شروع ہی سے کرتے آتے ہیں۔اس کا جواب علمائے کرام نے قیام پاکستان کے فوراً بعد دے دیا تھا اور ملک کے مختلف مسالک سے تعلق رکھنے والے اکتیس اصحاب علم نے جمع ہو کر وہ بائیس نکات مرتب کر کے اس دور کی حکومت کو پیش کر دیے تھے،جن کی حیثیت اسلامی مملکت کے راہنما اصولوں کی تھی۔یہ راہنما اصول عارضی یا وقتی نہیں تھے، اب بھی ان سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔اسلامی نظریاتی کونسل ملک کے تمام فقہی مسالک سے تعلق رکھنے والے اصحاب فکر اور اہل علم پر مشتمل ہے، مفتی صاحب شروع ہی سے اس کے رکن چلے آرہے تھے،لیکن ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کے دور حکومت میں اس بنا پر اس کی رکنیت سے استعفی دے دیا تھا کہ اس کی کارکردگی سے وہ مطمئن نہیں تھے اور ان کے نقطہ نظر سے اطمینان بخش اور باعث تسلی نہیں تھا اس میں وہ حصے دار نہیں بننا چاہتے تھے۔

صدر ضیاء الحق نے ملک کی زمام حکومت ہاتھ میں لی تو مفتی صاحب کو دوبارہ اسلامی نظریاتی کونسل کا رکن مقرر کیا گیا۔وہ کچھ عرصہ اس کے رکن رہے،لیکن فقہ جعفریہ کے بعض بنیادی مسائل کے متعلق حکومت سے اختلاف پیدا ہوا تو ۳۰ اپریل ۱۹۷۸ء کو اس کی رکنیت سے مستعفی ہو گئے۔اس سے چند روز پہلے ۱۶ اپریل ۱۹۷۸ء کو بھکر میں شیعہ حضرات کا ایک بہت بڑا اجتماع ہوا تھا، جس میں شیعہ عوام کے علاوہ اس مسلک کے علما و زعما بھی شریک ہوئے تھے، اس اجتماع میں مفتی صاحب کو قائد ملت جعفریہ منتخب کیا گیا تھا اور یہ بہت بڑا اعزاز تھا جس کے وہ شیعہ حضرات کی طرف سے متفقہ طور پر مستحق سمجھے گئے تھے۔۲۰ جون ۱۹۸۰ء کو اس دور کی حکومت نے زکوٰۃ اور عشر کا نظام جاری کیا، شیعہ اصحاب علم کو اپنے مسلک کی رو سے اس کے بعض گوشوں سے اختلاف تھا۔۵ جولائی ۱۹۸۰ء کو اسلام آباد میں مفتی صاحب کی قیادت میں شیعان پاکستان کا ایک بہت بڑا جلوس نکلا، اس جلوس کی صورت میں ان حضرات نے زکوٰۃ وعشر کے بارے میں اپنا موقف حکومت کے سامنے پیش کیا۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت نے ایک معاہدے کے ذریعے شیعہ حضرات کو زکوٰۃ اور عشر کی ادائی سے مستثنیٰ قرار دے دیا۔جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا مفتی صاحب کے حصول علم کا آغاز اپنے شہر گوجرانوالہ سے کیا تھا اور اس دور میں انھوں نے تین اساتذہ سے استفادہ کیا تھا، قاضی عبدالرحیم صاحب سے مولانا محمد اسماعیل صاحب سے اور مولانا محمد چراغ صاحب سے۔مولانا حنیف ندوی ان کے ہم درس اور دوست تھے۔مفتی صاحب کا مکان چوک نیائیں میں مولانا اسماعیل صاحب کی مسجد کے قریب تھا۔قاضی صاحب طبیب تھے، ان کا مطب مولانا کی مسجد سے متصل تھا۔ہفت روزہ ''الاعتصام'' ابتدا میں گوجرانوالہ سے جاری ہوا تھا۔اس کا دفتر بھی اسی چوک میں مولانا اسماعیل صاحب کی مسجد سے ملحق تھا۔مولانا حنیف ندوی اس کے ایڈیٹر تھے، میں بھی اسی اخبار میں کام کرتا تھا۔مفتی صاحب کبھی مولانا اسماعیل صاحب سے ملنے آتے کبھی قاضی صاحب سے ملاقات کے لیے تشریف لاتے اور کبھی مولانا حنیف ندوی کے پاس ''الاعتصام'' کے دفتر آتے۔مولانا حنیف

ندوی بھی کبھی کبھی ان کے مکان پر جاتے اور ان سے تکلفانہ انداز میں باتیں کرتے۔

گوجرانوالہ کے ہر مسلک کے لوگ مفتی صاحب کا احترام کرتے تھے، وہ بھی سب سے کھلے دل سے ملتے اور سب کو مستحق تکریم قرار دیتے تھے۔

مولانا حنیف ندوی کے ساتھ میں بھی کئی دفعہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا، اکیلا بھی ان کے دولت کدے پر گیا۔ وہ ہمیشہ شفقت سے پیش آئے اور بہت اچھی طرح ملے۔ ان سے آخری ملاقات وفات سے چند مہینے قبل لاہور میں بھاٹی دروازے کے باہر ہوئی۔ گرمیوں کا موسم تھا، سورج غروب ہونے سے کچھ دیر بعد میں اور مولانا حنیف ندوی بھاٹی دروازے کے باہر کہیں جا رہے تھے کہ انھوں نے مجھ سے کہا وہ دیکھو سامنے معلوم ہوتا ہے مفتی جعفر حسین صاحب جا رہے ہیں۔ میں نے کہا: شاید وہ ہوں گے۔ فرمایا: چال ڈھال انہی کی سی ہے۔

مفتی صاحب لمبی سی عبا کاندھوں پر رکھے آہستہ آہستہ چل رہے تھے، ایک آدمی ان کے ساتھ تھا۔ میں کچھ تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا ان تک پہنچا اور آگے بڑھ کر سلام کیا، ساتھ ہی عرض کیا کہ مولانا حنیف ندوی تشریف لا رہے ہیں۔ وہ رکے اور مولانا کو سلام کرنے کے لیے چند قدم پیچھے کو مڑے، ادھر سے مولانا آ گئے اور دونوں پرانے دوست اور ہم شہر و ہم درس بغل گیر ہو گئے۔ دو تین منٹ میں وہاں کھڑے کھڑے ایک دوسرے سے خیر و عافیت پوچھی۔ پھر مولانا نے کہا آیئے کسی ہوٹل میں بیٹھ کر چائے پیتے ہیں۔ مفتی صاحب نے فرمایا دہی کی لسی پینے کو جی چاہتا ہے۔ قریب ہی ایک ہوٹل میں جا کر سب نے لسی کا ایک ایک گلاس پیا۔

اس زمانے میں حدود و تعزیرات اور زکوٰۃ و عشر کے مسائل بعض علمی و قانونی حلقوں میں موضوع بحث بنے ہوئے تھے۔ ظاہر ہے ان مسائل میں شیعی نقطہ نظر اہل سنت سے مختلف ہے۔ میں نے بعض شیعہ اہل علم سے ان دنوں ادارہ ثقافت اسلامیہ کے ترجمان ''المعارف'' میں چھاپنے کے لیے (جس کا میں ایڈیٹر تھا) تین مضمون مانگے تھے اور درخواست کی تھی کہ صرف اپنا نقطہ نظر دلائل سے ثابت کیا جائے، کسی مسلک کی مخالفت نہ کی جائے۔ ایک کتب اربعہ کا تعارف۔ دوسرا حدود وتعزیرات میں شیعہ کا موقف۔ تیسرا زکوٰۃ و عشر میں شیعی نقطہ نظر۔ یہی بات میں نے مفتی صاحب سے عرض کی۔ انھوں نے فرمایا، میں چند روز میں یکے بعد دیگرے تینوں عنوانات پر مضامین بھیجوں گا، مجھے خوشی ہوئی کہ آپ نے ان عنوانات سے متعلق مجھ سے مضامین کے لیے کہا ہے۔ میں نے عرض کیا: میں ان مضامین کے لیے آپ کو دفتر سے خط لکھوں؟ فرمایا: خط لکھنے کی ضرورت نہیں، مجھے یہ بات یاد رہے گی۔

اس سے چند روز بعد پتا چلا کہ مفتی صاحب بیمار ہو گئے ہیں اور بیماری نے اس قدر شدت اختیار کر لی ہے کہ لکھنا پڑھنا مشکل ہو گیا ہے۔

مفتی صاحب بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ وہ عربی، فارسی اور اردو پر یکساں عبور رکھتے تھے۔ کبھی موج میں آتے تو عربی میں شعر بھی کہتے تھے۔ لیکن اپنے اشعار کو انھوں نے کہیں محفوظ نہیں کیا کاغذ پر چند شعر لکھے اور پھر کاغذ ضائع ہو گیا۔ ان کی تصنیفات و تراجم میں مندرجہ ذیل کتابیں شامل ہیں۔

۱۔ نہج البلاغہ۔ ترجمہ و حواشی ۲۔ صحیفہ کاملہ۔ ترجمہ و حواشی ۳۔ سیرت امیر المومنین۔ مشتمل بر دو جلد وفات سے تین سال قبل انھوں نے گوجرانوالہ میں جی ٹی روڈ پر جامعہ جعفریہ کی بنیاد رکھی تھی۔ مفتی صاحب ایک مدت سے پھیپھڑے کے سرطان میں مبتلا تھے۔ وفات سے تین مہینے قبل یہ مرض شدت اختیار کر گیا تھا۔ ۲۶ جولائی ۱۹۸۳ء کو علاج کے لیے لندن گئے۔ وہاں ان کا طبی معائنہ کیا گیا تو ڈاکٹروں نے لاہور کے علاج پر اطمینان کا اظہار کیا، جس کا مطلب ان کی زندگی سے اظہار مایوسی تھا۔ ۱۴ اگست کو واپس آ گئے۔ یہاں میو ہسپتال میں زیر علاج تھے کہ ۲۹ اگست ۱۹۸۳ء کو حرکت قلب بند ہو جانے سے انتقال کر گئے۔ ان کے جنازے میں ہر مکتب فقہ کے لوگوں نے کثیر تعداد میں شرکت کی اور انھیں کربلا گامے شاہ (لاہور) میں دفن کیا گیا۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون**، مفتی صاحب اولاد نرینہ سے محروم تھے۔ ان کی ایک بیٹی ہیں جو لاہور میں لڑکیوں کے ایک کالج میں تدریس کا فریضہ انجام دیتی ہیں۔

☆☆☆☆☆

علامہ مفتی جعفر حسین

از ابو عمار زاہد الراشدی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

علامہ مفتی جعفر حسین مرحوم میں جب جامعہ نصرہ العلوم گوجرانوالہ میں درس نظامی کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ کے خطیب استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی عبدالواحد رحمت اللہ تعالیٰ کے معاون کے طور پر نائب خطیب کی حیثیت سے عملی زندگی کا اغاز کیا تو دینی، شہری اور ملی معاملات میں مشاورت کے لیے حضرت مفتی رحمت اللہ تعالیٰ علیہ کا جن کا سرکردہ شخصیات کے ساتھ رابطہ تھا ان میں حضرت مولانا محمد اسمٰعیل سلفی اور صاحبزادہ فیض الحسن آف آلو مہار شریف معروف قانون دان میاں منظور حسین اور دیگر حضرات کے ساتھ ساتھ حضرت مفتی جعفر حسین رح بھی شامل تھے، میں ان کے درمیان روابط اور سفارت کا ایک ذریعہ تھا۔ان حضرات کے پاس جانا، ان سے متعلقہ امور پر مشاورت کرنا اور انہیں کسی مشترکہ مجلس نشرکت کی دعوت نہ میرے معمولات فرائض کا حصہ تھا اور مجھے سالہا سال اس خدمت کا موقع ملا۔مولانا محمد اسماعیل سلفی رح کا گھر چوک گھنٹہ گھر کے قریب تھا مولانا مفتی جعفر حسین رح مین بازار میں رہتے تھے اور صاحبزادہ فیض الحسن شاہ کا ہفتے میں ایک روز چوک گوجرانوالہ کے قریب ایک مرید کے گھر میں تعویذ ودم کے لیے آنے کا معمول تھا اور میں پیدل یہ ان سب بزرگوں کے ہاں آسانی سے آیا جایا کرتا تھا۔مولانا مفتی جعفر حسین کے ساتھ ضلعی امن کمیٹی میں بھی وقتاً فوقتاً ملاقات رہتی تھی جہاں عام طور پر میں حضرت مولانا مفتی عبدالواحد رح کی نمائندگی کے لیے جایا کرتا تھا۔ایک روز میں مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ میں اپنے دفتر میں بیٹھا تھا جس کی کھڑکی شیرانوالہ باغ کے عقبی دروازے کے سامنے کھلتی ہے، حضرت مولانا مفتی جعفر حسین اور اپنے چند رفقاء کے ساتھ شیراں والا باغ سے آئے اور مجھے کھڑکی کے ساتھ بیٹھا دیکھ کر کمرے میں تشریف لے آئے۔تھوڑی دیر مجلس رہی اور مختلف امور پر تبادلہ خیالات ہوا۔اس موقع پر مفتی صاحب نے بتایا کہ میں مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ مدرسہ انوار العلوم میں پڑھتا رہا ہوں۔ایک کمرے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا اس میں کچھ عرصہ رہا بھی ہوں۔انہوں نے بتایا کہ مولانا مفتی عبدالواحد میرے استاذ تھے اور میں نے مختصر المعانی پڑھی تھی۔

مولانا مفتی جعفر حسین صاحب ہمارے شہر کے بزرگوں میں سے تھے سنجیدہ اور باوقار عالم دین تھے۔قومی سطح پر اہل تشیع کے ذمہ داروں میں سے تھے۔فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے فروغ میں اہم کردار کے حامل تھے۔

مولانا مفتی جعفر حسین صاحب ہمارے شہر کے بزرگوں میں سے تھے سنجیدہ اور باوقار عالم دین تھے۔قومی سطح پر اہلِ تشیع کے ذمہ داروں میں سے تھے۔فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے فروغ میں اہم کردار کے حامل تھے۔ان کی حسین یادیں ہمیشہ ذہن میں تازہ رہیں گی۔اللہ تعالی ان کے حسنات کا بہترین اجر عطا فرمائے۔آمین

☆☆☆☆☆

رپورٹ بھکر کنونشن

مطالبات و قراردادیں

از پروفیسر خادم حسین لغاری مرحوم

کل پاکستان شیعہ کنونشن 1312 اپریل 1979 کو بکھر ضلع میانوالی (اب بھکر بذات خود ضلع ہے) میں دو روز جاری رہنے کے بعد اختتام کو پہنچا۔ یہ کنونشن پاکستان کی تاریخ میں شیعہ عوام کا سب سے بڑا اجتماع تھا۔ پہلی بار شیعہ عوام نے براہ راست متفقہ طور پر اپنی مرکزی قیادت کا انتخاب کیا۔ شیعہ عوام کے مذہبی تشخص کو برقرار رکھنے کے لیے واضح منزل کا نشان، عوامی جدوجہد کا واضح لائحہ عمل متعین ہوا۔ کنونشن کے انعقاد کی بھرپور تشہیر کی گئی تھی۔ مختلف اضلاع سے شیعہ عوام کے قافلے کاروں، بسوں اور ٹرینوں کے ذریعے 11 اپریل کی شام کو پہنچنا شروع ہو گئے۔ شرکاء کنونشن کی آمد پر استقبال کا شاندار اہتمام کیا گیا تھا۔ پاکستان کے مختلف علاقوں سے قافلے امڈے چلے ارہے تھے۔ ہر قافلے کے استقبال کے لیے شیعہ اسکاؤٹ کے چاک و چوبند دستے سلامی دیتے۔ عوام کے استقبالی نعروں اور قافلہ والوں کے جواب نعروں سے سرزمین بھکر علی علی کے نعروں سے گونج اٹھی اور یہی سماں قافلوں کی واپسی کے وقت تھا۔ کنونشن کی کامیابی کی مسرت سے لبریز میزبان اور مہمان باہمی احساس تشکر مسکراہٹوں اور علی علی کے فلک شگاف نعروں کی گونج میں ایک دوسرے سے جدا ہوئے۔ سماں نہایت مسرت انگیز اور روح پرور تھا۔ 11 اپریل کی شام سے 13 اپریل کی شام تک سرزمین بھکر پر یہی کیفیت طاری رہی۔ کنونشن میں سامعین کے لیے وسیع اور خوبصورت پنڈال بنایا گیا تھا۔ 10 فٹ اونچی اسٹیج بنائی گئی جہاں مقررین اکابرین اور پریس کے نمائندے کرسیوں پر تشریف فرما تھے۔ پورا پنڈال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ پنڈال سے باہر سامعین کی قطاریں چاروں طرف دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ دور دور تک لاؤڈ اسپیکر لگائے گئے تھے۔ پنڈال میں جگہ نہ ہونے کی وجہ سے لوگ درختوں کے نیچے، تنظیموں کے کیمپوں میں چوکوں، ہوٹلوں اور رہائشی کیمپوں میں بیٹھ کر تقاریر سنتے رہے۔ ایک اندازے کے مطابق تعداد 10 لاکھ سے زیادہ تھی۔ اس کنونشن کا اہتمام مجلس نفاذ فقہ جعفریہ بکھر نے کیا۔ امامیہ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن پاکستان اور شیعہ سکاؤٹس نے انتظامات میں معاونت کی۔ ارکان انتظامیہ کی تعداد ہزاروں نوجوانوں پر مشتمل تھی۔ باہر کتابوں کے اسٹال اور تنظیموں کے کیمپ لگائے گئے تھے ہر طرح کے مندوبین کے رہائش اور طعام کی خاطر علیحدہ علیحدہ کیمپ قائم کیے گئے تھے۔ اتنے بڑے اجتماع کے لیے اتنا مکمل خوبصورت اہتمام قیادت کی اعلیٰ صلاحیت اور ارکان انتظامیہ کے خلوص اور محنت کا واضح ثبوت تھا۔ کنونشن دو روز جاری رہا۔ کل چار اجلاس ہوئے۔ مختلف اجلاسوں کی مولانا مفتی جعفر حسین، جسٹس سید جمیل حسین رضوی اور مولانا مرزا یوسف حسین نے صدارت کی۔ خطبہ استقبالیہ کنونشن کے منتظم اعلیٰ سید وزارت حسین نقوی ایڈوکیٹ نے پیش کیا۔ خطاب کرنے والوں میں مولانا مفتی جعفر حسین، مولانا مرزا یوسف حسین، مولانا محمد بشیر صاحب سید جمیل حسین رضوی، سید محسن نقوی، مولانا حسین بخش جاڑا، مولانا عنایت علی شاہ، مولانا نا احمد حسین نوری، مولانا اغا ضمیر الحسن، مولانا گلفام حسین ہاشمی، مولانا ذوالفقار علی شاہ مولانا شبیر حسین، سید ریاض حسین آف موچھ، خادم حسین آصفی اور سید مداح حسین شامل تھے۔ تمام تقاریر کا مرکزی نقطہ صرف ایک تھا کہ اسلامی نظام نافذ کرتے وقت شیعہ فرقے کے لیے فقہ جعفریہ نافذ کی جائے اور شیعہ فرقے کے مذہبی حقوق کا خاص خیال رکھا جائے۔ سید محسن نقوی نے کنونشن کے اخری اجلاس میں شیعہ مطالبات کی قراردادیں پیش کیں۔ عوام نے پرجوش انداز میں ہاتھ اٹھا اٹھا کر قراردادیں متفقہ طور پر منظور کیں۔ قراردادوں میں مطالبہ کیا گیا کہ شیعوں

کے لیے علیحدہ فقہ جعفر نافذ کی جائے۔شیعوں پر تعزیرات کا اطلاق فقہ جعفریہ کے مطابق ہو۔شیعوں کو اور کوئی فقہ منظور نہیں ہوگی۔شیعوں پر وہ عشر لاگو نہ کیا جائے اور شیعوں پر زکوۃ اور خمس لاگو کیا جائے اور فقہ جعفریہ کے مطابق جمع اور خرچ کی جائے۔شیعوں کے لیے علیحدہ وقف بورڈ بنایا جائے۔شیعہ اوقاف کی آمدنی شیعہ فرقے پر خرچ کی جائے۔عزاداری سید الشہداء پر سے ہر قسم کی پابندیاں اٹھائی جائیں م مقامات مقدسہ کی زیارات کے لیے حکومت سہولیات کا بندوبست کرے۔شرعی عدالتوں میں شیعہ علماء شیعہ وکلا کو نمائندگی دی جائے۔تعلیمی پالیسی کے نفاذ میں شیعوں کو نمائندگی دی جائے۔ریڈیو اور ٹی وی پر شیعہ علماء کو اپنے مذہبی پروگرام پیش کرنے کی سہولت فراہم کی جائے۔ایران میں ریفرنڈم کی کامیابی پر آیت اللہ خمینی مدظلہ کی خدمت مبارک باد پیش کی گئی اور حکومت سے مطالبہ کیا گیا جس طرح سعودی عرب کے علماء کو پاکستان کے دورے کی دعوت دی جاتی ہے اسی طرح ایران وعراق کے مجتہدین کو پاکستان کے دورے پر بلایا جائے اور خصوصاً حکومت حضرت آیت اللہ خمینی مدظلہ کے لیے شیعہ عوام کی دعوت پاکستان کے دورے کا اہتمام کرے۔ادھر تقاریر جا رہیں۔تھی دوسری طرف علماء کرام، وکلا اور دانشوران قوم کے اجلاس ہوئے م یہ تمام فیصلے وہیں طے کیے گئے بعد میں عوام سے ان فیصلوں کی منظوری حاصل کی گئی۔کنونشن میں علامہ مفتی جعفر حسین صاحب ممبر اسلامی مشاورتی کونسل کو شیعان پاکستان کا متفقہ طور پر قائد تسلیم کیا گیا۔انہوں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ 30 اپریل سے پہلے حکومت شیعان پاکستان کے مذہبی مطالبات تسلیم کرنے کا اعلان کرے۔عدم قبولیت کی صورت میں 30 اپریل کے بعد شیعہ اپنے مطالبات کے حق میں ملک گیر تحریک شروع کریں گے۔یہ تنظیم تحریک نفاذ فقہ فقہ جعفریہ کہلائے گی۔اس کا صدر دفتر اسلام اباد میں ہوگا۔صوبہ، ڈویژن، ضلع تحصیل اور موضع کی سطح پر بھی تحریک کے دفاتر قائم کیے جائیں

گے۔صدر مملکت سے اپیل کی گئی ہے کہ اپنے قول" اپنا عقیدہ مت چھوڑو، کسی کے عقیدے کو مت چھیڑو" کو عملی جامہ پہنائی شرکاء سے اپیل کی گئی کہ وہ صدر مملکت کو اس سلسلے میں واضح اعلان فرمائیں گے اور یہ بات اتحاد بین المسلمین کے تقویت کا باعث ہوگی۔کنونشن میں شریک عوام کا جذبہ قابل دید تھا۔جب عوام سے ایک پریس لگانے اور روزنامہ نکالنے کے لیے چندے کی اپیل کی گئی تو عوام نے پرجوش انداز میں چندہ دیا۔آدھے گھنٹے میں لاکھوں روپے جمع ہو گئے۔علاوہ ازیں سرگودھا کے قافلہ نے 70 ہزار روپے، ملتان نے 40 ہزار روپے اسلام اباد والوں نے 15 ہزار روپے دینے کا اعلان کیا۔کافی لوگوں نے انفرادی طور پر ایک ہزار روپے سے لے کر 10 ہزار روپے تک چندہ دینے کا اعلان کیا گیا۔وہیں پریس کمیٹی کا اعلان بھی کیا گیا۔آقاے مرتضیٰ پویا نے بھی اپنے طور پر ایک پریس لگانے اور روزنامہ جاری کرنے کا اعلان کیا۔اسی اجلاس میں بھکر کا نام تبدیل کر کے "مرتضیٰ آباد" رکھنے کی تجویز عوام نے نعرہ حیدری کی گونج میں منظور کر لی۔اس شہر کے نام کا سفر بھکر سے مرتضیٰ آباد تک کے سفر ایک تجویز کے نتیجے میں طے نہیں ہو گیا بلکہ یہ شہر اپنے اس استحقاق کی تاریخ رکھتا ہے۔یہ تاریخ مومنین مرتضیٰ آباد کے خلوص، دینی لگاؤ اور جذبہ قربانی سے عبارت ہے۔مرتضیٰ آباد کے عوام کی آل محمد سے محبت ومودت کا ثبوت "قصر زینب" ہے جس کی زیارت کے لیے ملک کی گوشے گوشے سے شیعہ عوام کی آمد کا سلسلہ ہر وقت جاری رہتا ہے۔یہ درگاہ حضرت زینب س کے مزار کی شبیہ ہے۔تعمیر کا ایک شاہ کار ہے۔یہیں مینار فاطمہ اور قصر علی اصغر بھی زیر تعمیر ہے۔کنونشن کا انعقاد جہاں اہل مرتضیٰ آباد کے جذبہ قربانی کی صداقت کا ثبوت ہے وہیں اس کنونشن نے مومنین مرتضیٰ آباد کو ملت جعفریہ کے دلوں میں بلند مقام احترام عطا کیا۔

قرارداد ہائے منظور شدہ آل پاکستان شیعہ کنونشن

منعقدہ 1312 اپریل 1979 مقام مرتضیٰ آباد، بھکر

(1) آل پاکستان شیعہ کنونشن کا یہ عظیم اجتماع تحریک نفاذ فقہ جعفرہ کے سلسلے میں علامہ مفتی جعفر حسین صاحب مجتھد، رکن اسلامی نظریاتی کونسل کی قیادت پر مکمل اعتماد کا اظہار کرتا ہے اس سلسلے میں موصوف کو اختیار دیتا ہے اگر 30 اپریل 1979ء تک تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کا اعلان نہ کیا گیا قوم شیعہ ان کے حکم پر فقہ جعفریہ کے لیے کسی قربانی سے دریغ نہ کرے گی۔

ماہنامہ افکار العارف لاہور
اگست 2023

(2)ال پاکستان شیعہ کنونشن کا یہ عظیم اجتماع علامہ مفتی جعفر حسین صاحب کو قوم شیعہ کی جانب سے یہ اختیار دیتا ہے کہ وہ جلد از جلد صدر پاکستان سے ملاقات کے لیے ایک وفد تشکیل دے کر گفت وشنید کریں تاکہ کئی 30,اپریل 1979 سے قبل یہ اہم ترین مسئلہ افہام وتفہیم کے ذریعے حل ہو سکے۔

(3) آل پاکستان شیعہ کنونشن کا یہ عظیم اجتماع حکومت پاکستان سے مطالبہ کرتا ہے 30اپریل 1979ء سے پیشتر شیعیان پاکستان کے لیے شخصی اور ملکی قوانین میں فقہ جعفریہ کا اطلاق کیا جائے اور جس طرح 12 ربیع اول کو اعلان کیا گیا اس طرح صدر پاکستان فقہ جعفریہ کے نفاذ کا اعلان فرمائیں۔

(4) آل پاکستان شیعہ کنونشن کا یہ عظیم اجتماع حکومت پاکستان سے مطالبہ کرتا ہے کہ فقہ جعفریہ کو دستور پاکستان میں ترمیم کے ذریعے آئینی تحفظ دیا جائے۔

(5) آل پاکستان شیعہ کنونشن کا یہ عظیم اجتماع حکومت پاکستان سے مطالبہ کرتا ہے اسلامی نظریاتی کونسل میں شیعہ علماء اور سکالرز کو مساوی نمائندگی دی جائے۔

(6) آل پاکستان شیعہ کنونشن کا یہ عظیم اجتماع حکومت پاکستان سے مطالبہ کرتا ہے کہ شریعت بینچوں میں شیعہ علماء اور قانون دانوں کو نمائندگی مساوی حیثیت سے دی جائے۔

(7) آل پاکستان شیعہ کنونشن کا یہ عظیم اجتماع حکومت پاکستان سے مطالبہ کرتا ہے شیعیان پاکستان کے لیے زکوۃ کا الگ نظام قائم کیا جائے۔

(8)ال پاکستان شیعہ کنونشن کا یہ عظیم اجتماع حکومت پاکستان سے مطالبہ کرتا ہے کہ شیعہ اوقاف کا شیعہ بورڈ کے تحت انتظام اور اس کی آمدنی شیعہ نقطہ نظر کی تبلیغ پر خرچ کی جائے۔

(9) آل پاکستان شیعہ کنونشن کا یہ عظیم حکومت پاکستان سے مطالبہ کرتا ہے کہ ذرائع ابلاغ عامہ، ریڈیو، ٹیلی ویژن پر شیعہ نقطہ نظر پیش کرنے کے لیے شیعہ علماء واسکالرز کو برابر نمائندگی دی جائے۔

(10) آل پاکستان شیعہ کنونشن کا یہ عظیم اجتماع حکومت پاکستان سے مطالبہ کرتا ہے کہ شیعہ اذان کا بھی ریڈیو ٹیلی ویژن پر اہتمام کیا جائے۔

(11) آل پاکستان شیعہ کنونشن کا یہ عظیم اجتماع حکومت پاکستان سے مطالبہ کرتا ہے کہ عزاداری امام حسین علیہ السلام کے سلسلے میں ناروا پابندیوں کو ختم کیا جائے اور اس کے تحفظ کا باقاعدہ اعلان کیا جائے۔لائسنسوں کی پابندی کو ختم کیا جائے۔

(12) آل پاکستان شیعہ کنونشن کا یہ عظیم اجتماع حکومت پاکستان سے مطالبہ کرتا ہے کہا ہے قائد اعظم یونیورسٹی اسلام اباد میں جو شریعت فیکلٹی قائم کی جارہی ہے اس میں فقہ جعفریہ کا بھی ایک شعبہ قائم کیا جائے۔جس میں علماء ایران اور عراق کی خدمات حاصل کی جائیں۔

(13) آل پاکستان شیعہ کنونشن کا یہ عظیم اجتماع حکومت پاکستان سے پرزور مطالبہ کرتا ہے کہ بھکر کا نام تبدیل کر کے "مرتضی آباد" رکھا جائے جیسا کہ رائیونڈ کا نام مصطفی آباد رکھا جارہا ہے تو اسی مناسبت سے اسلام کے عظیم ہیرو حضرت علی علیہ السلام کے نام مبارک اس شہر کو منسوب کیا جائے اور بھکر کا نام مرتضی پر رکھنے کے اعلان باضابطہ طور پر سرکاری گزٹ میں کیا جائے۔

(14) آل پاکستان شیعہ کنونشن کا یہ عظیم اجتماع حکومت پاکستان سے مطالبہ کرتا ہے کہ ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور جلد 22 شمارہ 12 مجریہ 23 مارچ 1979 تا 20 مارچ میں حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کے متعلق جو نازیبا الفاظ استعمال کیے ہیں اس کے خلاف حکومت فوری طور پر نوٹس لے اور ترجمان اسلام کے خلاف تادیبی بھی کارروائی کرے۔

(15) آل پاکستان شیعہ کنونشن کا یہ عظیم اجتماع شیعہ اکابرین سے درخواست کرتا ہے کہ جلد از شیعہ پریس قائم کر کے روزنامے کا اجراء کیا جائے۔اس کے لیے ایک پانچ رکنی کمیٹی جس میں علامہ مفتی حسین صاحب مجتہد، علامہ محمد بشیر صاحب انصاری، مولانا صفدر حسین نجفی پرنسپل، جامعہ المنتظر

لاہور ، جناب محسن نقوی ڈیرہ غازی خان اور ڈاکٹر محمد علی نقوی رکن آئی ایس او/ آئی او لاہور کو شامل کیا گیا ہے۔ یہ بھی منظور کیا گیا ہے جو رقم جلسہ گاہ میں اکٹھی ہوئی ہے علامہ مفتی جعفر حسین صاحب کی زیر نگرانی لاہور کے کسی بینک میں منتقل کیا جائے اور شیعہ پریس کا مرکز بھی لاہور میں قائم کیا جائے۔حوالہ (ماہنامہ خیر العمل لاہور، مئی 1979ء)

☆☆☆☆☆

٦ جولائی ١٩٨٠ء
تاریخی اسلام آباد کنونشن

از پروفیسر خادم حسین لغاری مرحوم

جان دیں گے، فقہ لیں گے،
شہید فقہ جعفریہ، خون تیرا رنگ لائے گا
شہید فقہ جعفریہ کا خون رنگ لایا ہے۔

چار، پانچ، چھ جولائی 1980 کو اسلام آباد میں جاری رہنے والے کل پاکستان شیعہ کنونشن میں لگائے جانے والے نعروں میں یہ تین مقبول نعرے تھے اور یہ کنونشن کے تین مختلف مراحل کی خاموش ترجمانی کرتے ہیں جن سے کنونشن کو گزرنا پڑا یعنی جدوجہد کا مرحلہ، قربانی کا مرحلہ اور کامیابی کا مرحلہ۔ نفاذ فقہ جعفریہ کے تحریک اس وقت شروع ہوئی جب حکومت کی طرف سے اسلامی نظام کے نفاذ کی تحریک ہوئیں شیعیان حیدر کرار نے مکمل اور پرجوش حمایت کی کہ تفسیر اہل بیت، علوم محمد آل محمد اور فقہ اہل بیت ہی اسلام کی سچی تصویر ہیں۔ اس لیے شیعوں کے لیے فقہ جعفریہ کو قانونی حیثیت دی جائے شیعوں پر شرعی قوانین کا نفاذ فقہ جعفریہ کے مطابق ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں پاکستان کے تمام شیعان حیدر کرار نے فکر وفلسفہ وفکر محمد وآل محمد کے تحفظ کا انفرادی اور اجتماعی طور پر عہد کیا۔ اس لیے کہ یہی آسلام وقران کی مستند تشریح وتفسیر ہے۔ فقہ جعفریہ تحریک منظم طور پر بھکر کنونشن سے شروع ہوئی اور اسلام آباد کنونشن پر کامیابی سے ہم کنار ہوئی۔ مفتی جعفر حسین کی دھیمی مگر مخلص کی حالت رنگ لائی۔ علامہ مفتی جعفر حسین ایسے دینی قائد ہیں جن کی اپنے مقصد سے وفاداری اٹل ہے۔ مقصد سے انحراف، سودے بازی کا ان سے تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس وقت پاکستان کے ڈھائی کروڑ شیعہ مفتی جعفر حسین کی قیادت پر کامل اعتماد رکھتے ہیں۔ مفتی جعفر حسین شیعیان پاکستان کے واحد قائد ہیں۔ مفتی صاحب کی موجودگی میں کوئی دوسرا اس مقام واحترام کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ شیعہ کنونشن کا اسلام اباد میں انعقاد حکومت کے لیے فائدہ مند ثابت ہوا۔ حکومت کو نزدیک سے مسئلے کی نوعیت اور گہرائی کے مطالعہ کا موقع ملا۔ اس سلسلے میں تحسین کے مستحق ہیں صدر پاکستان جنہوں نے دانشمندی کا ثبوت دیتے ہوئے سنجیدہ مسلہ کا صحیح حل نکالا۔ کروڑوں عوام کے جذبات کا احترام کیا۔ دوسرے مسلمان فرقوں کو بھی تہ دل سے صدر مملکت کے فیصلے سے مکمل اتفاق کرنا چاہیے۔ یہی بصیرت کا تقاضا ہے یہ اتحاد بین مسلمین کی راہ اور اور عملی طور پر اسلامی نظام کی کامیابی کی ضمانت ہے۔ اس مختصر مضمون نے کنونشن کے اجتماع کی کثرت عظمت اور گھنگرج کو اجاگر کرنے پر زور نہیں دیا گیا بلکہ شرکاء کنونشن کے قلبی واردات اور محسوسات کی تصویر کشی کرنے کی کوشش کی گئی ہے کیونکہ تین لاکھ کا سن کر ہی ہر باشعور فرد اس اجتماع کی عظمت کا احساس کرسکتا ہے۔ مختصر روئیداد یوں ہے کہ تین جولائی کی شام کو ملک کے مختلف علاقوں سے لوگ اسلام اباد پہنچنا شروع ہو گئے تھے۔ مسجد اثناعشری کے نزدیک ہاکی گراونڈ میں جلسہ ہوتا رہا۔ علماء کے اجلاس ساتھ ساتھ ہوتے رہے جن میں کنونشن کی حکمت عملی غور وخوض ہوتا رہا۔ پانچ جولائی کی صبح بارش ہوتی رہی۔ نو بجے جلسہ شروع ہوا۔ 10 بجے علماء کی میٹنگ ختم ہوئی۔ علماء مفتی صاحب کی قیادت میں پنڈال میں پہنچے۔ علماء نے خطاب کیا۔ مفتی صاحب نے کنونشن کو آئندہ لائحہ عمل کی تفصیل بتائی۔ سب سے پہلے صدر پاکستان سے گفتگو شنید کرنے کی غرض سے سینٹرل سیکرٹیریٹ تک علماء نے پیدل مارچ کرنے کا فیصلہ کیا۔ علماء سیکرٹیریٹ پہنچے۔ صدر مملکت موجود نہ تھے وفاقی وزیر مذہبی امور سے گفت وشنید ہوئی مگر معاملات طے نہ ہو سکے۔ علماء کی واپسی پر مفتی صاحب نے علماء، عوام سمیت سیکرٹیریٹ تک مارچ کرنے کا اعلان کیا۔ علماء نے جلوس کی قیادت کی۔ شیعیان حیدر کرار کا تین لاکھ کا پرجوش ٹھاٹھیں مارتا مرتبہ سمندر ایمبیسی روڈ پر بہ نکلا۔ جلوس چھ بجے شام شروع ہوا۔ جلوس کا اخری حصہ پنڈال سے

نکل رہا تھا تو جلوس کا اگلا حصہ ڈیڑھ میل آ گئے جا چکا تھا۔ راستے میں پولیس جگہ جگہ موجود تھی اور اپنی موجودگی کا احساس دلانے کے لیے بار بار شیلنگ کر رہی تھی۔ جلوس پر جوش مگر پر امن تھا۔ اس لیے کہ قائد کی سخت ہدایت تھی کہ توڑ پھوڑ اور تخریبی کارروائیاں ہرگز نہ کی جائیں م نعرہ تکبیر، نعرہ رسالت، نعرہ حیدری اور دوسرے نعروں سے اسلام اباد کی فضا گونج رہی تھ جلوس پونے سات بجے سیکر ٹیریٹ پہنچنا شروع ہوا۔ ایک گھنٹے میں تین لاکھ انبوہ کثیر سیکرٹریٹ کے مختلف راستوں پر قابض ہو چکا تھا اور یہ اجتماع دوسری رات 10 بجے تک 27 گھنٹے یہیں جما رہا۔ مجالس، ماتم اور پر جوش تقاریر کا سلسلہ جاری رہا۔ اب یہاں عجیب منظر تھا نہ کھانے کی چیزیں نہ پینے کا پانی تین لاکھ انبوہ کثیر خالص دینی مقاصد کی خاطر قربانی دینے کے لیے تیار۔ اہل اسلام اباد اور راولپنڈی نے مومنین کے لیے کھانے پینے کا بندوبست کیا۔ لوگ ٹرکوں ویگنوں پک اپس اور کاروں میں حسب توفیق کھانا لاتے رہے اور سی ڈی اے کی گاڑیاں پانی پہنچاتی رہیں اور پانی اتنا ہوتا کہ لوگوں کو مشکل اپنی کم از کم پیاس بجھا سکتے۔ البتہ یہ پانی بھی رات گئے بند کر دیا گیا۔ پانی اور کھانے کی بندش کے دن کے ایک بجے تک جاری رہی۔ مقررین کے احتجاج اور مذمت کے پیش نظر کھانے اور پانی کی بندش ختم کر دی گئی۔ دوسرے روز چھ جولائی کو آٹھ بجے صبح مفتی جعفر حسین اپنے وفد کے ہمراہ صدر مملکت کی دعوت پر مذاکرات کے لیے تشریف لے گئے۔ وفد کے دوسرے ارکان یہ تھے مولانا گلاب علی شاہ، مولانا صفدر حسین نجفی، شبیر حسین سبزواری اور لیفٹیننٹ کرنل فدا حسین نقوی۔ مذاکرات صبح ساڑھے آٹھ بجے سے رات ساڑھے اٹھ بجے تک پورے 12 گھنٹے جاری رہے۔ تفصیلی بحث و تمحیص کے بعد ایک تحریری معاہدے پر دستخط ہوئے۔ اس میں اعلان کیا گیا کہ پاکستان میں نفاذ اسلام میں شیعوں کے لیے فقہ جعفریہ نافذ کی جائے گی۔ اس سلسلے میں جو قوانین نافذ ہو چکے ہیں 15 ستمبر تک ان میں ترمیم کر دی جائے گی اور فقہ جعفریہ کے مطابق نافذ ہوں گے۔ یہ تحریری معاہدہ مکمل اور واضح تھا۔ یہ معاہدہ پہلے کی صورتحال میں واضح تبدیلی ہے۔ تحریری معاہدے کی صورت میں فقہ جعفریہ کا مسئلہ مکمل طور پر حل ہو چکا ہے۔ کنونشن کے انعقاد کے لیے انتظامی امور امامیہ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن پاکستان اور شیعہ طلباء کی مقام تنظیموں کے ذمے تھا۔ طلباء نے کنونشن کی کامیابی اور شریک عوام کی سہولت میں عظیم کردار ادا کیا۔ آئی ایس او کالج، یونیورسٹی کے شیعہ طلباء میں دین سے رغبت پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کر رہی ہے۔ یہ تنظیم طلبہ کی اہم قوت بن چکی ہے۔

اس تنظیم کے تربیت یافت طلبہ مستقبل میں شیعہ کے لیے عظیم افعال قیادت فراہم کریں گے۔ یہ طلبہ مستقبل میں شیعوں کے حقوق تحفظ کی ضمانت ہیں۔ شیعہ عوام کے دلوں میں ان نوجوان طلباء کے لیے بلند مقام احترام حاصل کر لیا ہے۔ موت حق ہے۔ مرنا سب نے ہے لیکن عظیم ہیں وہ لوگ جو عظیم مقصد کے لیے جان دیں اور مر کر بھی سرخ رو رہیں۔ تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کا پہلا شہید شور کوٹ کا جواں سال محمد حسین شاد ہے جو جلوس کے دوران شہید ہو گیا تھا۔ رات کے ایک بجے تین لاکھ مومنین نے مفتی جعفر حسین کی اقتداء میں نماز جنازہ پڑھی۔ مرحوم مغفور کے لیے دعائے مغفرت کا سلسلہ جاری ہے اور جاری رہے گا۔ مرحوم کی میت کے دیدار سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد چہرے کی نورانیت اور رحمت خداوندی کا نزول کیا چیز ہوتی ہے۔ لوگ شہید کو مختلف ناموں کی صورت میں خراج تحسین پیش کرتے رہے۔ جب مطالبات کی منظوری کے بعد جلوس واپس ہو رہا تھا تو لوگ فلک شگاف نعرے لگا رہے تھے "شہید فقہ جعفریہ خون تیرا رنگ لایا ہے"۔ عبادت معراج انسانیت ہے لیکن خلوص یکسوئی عبادت کی جان ہوتی ہے جہاں پر یہاں تیمم سے پڑھی جانے والی نمازیں جس خلوص، خشوع وجذبہ قربانی کے ساتھ پڑھی گئیں اور دل و دماغ کو جو لطف عبادت حاصل ہوا اس کا احساس دلوں میں ہمیشہ باقی رہے گا۔ ایاک نعبد وایاک نستعین، (ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں) کے مطالب ومعنی دل میں اتر رہے تھے کہ مفسرین مل کر بھی اس نکتہ کو نہ سمجھا سکیں۔ چھ جولائی کی صبح چار بجے سے اٹھ بجے تک موسلا دھار بارش ہوتی رہی۔ لاکھوں کا اجتماع کھلے آسمان کے نیچے لگا تار بارش کا مقابلہ کرتا رہا۔ بارش کے دوران یہ احساس یقین کی صورت اختیار کر رہا تھا یقیناً خدا اس امتحان کے بدلے بڑی مصیبت سے بچا لینا چاہتا ہے۔ یہ احساس عین سچ ثابت ہوا۔ رات کے نو بجے جب لوگ رات کے اندھیرے میں زبردست خطرے کا مقابلہ کرنے اور قربانی دینے کا عزم لیے بیٹھے تھے اچانک مفتی صاحب تشریف لائے اور مطالبات تسلیم ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس طرح خدا نے اپنے گناہ گار بندوں سے آسان سا امتحان لے کر لطف و کرم کی بارش کر دی۔ شیعوں کے مطالبات خالص دینی تھے جب مطالبات تسلیم کر لیے گئے تو شیعہ عوام حکومت کے خلاف نفرت امیز نعرے لگا رہے تھے اپنے دینی مطالبات تسلیم ہونے پر حکومت کے حق میں نعرے لگانے شروع کر دیے اور متفقہ طور پر حکومت جنرل ضیاء کا شکریہ ادا کیا اگر شیعہ سیاسی عزائم لے کر گئے ہوتے تو دینی مطالبات پورے ہونے پر متفقہ طور پر اظہار تشکر نہ کرتے۔

6 جولائی 1980ء معاہدہ اسلام آباد کا عکس مع ترجمہ

ملت پاکستان کی یقین دہانی مورخہ ۶ جولائی ۱۹۸۰ء

PRESS NOTE

RAWALPINDI, JULY 6: AT THE INVITATION OF THE PRESIDENT, GENERAL MOHAMMED ZIA-UL-HAQ, A DELEGATION OF SHIA LEADERS HEADED BY MUFTI JAFFER HUSSAIN MET HIM AT CMLA'S SECRETARIAT HERE TODAY.

THE OTHER MEMBERS OF THE DELEGATION WERE MAULANA SYED GHULAB SHAH, MAULANA SYED SAFDAR HUSSAIN NAJAFI, LT COL (RETD) SYED FIDA HUSSAIN NAQVI AND SYED SHABBIR HUSSAIN, ADVOCATE.

AFTER HEARING THE POINT OF VIEW OF THE SHIA DELEGATION, THE PRESIDENT REITERATED HIS EARLIER ASSURANCE THAT RELIGIOUS FAITH OF EVERY CITIZEN OF PAKISTAN WILL BE FULLY RESPECTED AND FIQAH OF ONE SECT WILL NOT BE IMPOSED ON ANOTHER. ALLAYING THE APPREHENSIONS OF SHIA LEADERS, THE PRESIDENT SAID THAT HE STOOD BY HIS EARLIER COMMITMENT TO THE SHIA COMMUNITY AND WOULD TAKE NECESSARY STEPS TO HONOUR IT IN LETTER AND SPIRIT.

THE PRESIDENT ADDED THAT IF ANY LAW, ORDINANCE OR ACT REPUGNANT TO THE SPIRIT OF HIS ASSURANCE HAS BEEN ENFORCED NECESSARY AMENDMENTS WOULD BE MADE TO BRING IT IN LINE WITH THE POINT OF VIEW OF FIQAH JAFRIA FOR SHIAS. HE ALSO ASSURED THAT WHILE FRAMING LAWS IN FUTURE DUE REGARD WILL BE GIVEN FOR FIQAH JAFARIA FOR THE SHIAS. NECESSARY LEGISLATION TO THIS EFFECT WILL BE MADE BY 15 SEPTEMBER 1980.

MUFTI JAFFAR HUSSAIN THANKED THE PRESIDENT FOR REITERATING HIS POSITION AND PROMISED TO ADVISE SHIAS GATHERED AT ISLAMABAD TO RETURN TO THEIR RESPECTIVE HOMES.

Mr Mahmud A Haroon,
Minister for Religious Affairs
6/7/80

Mufti Jafar Hussain
6/7/80

صدر جنرل محمد ضیاء الحق صاحب ایوان صدر میں علامہ مفتی جعفر حسین صاحب سے مصروف گفتگو ہیں

(۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

راولپنڈی ۶ جولائی ۔ صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق کی دعوت پر شیعہ راہنماؤں کے ایک وفد نے مفتی جعفر حسینؒ کی قیادت میں آج سی ایم ایل اے سیکرٹریٹ میں صدر سے ملاقات کی ، ان کے ہمراہ

(۲)

وفد کے دوسرے اراکین یہ تھے ، مولانا سید گلاب شاہ ، مولانا سید صفدر حسین نجفی ، لیفٹیننٹ کرنل (ریٹائرڈ) سید فدا حسین نقوی اور سید شبیر حسین ایڈووکیٹ ۔ شیعہ وفد کا نقطۂ نظر سننے کے بعد صدر نے اپنی سابقہ یقین دہانی کو دہرایا کہ ملک کے ہر شہری کے مذہبی عقائد کا

(۳)

پورا پورا احترام کیا جائے گا اور کسی ایک فرقے کا فقہ دوسرے پر مسلط نہیں کیا جائیگا ۔ شیعہ لیڈروں کے خدشات کو رفع کرتے ہوئے صدر مملکت نے کہا کہ وہ اہل تشیع سے کئے ہوئے اپنے وعدے پر قائم ہیں اور وہ اسے اس کے روح و معانی کے مطابق عملی جامہ پہنانے کیلئے

(۴)

ضروری اقدامات کریں گے ۔ صدر مملکت نے مزید کہا کہ اگر کوئی قانون ان کے اس وعدے کے منافی نافذ ہو چکا ہے تو اس میں ضروری ترمیم کردی جائے گی تاکہ وہ اہل تشیع کیلئے فقہ جعفریہ سے ہم آہنگ ہو جائے ۔ انہوں نے یہ بھی یقین دلایا کہ مستقبل میں اس بات کا خیال رکھا جائے گا

(۵)

کہ ہر نئے قانون میں اہل تشیع کیلئے فقہ جعفریہ محفوظ رہے ۔ اس سلسلے میں ضروری قانون ۱۵ ستمبر ۱۹۸۰ تک بنا دیا جائے گا ۔ مفتی جعفر حسین نے صدر مملکت کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے اپنے سابقہ وعدے کا اعادہ کیا ۔

(۶)

مفتی صاحب نے یہ بھی یقین دلایا کہ اسلام آباد میں جو اہل تشیع جمع ہیں انہیں مشورہ دیں گے کہ وہ اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جائیں ۔

شہید فقہ جعفریہ
محمد حسین شاد

شہید فقہ جعفریہ کی عظیم قربانی نے ملت جعفریہ کو ایک نئی قوت بخشی ہے۔ شہید کے خون نے تمام قوم کو ایک ولولہ تازہ دیا ہے۔ یہ بات ہر شخص نے اپنے دل کی دھڑکنوں سے سنی ہے جو روز شہادت اسلام آباد میں موجود تھا۔ 5-جولائی 1980ء کی شام کے چھ بجنے کو تھے۔ قائد نے سیکرٹریٹ کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔ تو مجاہدین کا جوش وخروش دیدنی تھا۔ نعرہ حیدری کی صداؤں نے ایک مرتبہ تو شہر کو لرزا دیا تھا۔ قائد ملت جعفریہ کی کار آئی ایس او کے استقبالیہ کیمپ سے آگے بڑھی ادھر سے ایک آنسو گیس شیل نے استقبال کیا۔ دوسرا شیل کیمپ کی طرف تیسرا فقہ جعفریہ کے پر جوش جیالوں کے درمیان گرا۔ لیکن کار نہایت پھرتی سے آگے بڑھی۔ عوام اس کے پیچھے پیچھے درختوں کے دونوں اطراف سڑکوں پر علی علی کے نعرے لگاتے ہوئے تیزی رفتاری بپھرے ہوئے مجاھد آگے بڑھنے لگے۔ شیلنگ اور فائرنگ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے زخمی بھی منزل کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اسی اثناء میں ایک نوجوان سڑک پر گرا۔ سر کا ایک حصہ جدا ہو گیا تھا چند مومنین اور آئی ایس او کے کارکن زخمی مجاہد کی طرف لپکے۔ باقی مجاہدین منزل کی طرف ثابت قدمی سے بڑھ رہے تھے ان میں اس زخمی مجاہد کا بھائی بھی تھا۔ یہ گرنے والا زخمی مجاھد بعد میں ہسپتال پہنچ کر چل بسا، یہ محمد حسین شاد تھا۔ جسے قوم نے شہید فقہ جعفریہ کا خطاب دیا اس کے ہمراہ بلند ہمت بھائی تھا اس کا نام منظور حسین تھا۔ شہید کے جسم سے گھنٹوں بعد تک خون جاری تھا سید امجد کاظمی نے اس بہنے والے خون کا پیغام پڑھا پھر یہ پیغام کپڑے پر لکھ دیا۔ شہید کا جو خون ہے وہ قوم کی حیات ہے۔

لوگ تعزیت کے لیے شہید کے بھائی کے پاس جاتے تو جواب ملتا" مجھے افسوس ہے کہ شہادت کا درجہ میں حاصل نہ کر سکا۔ میرا بھائی مجھ سے سبقت لے گیا مجھ سے چھوٹا تھا اور بڑا کام کر گیا۔ تم تعزیت کیوں پیش کرتے ہو ہم تو آئے ہی اسی مقصد کے لیے تھے" محمد حسین شہید- ایک عظیم شہید- لازوال قربانی، فقہ امام صادق کا پروانہ- جو گھر سے چلا تو- دوستوں سے الوداعی ملاقات کی- ماں سے کہا (امی جان)" میں شہید ہونے جا رہا ہوں، جو نئے پودے لگائے ہیں انہیں پانی دیتے رہیے گا" علم حضرت عباس کو پکڑا اور شہادت کے لیے رو رو کر دعا کی۔ محمد حسین شاہ شہید جو آئی ایس او کے کفن پوش نوجوانوں کے جذبات سے اتنا متاثر ہوا کہ اپنے بھائی سے کہا بھائی جان ان نوجوانوں سے پہلے شہید ہوں گا۔ بھائی جان وضو کر لیتے ہیں تا کہ شہادت پا کر بی بی فاطمہ کے حضور سرخ رو ہو سکیں۔ بھائی جان! شہادت کے بعد آپ میرے وارث ہوں گے۔ واقعی اس نے سب کہی باتیں پوری کر دکھائیں۔ قول کا سچا ہو تو ایسا ہو۔ محمد حسین شہید جو صرف دس منٹ پہلے جب آئی ایس او کے کفن پوش نوجوانوں کا دستہ روانہ ہونے کو تھا تو آئی ایس او کے استقبالیہ کیمپ میں آیا اور آئی ایس او کے نوجوانوں کو خراج عقیدت پیش کر کے اپنے آخری سفر پر روانہ ہو گیا تھا۔

محمد حسین شاد شہید--- جو تھیم خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ شورکوٹ کے باسیوں کی آنکھ کا تارا تھا۔ ہر دلعزیز، نماز گزار اور ماتم دار سید الشہداء تھا۔ بائیس سال کی جوانی تھی بیوہ ماں اور تین بھائیوں سے بچھڑ گیا لیکن کسی نے اس کی ماں یا بھائیوں کو روتے ہوئے نہیں دیکھا۔ محمد حسین شاد شہید اس کی ماں نے جب یہ خبر سنی کہ اسلام آباد میں ایک آدمی شہید ہو گیا ہے تو فوراً بولیں وہ یقیناً میرا بیٹا ہے کیوں کہ وہ گھر سے یہی آرزو لے کر گیا تھا" محمد حسین شاد کی لاش بصد اصرار انتظامیہ سے حاصل کی گئی اور شب کے ڈھائی بجے شہید کا جنازہ سیکریٹریٹ پہنچا جہاں مومنین نے درود وسلام کے نعروں سے والہانہ استقبال کیا۔ قبلہ مفتی جعفر حسین نے نماز جنازہ پڑھائی اور لاکھوں مجاھدین نے اپنے قائد کی اقتداء میں شہید فقہ جعفریہ کی نماز جنازہ ادا کی۔

امامیہ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن پاکستان، امامیہ آرگنائزیشن پاکستان اور حیدری اسکاؤٹس نے اپنے جیالے نوجوان کو باضابطہ سلامی کے ساتھ رخصت کیا اور ادھر سکریٹریٹ کی فضائیں مسلسل اس نعرے سے گونجتی رہیں "شہید فقہ جعفریہ خون تیرا رنگ لائے گا" حکومت کے ساتھ معاہدہ طے پانے کے بعد مجاہدین گھروں کو روانہ ہوئے تو ہر زبان پر تھا "شہید فقہ جعفریہ خون تیرا رنگ لایا ہے۔"

جب خصوصی ہیلی کاپٹر کے ذریعے شہید کا جنازہ شورکوٹ پہنچا تو ہزاروں مومنین اور انتظامیہ کے اہم اراکین استقبال کے لئے موجود تھے دور سے آئے ہوئے مؤمنین نے شہید کو نذرانہ عقیدت پیش کیا شورکوٹ کربلا میں شہید کو دفن کیا گیا جہاں شہر کی ہر زیارت آ کر ٹھہر جاتی ہے۔ محمد حسین شہید زندہ ہے اور یقیناً زندہ ہے کہ اس نے جوانی میں حضرت علی اکبر کا راستہ اختیار کیا اور ان لوگوں جوار رحمت میں جا بسا جو اس آیت قرآنی کے مصداق ہیں۔ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں انہیں مردہ نہ کہو وہ تو زندہ ہیں لیکن تم ان کی زندگی کا شعور نہیں رکھتے۔

مفتی جعفر حسین مرحوم

پروفیسر ڈاکٹر قاری محمد طاہر مدیر ماہنامہ التجوید فیصل آباد

ڈاکیہ آیا، اگست کا ''پیام'' لایا۔ حسب عادت ہم نے پہلے ''اجمال پیام'' میں مضامین کی فہرست پر نظر ڈالی۔ مطالعے کی ترجیحات قائم کیں۔ بالکل اسی طرح جیسے کمرہ امتحان میں سوالیہ پیپر پر طالب علم اپنی منشاء کے جوابات لکھنے کی ترتیب قائم کرتا ہے۔

ایک مضمون مولانا محمد اسحاق بھٹی کا تھا۔ عنوان تھا ''مفتی جعفر حسین''۔ یہ مضمون اسحاق بھٹی صاحب کی کتاب 'بزم ارجمندان' سے مقتبس تھا۔ بزم ارجمندان ہم نے پہلے بھی دیکھ رکھی تھی لیکن تکراری لذت کا اپنا ہی مزا ہے۔ لوگ صحافتی زبان میں اسے قند مکرر کا نام دیتے ہیں۔ بھٹی صاحب معتدل فکر، معتدل سوچ رکھنے والے عالم ہیں۔ قلم کے ساتھ ان کا رشتہ کافی مضبوط ہے۔ یہ رشتہ آج کا نہیں نصف صدی پرانا ہے۔ کئی کتابیں ان کے قلم سے نکلیں۔ مسلکاً اہل حدیث ہیں لیکن ذہن میں سختی اور تشنّج نہیں۔ کھرے کو کھرا کہنے میں باک نہیں رکھتے۔ مجال نہیں کہ کھوٹے کو کھرا کہہ دیں لیکن کھوٹے کو کھوٹا کہنے کا سلیقہ ضرور رکھتے ہیں۔ اس معاملے میں حکمت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔

مفتی جعفر حسین کے بارے میں ان کا مضمون پڑھا تو ماضی کے مضراب پر ضرب لگی اور بہت سے خیالی ساز و آواز نے ذہن کی تاروں کو چھیڑ دیا۔ مفتی جعفر حسین کے حوالے سے یہ چند سطریں یاد ماضی کا حصہ ہیں۔ ۱۹۶۲ء یعنی ساٹھ کی دہائی کی بات ہے۔ ملکی فضا میں فرقہ واریت نے ارتعاش کی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ تمام اکابر اس لگی کو بجھانے، ٹھنڈا کرنے کی فکر میں تھے۔ ہمارے استاد علامہ علاء الدین صدیقی پنجاب یونیورسٹی میں شعبہ علوم اسلامیہ کے بانی صدر تھے۔ انہوں نے لاہور موچی دروازہ میں تین روزہ سیرت النبیؐ کانفرنس منعقد کرائی۔ جس میں شیعہ، سنی، دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث مکاتب فکر کے چوٹی کے علماء کو دعوت بیان دی گئی۔ مقصد اتحاد بین المسلمین کی فضا پیدا کرنا تھا۔ علامہ علاء الدین صدیقی مولانا احمد علی لاہوری کے شاگرد رشید اور راست فکر عالم تھے۔ ماضی میں بازار سیاست میں اپنی صلاحیتوں کا سکہ جما چکے تھے۔ تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔ مسلم لیگ کے راہ نما تھے۔ میاں ممتاز دولتانہ کے مقابلہ میں پنجاب مسلم لیگ کا الیکشن بھی لڑا۔ آپ بعد میں پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر بنے۔ پھر اس وقت کے صدر پاکستان جنرل محمد ایوب خان نے ان کو اسلامی نظریاتی کونسل کا سربراہ مقرر کیا۔ آپ اتحاد بین المسلمین کے نقیب تھے۔ مذکورہ کانفرنس انہوں نے سلگتی پر پانی ڈالنے کے لیے منعقد کرائی۔ کانفرس بڑی بھرپور تھی۔ راقم نے مفتی جعفر حسین کو پہلی مرتبہ اس کانفرنس میں دیکھا اور ملاقات بھی کی۔ آپ انتہائی دھیمے انداز میں شستہ گفتگو کرتے تھے۔ کہنے کو گوجرانوالہ کے تھے لیکن اردو لہجہ میں لکھنوی انداز کا غلبہ تھا۔ ہم نے ان کو اہل زبان ہی خیال کیا۔ لیکن بھٹی صاحب کے مضمون سے معلوم ہوا کہ ان کا جم پل پنجابی زبان کے گڑھ گوجرانوالہ کا تھا۔ لیکن ان کی گفتگو میں گوجرانوالہ کی ٹکسالی زبان کا دور دور تک نشان نہ ملا۔ زبان کی چاشنی اسی جمال ہم نشین در من اثر کرد کا نتیجہ تھی۔ آپ تحصیل علم کی غرض سے کافی عرصہ لکھنو میں رہے۔

ان کی تقریر سے قبل جناب آغا شورش کاشمیری کی تقریر تھی۔ آغا صاحب شہنشاہ خطابت تھے۔ تحریر و تقریر میں ان کا سکہ چلتا تھا۔

ہفت روزہ چٹان کے ایڈیٹر تھے۔تقریر کرتے مجمع باندھ دیتے۔تقریر میں گھن گرج کے علاوہ برمحل اشعار سے تقریر کو مزین کرنا ان کا کمال تھا۔ نادر الفاظ اور تراکیب کے استعمال میں یدطولیٰ رکھتے تھے۔ایسا محسوس ہوتا ہے کہ الفاظ کی مالا ان کے گرد ہالہ کئے دست بستہ کھڑی ہے۔ان کی تقریر کے دوران پورے مجمع پر سناٹا طاری ہوگیا۔عموماً ان کی تقریر آخر میں ہوتی، کیونکہ لوگ ان کی تقریر کے بعد کسی اور مقرر کو سننا پسند ہی نہ کرتے۔ اتفاق سے ان کی تقریر کے دوران ہلکی سی آندھی آئی اور شامیانے ہوا کے دباؤ سے اڑنے لگے۔

شورش مرحوم کی تقریر کے بعد سٹیج سے مفتی جعفر حسینؒ کا نام پکارا گیا لیکن مجمع ہل گیا۔لوگ جانے لگے۔مفتی صاحب مرحوم سٹیج پر آئے۔خطبہ مسنونہ اہل تشیع کے انداز میں پڑھا۔لوگ کہاں ٹھہرتے۔

مفتی صاحب نے پر اعتماد انداز میں تقریر شروع کی۔ کہنے لگے، ابھی میرے بھائی آغا شورش کاشمیری تقریر کر رہے تھے تو سائبان ہلنے لگے تھے۔ میری باری آئی ہے تو صاحبان بھی ہلنے لگے۔بس اس ادبی جملے نے جادو کا اثر کیا۔لوگ جہاں تھے وہیں بیٹھ گئے۔مفتی صاحب نے قریباً آدھا گھنٹہ تقریر کی۔ سیرت کے حوالے سے انتہائی نادر نکات پیش کئے۔ان کی تقریر کے کچھ حصے اب تک ذہن میں محفوظ ہیں۔فرمانے لگے، اللہ نے دنیا سجائی تھی۔اپنے نائب آدمؑ کو پیدا کیا۔جنت میں بھیجا۔فرمایا یہ میری جنت ہے یہاں رہو مزے کرو۔ جہاں چاہو گھومو پھرو۔بس ایک پابندی ہے۔اس درخت کے قریب نہ پھٹکنا۔شیطان آدم کا ازلی دشمن تھا۔اس نے ورغلایا اور ان کو ممنوعہ درخت کا پھل کھلا دیا، پھل نے تاثیر دکھلا دی۔جنت کا لباس فاخرہ تار تار ہوگیا۔اللہ نے فرمایا، تم جنت میں رہنے کی صلاحیت کو کھو بیٹھے ہو۔لہٰذا اب یہاں نہیں رہ سکتے، زمین پر جاؤ۔زمین پر آئے تو آدم کے بیٹے نے دوسرے بھائی کو قتل کر دیا۔ ناحق خون سے زمین ناپاک ہوگئی۔خون کے چھینٹوں نے زمین گندی کر دی۔ اللہ نے نوحؑ کو بھیجا۔جاؤ زمین کو دھو کر پاک کراؤ۔نوحؑ کے سیلاب نے زمین کو دھو کر صاف کر دیا۔زمین پاک ہوگئی۔پھر اللہ نے ابراہیمؑ کو زمین پر بھیجا۔زمین کو پھلواری گھاس کے ذریعے خوبصورت بناؤ۔قل یا نار کونی برداً و سلاماً علی ابراہیم

بس پھر کیا تھا زمین گل وگلزار ہوگئی۔اب خطرہ تھا کوئی موذی کوئی دشمن گھاس اور باغیچہ میں چھپا نہ بیٹھا ہو کہ گزند پہنچائے۔اللہ نے موسیٰؑ کو بھیجا۔ایک ہاتھ میں ڈنڈا تھا دوسرے ہاتھ میں ٹارچ تھما دی۔ تاکہ اچھی طرح کونے کھدرے میں دیکھیں کوئی چھپا نہ بیٹھا ہو۔ایک موذی فرعون پایا گیا۔موسیٰؑ نے مار بھگایا۔پھر رب نے عیسیٰؑ کو بھیجا کہ اچھی طرح جائزہ لیں اور واپس آکر خبر دیں کہ سب ٹھیک ہے۔یہ سارا اہتمام بس ایک شخصیت کی تشریف آوری کے لیے تھا۔طوفان نوح سے زمین کا پاک کروانا، زمین کو گل وگلزار بنانا۔عیسیٰؑ کے ذریعے سارا جائزہ لینا، یہ سب اہتمام محمد ﷺ کی تشریف آوری کے لیے تھا۔ جب سب بندوبست ہوگیا تو اللہ نے جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو بھیج دیا۔ساتھ ہی قرآن بھی اتارا اور اعلان کر دیا، قرآن میرا آخری پیغام ہے۔محمد ﷺ میرا آخری نبی ہے۔قرآن کے بعد کوئی کتاب نہیں، محمد ﷺ کے بعد قیامت تک کوئی نبی نہیں۔یہ تقریر جادو اثر ثابت ہوئی۔لوگ مبہوت دم بخود بیٹھے رہے۔اس کانفرنس کو منعقد کرانے والے، تقاریر کرنے والے سب کردار زمین بوس ہوگئے۔منوں مٹی کے نیچے جا چکے۔وہاں جا چکے جہاں سے کبھی کوئی واپس نہ آیا۔

اللھم اغفر لھم وارحمھم

اکتیس علماء کے بائیس نکات

پاکستان میں نفاذِ شریعت کو روکنے کے لئے سیکولر طبقے کی ایک اہم دلیل یہ تھی کہ علماء فرقہ واریت کا شکار ہیں اور وہ اس پوزیشن میں نہیں کہ اسلامی نظام کے ایک تصور پر اتفاق کیا جا سکے۔ ان کا خیال تھا کہ علماء نے قرآن مجید کے اصولوں کو اس طرح کی مبہم تشریحات دی ہیں کہ اسلام میں مشترکہ لائحہ عمل ختم ہو گیا۔ ان کا ماننا تھا کہ مختلف مکاتب فکر کے علماء عقلی اور منظم آئینی لائحہ عمل دینے سے قاصر ہیں، جو پاکستانی مسلمانوں کی اکثریت کے لئے قابل قبول ہو سکے۔ اس دلیل کا مقابلہ کرنے اور اتحاد کا مظاہرہ کرنے کے لئے، مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے 31 علماء نے یہ چیلنج قبول کیا- 21 سے 24 جنوری 1951 کو کراچی میں منعقدہ ایک کنونشن میں تمام مسالک کے جید علماء جمع ہوئے۔ مکمل بحث و مباحثہ کے بعد، انہوں نے 22 اصولوں کا ایک پروگرام وضع کیا جو ان کے مطابق اسلامی ریاست کے لئے کم سے کم تھا۔ ان کا دیا ہوا فارمولا عام طور پر علماء کے بائیس نکات کے نام سے جانا جاتا ہے۔

نکات ترمیم

(1) اصل حاکم تشریعی و تکوینی حیثیت سے اللہ رب العالمین ہے۔

(2) ملک کا قانون کتاب و سنت پر مبنی ہوگا اور کوئی ایسا قانون نہ بنایا جا سکے گا، نہ ایسا حکم دیا جا سکے گا جو کتاب و سنت کے خلاف ہو۔

(3) مملکت کسی جغرافیائی، نسلی، لسانی یا کسی اور تصور پر، بلکہ ان اصول اور مقاصد پر مبنی ہوگی جن کی اساس اسلام کا پیش کیا ہو ضابطہ حیات ہے۔

(4) اسلامی مملکت کا یہ فرض ہوگا کہ کتاب و سنت کے بتائے ہوئے معروضات کو قائم کرے، منکرات کو مٹائے اور شعائر اسلام کے احیاء و اعلاء اور متعلقہ اسلامی فرقوں کیلئے ان کے اپنے مذہب کے مطابق ضروری اسلامی تعلیم کا انتظام کرے۔

(5) اسلامی مملکت کا یہ فرض ہوگا کہ وہ مسلمانان عالم کے رشتہ اتحاد و اخوت کو قوی سے قوی تر کرنے اور ریاست کے مسلم باشندوں کے درمیان عصبیت جاہلیہ کی بنیادوں پر نسلی، لسانی، علاقائی یا دیگر مادری امتیازات کے ابھرنے کی راہیں مسدود کر کے ملت اسلامیہ کی وحدت کے تحفظ و استحکام کا انتظام کرے۔

(6) مملکت بلا امتیاز مذہب و نسل وغیرہ تمام ایسے لوگوں کی لابدی انسانی ضروریات یعنی غذا، لباس، مسکن، معالجہ اور قیام کی کفیل ہوگی جو اکتساب رزق کے قابل نہ ہوں یا نہ رہے ہوں عارضی طور پر بے روزگار ہوں، بیماری یا دوسرے وجوہ سے فی الحال سعی اکتساب پر قادر نہ ہوں۔

(7) باشندگان ملک کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو شریعت اسلامیہ نے ان کو عطا کیے ہیں یعنی حدود قانون کے اندر تحفظ جان و مال و آبرو، آزادی مذہب و مسلک، آزادی عبادات، آزادی ذات، آزادی اکتساب رزق، ترقی کے مواقع میں یکسانی اور رفاہی ادارات سے استفادہ کا حق۔

(8) مذکورہ بالا حقوق میں سے کسی شہر کا کوئی حق اسلامی قانون کی سند جواز کے بغیر کسی وقت سلب نہ کیا جائے گا اور کسی مجرم کے الزام میں کسی کو بغیر فراہمی موقع صفائی و فیصلہ عدالت کوئی سزا نہ دی جائے گی۔

ماہنامہ افکار العارف لاہور

اگست 2023

(9) مسلمہ اسلامی فرقوں کو حدود قانون کے اندر پوری مذہبی آزادی حاصل ہوگی ۔انہیں اپنے پیروؤں کو اپنے مذہب کی تعلیم دینے کا حق حاصل ہوگا ۔ وہ اپنے خیالات کی آزادی کے ساتھ اشاعت کرسکیں گے۔ ان کے شخصی معاملات کے فیصلے ان کے اپنے فقہی مذہب کے مطابق ہوں گے اور ایسا انتظام کرنا مناسب ہوگا کہ انہیں کے قاضی یہ فیصلہ کریں گے۔

(10) غیر مسلم باشندگان مملکت کو حدود قانون کے اندر مذہب وعبادت، تہذیب وثقافت اور مذہبی تعلیم کی پوری آزادی ہوگی اور انہیں اپنے شخصی معاملات کا فیصلہ اپنے مذہبی قانون یا رسم ورواج کے مطابق کرانے کا حق حاصل ہوگا۔(11) غیر مسلم باشندگان مملکت سے حدود شریعت کے اندر جو معاہدات کئے گئے ہیں ان کی پابندی لازمی ہوگی اور جن حقوق شہری کا ذکر دفعہ نمبر 7 میں کیا گیا ہے ان میں غیر مسلم باشندگان ملک برابر شریک ہوں گے۔

(12) رئیس مملکت کا مسلمان مرد ہونا ضروری ہے جس کے تدین، صلاحیت اور اصابت رائے پر جمہور یا ان کے منتخب نمائندوں کو اعتماد ہو۔

(13) رئیس مملکت ہی نظم مملکت کا اصل ذمہ دار ہوگا، البتہ وہ اپنے اختیارات کا کوئی جزو کسی فرد یا جماعت کو تفویض کرسکتا ہے۔

(14) رئیس مملکت کی حکومت مستبدانہ نہیں، بلکہ شوارئی ہوگی یعنی وہ ارکان حکومت اور منتخب نمائندگان جمہور سے مشورہ لے کر اپنے فرائض سر انجام دے گا۔

(15) رئیس مملکت کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ وہ دستور کو کلاً یا جزواً معطل کرکے شوریٰ کے بغیر حکومت کرنے لگے۔

(16) جو جماعت رئیس مملکت کے انتخاب کی مجاز ہوگی، وہ کثرت آراء سے اسے معزول کرنے کی بھی مجاز ہوگی۔

(17) رئیس مملکت شہری حقوق میں عامتہ المسلمین کے برابر ہوگا اور قانونی مواخذہ سے بالاتر نہ ہوگا۔

(18) ارکان وعمال حکومت اور عام شہریوں کے لئے ایسا ہی قانون و ضابطہ ہوگا اور دونوں پر عام عدالتیں ہی اس کو نافذ کریں گی۔

(19) محکمہ عدلیہ، محکمہ انتظامیہ سے علیحدہ اور آزاد ہوگا تا کہ عدلیہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں ہیئت انتظامیہ سے اثر پذیر نہ ہو۔

(20) ایسے افکار ونظریات کی تبلیغ و اشاعت ممنوع ہوگی جو مملکت اسلامی کے اساسی اصول ومبادی کے انہدام کا باعث ہوں۔

(21) ملک کے مختلف ولایات واقطاع مملکت واحدہ کے اجزاء انتظامی متصور ہوں گے، ان کی حیثیت نسلی، لسانی یا قبائلی واحدہ جات کی نہیں، بلکہ محض انتظامی علاقوں کی ہوگی، جنہیں انتظامی اختیارات کے پیش نظر مرکز کی سیادت کے تابع انتظامی اختیارات سپرد کرنا جائز ہوگا، انہیں مرکز سے علیحدگی کا حق حاصل نہ ہوگا۔

(22) دستور کی کوئی ایسی تعبیر معتبر نہ ہوگی جو کتاب وسنت کے خلاف ہو۔

دستخط کرنے والی شخصیات

۱۔ (علامہ) سلیمان ندوی (صدر مجلس ہذا) ۲۔ (مولانا) سید ابوالاعلیٰ مودودی (امیر اسلامی پاکستان) ۳۔(مولانا) شمس الحق افغانی (وزیر معارف۔ ریاست قلات) ۴۔(مولانا) محمد بدر عالم (استاذ الحدیث۔ داالعلوم اسلامیہ اشرف آباد۔ ٹنڈو اللہ یار۔سندھ) ۵۔ (مولانا) احتشام الحق تھانوی (مہتمم دار العلوم الاسلامیہ اشرف آباد۔سندھ) ٦۔ (مولانا) محمد عبدالحامد قادری بدایونی (صدر جمعیۃ العلمائے پاکستان۔ سندھ) ۷۔(مفتی) محمد شفیع (رکن بورڈ آف تعلیماتِ اسلام مجلس دستور ساز پاکستان) ۸۔ (مولانا) محمد ادریس (شیخ الجامعہ، جامع عباسیہ بہاولپور) ۹۔(مولانا) خیر محمد (مہتمم، مدرسہ المدارس، ملتان، شہر) ۱۰۔ (مولانا مفتی) محمد حسن (مہتمم مدرسہ اشرفیہ نیلا گنبد، لاہور) ۱۱۔ (پیر صاحب) محمد امین الحسنات (مانکی شریف، سرحد) ۱۲۔ (مولانا) محمد یوسف بنوری (شیخ التفسیر، دارالعلوم اسلامیہ، اشرف آباد، سندھ) ۱۳۔(حاجی) خادم الاسلام محمد امین (خلیفہ حاجی ترنگ زئی، المجاہد آباد، پشاور صوبہ سرحد) ۱۴۔ (قاضی) عبدالصمد سربازی (قاضی قلات، بلوچستان) ۱۵۔ (مولانا) اطہر علی (صدر عامل جمعیۃ العلماء اسلام مشرقی، پاکستان) ١٦۔(مولانا) ابوجعفر محمد صالح (نائب صدر جمعیۃ العلماء اسلام، مشرقی پاکستان) ۱۷۔ (مولانا) راغب احسن (نائب صدر جمعیۃ العلماء اسلام، مشرقی پاکستان) ۱۸۔(مولانا) محمد

حبیب الرحمن (نائب صدر جمعیۃ المدرسین، سرسینہ شریف، مشرقی پاکستان)۱۹۔ (مولانا) محمد علی جالندھری (مجلس احرار اسلام، پاکستان)۲۰۔ (مولانا) داؤدغزنوی (صدر جمعیۃ اہل حدیث، مغربی پاکستان)۲۱۔ (مفتی) جعفرحسین مجتہد (رکن بورڈ آف تعلیمات اسلام، مجلس دستور ساز، پاکستان)۲۲۔ (مفتی حافظ) کفایت حسین مجتہد (ادارہ عالیہ تحفظ حقوقِ شیعہ پاکستان، لاہور)۲۳۔ (مولانا) محمد اسماعیل (ناظم جمعیت اہل حدیث، پاکستان گوجرانوالہ)۲۴۔ (مولانا) حبیب اللہ (جامعہ دینیہ دارالہدیٰ، ٹیڑھی، خیرپور میر)۲۵۔ (مولانا) احمد علی (امیرانجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ، لاہور)۲۶۔ (مولانا) محمد صادق (مہتمم مدرسہ مظہر العلوم، کھڈہ، کراچی)۲۷۔ (پروفیسر) عبدالخالق (رکن بورڈ آف تعلیماتِ اسلام، مجلس دستورساز، پاکستان)۲۸۔ (مولانا) شمس الحق فرید پوری (صدر مہتمم مدرسہ اشرف العلوم ڈھاکہ)۲۹۔ (مفتی) محمد صاحبداد عفی عنہ (سندھ مدرسہ الاسلام، کراچی)۳۰۔ (مولانا) محمد ظفر احمد انصاری (سیکرٹری بورڈ آف تعلیماتِ، مجلس دستور ساز پاکستان)۳۱۔ (پیر صاحب) محمد ہاشم مجددی (ٹنڈوسائیں داد، سندھ)

علامہ مفتی جعفرحسین صاحب صدرادارہ تحفظ حقوق شیعہ پاکستان اس کمیٹی کا رکن تھے جن نے قرارداد مقاصد مرتب کی جو ملک کے ائین کے اصل و

اثاث قرار پائی۔ ذیل میں ان کی مرتت کردہ قراررہے مقاصد نقل کررہے ہیں۔ چونکہ اللہ تبارک وتعالی یہ کل کائنات کا بلاشرکت غیر حاکم مطلق ہے اس نے جمہور کی وساطت سے مملکت پاکستان کو اختیار حکمرانی اپنی مخل کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کے لیے نیابدن عطافرمایا ہے کیونکہ یہ اختیار حکمرانی ایک مقدس امانت ہے۔

قرارداد مقاصد کا متن

اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کل کائنات کا بلاشرکتِ غیرے حاکمِ مطلق ہے۔ اُس نے جمہور کے ذریعے مملکت پاکستان کو جو اِختیار سونپا ہے، وہ اُس کی مقررہ حدود کے اندر مقدس امانت کے طور پر استعمال کیا جائے گا۔ مجلس دستورساز نے جو جمہور پاکستان کی نمائندہ ہے، آزاد و خود مختار پاکستان کے لیے ایک دستور مرتب کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ جس کی رو سے مملکت اپنے اختیارات واقتدار کو جمہور کے منتخب نمائندوں کے ذریعے استعمال کرے گی۔ جس کی رو سے اسلام کے جمہوریت، حریت، مساوات، رواداری اور عدل عمرانی کے اصولوں کا پورا اتباع کیا جائے گا۔ جس کی رو سے مسلمانوں کو اس قابل بنادیا جائے گا کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی کو قرآن وسنت میں درج اسلامی تعلیمات ومقتضیات کے مطابق ترتیب دے سکیں۔ جس کی رو سے اس امر کا قرار واقعی اہتمام کیا جائے گا کہ اقلیتیں، اپنے مذاہب پر عقیدہ رکھنے، عمل کرنے اور اپنی ثقافتوں کو ترقی دینے کے لیے آزاد ہوں۔ جس کی رو سے وہ علاقے جو اب تک پاکستان میں داخل یا شامل ہوجائیں، ایک وفاق بنائیں گے

*جس کے صوبوں کو مقررہ اختیارات واقتدار کی حد تک خود مختاری حاصل ہو گی۔ جس کی رو سے بنیادی حقوق کی ضمانت دی جائے گی اور ان حقوق میں جہاں تک قانون واخلاق اجازت دیں، مساوات، حیثیت ومواقع کی نظر میں برابری، عمرانی، اقتصادی اور سیاسی انصاف، اظہارِ خیال، عقیدہ، دین، عبادت اور جماعت کی آزادی شامل ہوگی۔ جس کی رو سے اقلیتوں اور پسماندہ و پست طبقات کے جائز حقوق کے تحفظ کا قرار واقعی انتظام کیا جائے گا۔ جس کی رو سے نظامِ عدل گستری کی آزادی پوری طرح محفوظ ہوگی۔ جس کی رو سے وفاق کے علاقوں کی صیانت، آزادی اور جملہ حقوق، بشمول خشکی وتری اور فضا پر صیانت کے حقوق کا تحفظ کیا جائے گا۔ تاکہ اہل پاکستان فلاح وبہبود کی منزل پاسکیں اور اقوام عالم کی صف میں اپنا جائز وممتاز مقام حاصل کریں اور امن عالم اور بنی نوع انسان کی ترقی وخوش حالی کے لیے اپنا بھرپور کردار ادا کرسکیں۔

بغیر دعوت مجلس میں شرکت؛ عزادار حسین نقوی عزیز کالونی لاہور

حضرت علامہ مفتی جعفر حسین اعلیٰ اللہ مقامہ کی چند مجالس سننے پر اندازہ ہوا کہ یہ بہت بڑی علمی شخصیت ہیں چونکہ ہم ذاکر سننے والے لوگ تھے تو اُن کی گفتگو ہمارے شعور سے بہت بلند تھی مگر خوبصورت لب ولہجہ اب بھی یاد ہے، اُردو دان طبقہ کے لیے قبلہ کا عظیم احسان، نہج البلاغہ اور صحیفہ کاملہ کا ترجمہ فراموش نہیں کرسکتا بلکہ سیرت امیر المومنینؑ بھی ہدایت کا زندہ سرچشمہ ہے۔

سانحہ عزیز کالونی 1979ء میں قبلہ نے مظلومین کی خوب مدد فرمائی، مرحوم خاقان بابر ایڈووکیٹ کو مقدمات کی وکالت کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ پس زندان سادات کی رہائی کے لیے مختلف انداز میں کوششیں کی گئیں۔ اسی سلسلے میں سرگودھا جانا ہوا تو دارالعلوم محمدیہ میں بہت بڑی مجلس عزاء برپا تھی۔ بڑے بڑے نامور ذاکرین وعلماء اکرام خطاب فرما رہے تھے، جس بھی مقرر کو اسیران کی رہائی کی دُعا کے لیے عرض کی گئی تو جواب ملا توہین عدالت لگ جائے گی۔ مجبوراً علامہ محمد حسین نجفی قبلہ کو ملنا پڑا اُنھوں نے خوب مہمان نوازی فرمائی اور ہماری گزارشات پُورے انہماک سے سنیں بلکہ مکمل تعاون کا یقین بھی دلایا۔ پل نمبر گیارہ پر صرف ایک مجلس عزاء کے زریعے سے گورنر اور صدر کو آٹھ سو سے زائد ٹیلی گرامز بجھوائی گیں۔ قبلہ نے یہ بھی بتایا کہ مفتی صاحب قبلہ نے تحریک کی اعلیٰ سطحی میٹنگ میں یہ معاملہ تفصیل سے پیش کیا ہے۔

خاطرات وواقعات
حضرت علامہ مفتی جعفر حسین اعلیٰ اللہ مقامہ

بھکر کنونشن بہت ساری خوبصورت یادیں رکھتا ہے، جہاں ملک بھر سے نمائیندگان قوم وسیع تعداد میں موجود تھے جہاں مفتی صاحب قبلہ کو تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کی قیادت سونپی گئی، جب جنرل ضیاء الحق نے اسلامائیزیشن کے نام پر اسلامی نظریاتی کونسل کے فیصلے پر جھوٹ بولا کہ پوری قوم فقہ حنفیہ کے نفاذ پر متفق ہے تو مفتی صاحب قبلہ نے ایک بڑی پریس کانفرنس میں بتایا کہ انہوں نے واضح اختلافی نوٹ لکھا ہے جس سے جھوٹ کی قلعی کُھل گئی۔

اسلام آباد کنونشن کے نتیجہ میں بھی قبلہ مفتی صاحب نے کھل کر کہا تھا کہ میں تمھیں معاہدہ سے ایک انچ بھی ہٹنے نہیں دوں گا، مفتی صاحب کو بغرض علاج برطانیہ جانا ہوا تو ہسپتال میں پاکستان کے سفیر پھولوں کا گلدستہ لے کر عیادت کے لیے آئے تو مفتی صاحب نے فرمایا کہ مجھے ان پھولوں سے شہداء کے خون کی بو آ رہی ہے فوری طور پر مُلک میں امن وامان بحال کیا جائے، قبلہ کی علالت میں امامیہ پبلکیشنز کے وفد کے ساتھ متعدد بار گوجرانوالہ اور میو ہسپتال جانے کا موقع ملا۔ ہم ایک مرتبہ ایک ائر کولر خرید کر لے گئے اور قبلہ کی خدمت میں درخواست کی گئی کم از کم ہوا ٹھنڈی ہو جائے گی۔ قبلہ نے فرمایا آپ میرے پاس بیٹھے دیکھ رہے ہیں میری رہائش بالائی منزل پر ہے جہاں کھڑکیاں کھول دی جائیں تو تازہ ہوا آ ہی جاتی ہے البتہ جامعہ جعفریہ میں طلباء کرام شدید گرمی محسوس کرتے ہیں یہ کولر وہاں لگوا دیا جائے تو اُن کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے وہاں نصب کروا دیا گیا۔

ایک مرتبہ قبلہ کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ نیچے دستک ہوئی مرحوم ومغفور ملک فیض بخش نے اُوپر سے نیچے دیکھا تو عرض کی قبلہ چند طالب علم آپ کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ مفتی صاحب قبلہ نے گرج دار آواز میں فرمایا ملک صاحب! طالب علم نہیں طلباء کرام کہتے ہیں۔ ایک بار کربلا گامے شاہ لاہور میں 25 محرم کی سالانہ مجلس ہو رہی تھی کہ یکا یک نعرے بلند ہونے لگے ایک ہی قائد ایک ہی رہبر مفتی جعفر مفتی جعفر۔ ناظم ممبر نے سٹیج پہ بلا لیا، اس دوران ناظم منبر نے شکایت کی کہ ہم نے ذاکرین کو دعوت اور وقت دیا ہوا ہے، یہاں وقت کی خلاف ورزی ہو رہی ہے، مفتی جعفر حسین قبلہ جو قاید ملت تھے انہوں نے اسٹیج پہ آ کے فرمایا کہ مجھے باقی کسی کا علم نہیں میں تو ادھر سے گذر رہا تھا شائق صاحب کو ملنے کے لیے، باہر دیوار پہ مجلس کا اشتہار دیکھا تو حاضری لگوانے آ گیا اتنی سادہ طبیعت تھی کہ قائد ہو کے بھی بنا دعوت مجلس میں پہنچ گئے، آجکل جو حالات ہیں اس سے تو سب قارئین آگاہ ہیں۔

بالآخر مفتی صاحب قبلہ کے انتقال کی خبر جنگل میں آگ کی طرح پھیل گئی مینار پاکستان پر اُن کے جنازے کا فقیدالمثال استقبال ہوا اور لاکھوں سوگواروں کو اضطراب میں چھوڑ کر کربلا گامے شاہ میں سُپرد خاک ہو گئے۔ خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

کپڑے گیلے ھیں۔۔

29 اگست۔ برسی مفتی جعفر حسین مرحومؒ برادر ضیاء الحق ترمزی مرحوم راوی ہیں کہ قائد بننے کے بعد مفتی جعفر حسین رح نے محرم امام بارگاہ مہاجرین، جھنگ میں پڑھا۔ ہم لوگ مغرب کے بعد امام بارگاہ چلے جاتے۔ سوز خوانی

شروع کر دیتے، مفتی صاحب آدھے گھنٹے کے بعد تشریف لاتے۔ ایک دن ایسا ہوا کہ کافی دیر ہو گئی مفتی صاحب تشریف نہیں لائے۔ کسی کو بھیجا کہ وہ مفتی صاحب کو لے آئے۔ اس نے دیکھا کہ مفتی صاحب کے کپڑے گیلے ہیں اور وہ پنکھے کے نیچے کھڑے ہیں۔ اس کو دیکھ کر قبلہ مفتی صاحب کہنے لگے۔ وہ جب نہانے لگے تو کپڑے میلے تھے۔ انہیں دھولیا۔ اب یہ خشک ہوتے ہیں تو آتا ہوں۔"

مری کی سیر۔۔۔استاد غلام حسین انجم دنیوری

مری اجلاس کے دو سیشن ہوئے۔ آخری سیشن کے بعد جب سورج مری کی پہاڑیوں میں میں محوخواب تھا قائد ملت علامہ مفتی جعفر حسین مری کے بازار دیکھنا چاہتے تھے۔ میں بھی ساتھ ہولیا۔ حسب عادت آستین پہنے بغیر قبا دوش پر تھی بازار گئے۔ آپ نے فرمایا نواسی نکہت کے لیے کوئی تحفہ دیکھو۔ جب کھلونوں کی قیمت کا پتا چلا تو فرمایا بہت زیادہ مہنگے ہیں اور یہ فضول خرچی ہے اور نواسی نکہت کے لیے کوئی چیز خریدے بغیر گھوم پھر کر واپس ہو گئے۔ دوسرے دن صبح ایک نو شیعہ مولانا صاحب جو جامعۃ المنتظر لاہور میں میرے ہم درس تھے ساتھ گیا انہوں نے تقریباً دو ہزار کی خریداری کی۔

یقیناً یہ نعرہ درست ہے

ہمارے قائد ہمارے رہبر۔۔۔ مفتی جعفر مفتی جعفر

برادر سید صباح حسن بیان فرماتے ہیں" ۱۹۷۸ کی بات ہے۔ میرے بہنوئی کے والد کا فیصل آباد میں انتقال ہوا۔ مجلسِ سوئم پڑھنے کے لئے مفتی صاحب کو زحمت دی تھی اور ان سے کہا تھا کہ ٹرین کی تفصیلات بتا دیں تا کہ سٹیشن گاڑی بھیج دی جائے۔ مجلس کی صبح چوکیدار نے میرے بہنوئی کو آ کے بتایا کہ ایک باباجی آئے ہیں رکشے پہ اور آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ میرے بہنوئی گیٹ پہ گئے تو مفتی صاحب رکشے والے کو ادائیگی کر رہے تھے۔ ان سے شکوہ کیا تو فرمانے لگے کہ میں تعزیت کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ اس کے آداب کے خلاف تھا کہ میں آپ سے سواری منگواتا۔" برادر عابد بخاری آف بھکر رقم طراز ہیں:- 1981 میں برادرم مولانا نجم الحسن نقوی ڈویژنل صدر لاھور ڈویژن تھے اور میں ان کے ساتھ فنانس سیکرٹری تھا تو ھم سیالکوٹ کے ٹور سے واپسی پر میں نے خواھش کی کہ گوجرانوالہ میں قبلہ قائد محترم کی زیارت کرتے چلیں، نجم بھائی اور میں قبلہ کے گھر، دروازے پر گئے اور دستک دی تو قبلہ کے گھر والوں نے پوچھا ھم نے قبلہ محترم کی ملاقات کا اظہار کیا، تو گھر والوں نے بتایا کہ ابھی چند منٹ پہلے لاھور کے لئے اڈے کی طرف گئے، ھم بھاگے تانگہ اسٹینڈ کی طرف تو دیکھا کہ قبلہ محترم تانگے کے پیچھے بیٹھے تھے، ھاتھ میں روٹی تھی، جو کہ تناول فرما رھے تھے۔ ھم نے سلام کیا تو فرمانے لگے بھائی جلد لاھور جانا تھا تو اسی لئے بیگم سے کہا ھمیں روٹی دے دو راستے میں کھالیں گے۔ یوں ھم اکٹھے لاھور کے لئے قبلہ محترم کے ساتھ روانہ ھوئے۔ یاد رھے قبلہ قائد ملت تھے اس وقت۔ قبلہ مفتی جعفر حسین مرحوم، امامیہ مسجد لوکو شیڈ، لاہور میں مجلس سے خطاب کرتے آئے۔ خطاب کے بعد آپ نے بتایا کہ مجھے اسٹیشن جانا ہے وہاں سے گوجرانولہ چلا جاؤں گا۔

ایک شخص گاڑی لے کر حاضر ہو گیا کہ میں چھوڑ دیتا ہوں۔ آپ نے فرمایا میں نے ابھی مجلس عزاء سے خطاب کیا ہے میرا دل نہیں چاہتا کہ مصائب پڑھنے کے بعد پر آسائش سہولت سے استفادہ کروں۔ سامنے سڑک پر ٹانگے اسٹیشن جا رہے تھے۔ ایک سالم ٹانگہ آپ کے لیے منگوایا گیا جس کا کرایہ دو روپے تھا۔ آپ نے کہا میں تو اس پر نہیں جاؤں گا۔ یہ تو اصراف ہے۔ سواریوں والا ٹانگہ روکیں۔ میں تو چار آنے دے کر جاؤں گا۔ اور اسی طرح کیا گیا۔ (قبلہ مفتی جعفر حسین مرحوم کے بارے میں ایک انٹرویو سے اقتباس) اس روایت کے راوی جناب مولوی محمد حسین اعلی اللہ مقامہ خطیب جامع مسجد علی ابن ابی طالب علیہ السلام لاھور کینٹ ھیں وہ فرماتے ھیں! ایک دفعہ مفتی جعفر حسین صاحب قبلہ لاھور کینٹ تشریف لائے تو مومنین کینٹ نے ان کے اعزاز میں عشائیہ کا اہتمام کیا جب وقت طعام آیا تو مفتی صاحب نے دیکھا کہ دعوت میں ھر طرح کے انتہائی پر تکلف کھانے چنے گئے ھیں۔ آپ نے باری باری تمام کھانے ملاحظہ فرمائے اور آخر میں فرمایا کہ اس دستر خوان پر میری پسند کی تو کوئی چیز ہی نہیں ھے سب میزبان پریشان ہو گئے کہ کیا کمی رہ گئی ھے آخر ہمت کر کے پوچھا گیا کہ مفتی صاحب آپ کی پسند؟" دال مسور" مفتی صاحب نے زیر لب متبسم ھو کر فرمایا۔ بالآخر دال مسور پکا کر پیش کی گئی تب مفتی صاحب نے اس کے ساتھ تناول فرمایا! (ظل حسنین علوی)

مفتی جعفر حسین صاحب مرحوم کے بارے ایک واقعہ کے راوی سید ثناء الحق ترمذی مرحوم ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ مفتی صاحب ان کے ہاں عشرہ پڑھنے تشریف لائے ہوئے تھے۔ دستر خوان پر کھانا کھانے بیٹھے پہلا لقمہ لیا تو سالن کی پلیٹ میں تھوڑا پانی ڈالا اور پھر کھانا کھانے لگے انہوں نے پوچھا کہ مفتی صاحب کیا مرچیں زیادہ ہیں جو پانی ملایا ہے؟ کہنے لگے نہیں دراصل سالن زیادہ مزیدار ہے اس لئے پانی ملایا ہے۔۔۔ اللہ اکبر۔۔۔ ایسے عظیم لوگ مزے کے لئے تھوڑی کھاتے تھے؟ (ذوالفقار علی

بخاری ایڈووکیٹ)

قائدملت جعفریہ علامہ مفتی جعفر حسین قبلہ جب قائد تھے تو ایک مرتبہ کبیر والا مصدر العلوم جعفریہ میں تشریف لائے۔ میں اس وقت سکول میں پڑھتا تھا غالباً آٹھویں جماعت میں میں نے اور میرے ماموں زاد بھائی سید سہیل اصغر نے بچوں کی ایک تنظیم انجمن غلامان علی اصغر بنائی ہوئی تھی جس کے تحت ہم محفل میلاد ومجلس وغیرہ منعقد کرتے تھے جبکہ ہمارے بڑے بھائیوں نے انجمن رضا کاران حسینی بنا رکھی تھی دونوں تنظیمیں مرکزی امام بارگاہ حسینیہ سادات سے وابستہ تھیں مفتی جعفر حسین کی آمد پر ملتان روڈ جنرل بس اسٹینڈ پر انکے استقبال کا پروگرام ترتیب دیا گیا اس وقت یہ شہر کا مرکزی حصہ تصور ہوتا تھا۔ ہمارے بزرگ، علمائے کرام اور شیعہ اکابرین کے ساتھ ہم لڑکے بھی اس استقبال کے لیے وہاں جمع تھے۔ لوگ شاید منتظر تھے کہ مفتی صاحب قبلہ کسی کار میں تشریف لائیں گے کہ اچانک گورنمنٹ ٹرانسپورٹ (جی ٹی ایس) کی سرخ رنگ کی بس رکی اور دیگر مسافروں میں مفتی جعفر حسین بھی اس سے اترے ان کے ہاتھ میں ایک سیاہ رنگ کا بیگ تھا جیسے ہی ہمارے بڑوں نے دیکھا ان کی طرف لپکے اور انہیں اپنے حصار میں لے لیا اور ہم نے نعرے لگانے شروع کر دیئے مفتی جعفر حسین زندہ باد قائد ملت زندہ باد اور انہیں مدرسہ مصدر العلوم جعفریہ کے آئے جہاں انہوں نے جلسے سے خطاب کیا شام کو ہماری دو تنظیموں نے ان کے اعزاز میں چائے کی دعوت رکھی مرکزی امام بارگاہ حسینیہ سادات میں ہال کے ساتھ ایک بالائی کمرہ ہوتا تھا جس میں اس دعوت کا اہتمام کیا گیا جس کے اخراجات دونوں تنظیموں نے برابر حصہ ڈال کر کیے۔ مفتی جعفر حسین قبلہ نے اس موقع پر نوجوانوں کو وعظ ونصیحت کرتے ہوئے کردار سازی کی طرف متوجہ کیا اور سیرت ائمہ پر سختی سے عمل پیرا رہنے کی نصیحت کی۔

(راوی سید فرخ رضا ترمذی)

پروفیسر سید سجاد رضوی

مولانا مفتی جعفر حسین ہمارے علماء کے اس گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جنہوں نے اپنے علم وفضل اور ورع وتقویٰ کی ازمائش وقت کے ہاتھوں کروائی ہے اور اپنے مخالفوں سے بھی اپنی علمی صلابت اور کردار کی پختگی کا لوہا منوایا ہے۔ ایک وقت تھا کہ غلامان حیدر کرار کی محفلوں کو اشاعت علوم محمد وآل محمد کے مرکز کی حیثیت حاصل تھی۔ ہمارا منبر اباد تھا۔ ہمارے منصۂ خطابت پر مولانا سبط حسن، مولانا سید کلب حسین، مولانا عدیل اختر، مولانا ابن نونہروی، قاری لقا علی حیدری، مولانا سید محمد سبطین، حافظ کفایت حسین، مولانا سید محمد دہلوی، مولانا محمد بشیر انصاری، مولانا سید علی حائری، مولانا سید محمد باقر نجفی، مولانا سید ابن حسن جارچوی، مولانا قمر الزمان میرٹھی، مولانا فیض محمد لکھیالوی، حافظ ذوالفقار علی شاہ اوران کے امثال جلوہ گر ہوتے تھے اور علم وعرفان کے دریا بہاتے تھے۔اج یہ سب اپنے خالق کے جوار رحمت میں جاگزیں ہیں۔ اس گروہ میں چند ایک ارکان ابھی ہمارے درمیان ہیں۔ خدا انہیں زندہ سلامت رکھے۔ اس میں مولانا سید علی نقی قبلہ، مولانا مفتی جعفر حسین، مولانا مرتضیٰ حسین، مولانا سید ظفر حسن امروہوی کے اسماء قابل توجہ ہیں اوران کے دم سے بھی منبر آباد ہے خدا اسے آباد رکھے۔

مولانا مفتی جعفر حسین قبلہ اس گروہ کے سربرآوردہ رکن ہیں۔ اس گروہ کی نمایاں خصوصیت میں علم وعرفان کی گہرائی ہی نہیں بلکہ اس کے علاوہ اس میں اہم تر امتیازی نشان یہ ہے ان حضرات گرامی نے ذکر محمد ال محمد کو تجارت نہیں بنایا نہ اپنی دکان خطابت کو چمکانے کے لیے ان طریقوں کو استعمال کیا جن سے منبر کا وقار مجروح ہو اور ذکر محمد وال محمد کی شان میں کمی واقع ہو۔ ان حضرات نے پہلے کسب علم کیا پھر نشر علم پر کمربستہ ہوئے۔ جو بات کی باون تولے پاورتی کی کھری بات کی اس پر کوئی بدترین دشمن بھی انگشت نمائی نہ کر پائے۔ انہوں نے تحقیق واحتیاط کو اپنا وطیرہ بنایا اور محمد وآل محمد کے نام سے غلط بیانات داغنے کو کفر گردانا۔

ان حضرات گرامی میں مفتی جعفر حسین صاحب قبلہ کو امتیازی مقام حاصل ہے۔ ان کا ایک امتیاز یہ ہے کہ انہوں نے صرف تقریر ہی کو ذریعہ نشر حق نہیں گردانا بلکہ تحریر کو بھی استعمال فرمایا۔ تحریر کے میدان میں ان کی رفاقت مولانا محمد سبطین مرحوم، مولانا سید علی نقی مدظلہ، مولانا ظفر حسن امروہوی، مولانا علی حائری علی اللہ مقامہ جیسے حضرات کا نام اتا ہے لیکن ایک بات ایسی ہے کہ جس نے قبلہ مفتی صاحب کو انفرادیت بخشی ہے وہ ان کے کردار کا عملی پہلو ہے۔ پاکستان میں ملت جعفریہ کی قیادت کا فریضہ جس فراست سے انہوں نے سرانجام دیا ہے وہ اور حضرات کے حصے میں نہ آ سکا۔ اسلام آباد کنونشن میں اور اس کے بعد ان کی قیادت نے شیعیان حیدر کرار کا نام پاکستان اور پاکستان سے باہر روشن کیا اور ثابت کیا شیعہ صرف ملت گریہ کن ہی نہیں بلکہ وقت کرنے پر حق کی خاطر سنت شبیری کو ادا پڑنے پر حق کی خاطر سنت شبیری کو ادا کرنے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں۔ آج مفتی صاحب قبلہ غیروں کی نگاہ میں شیعان پاکستان کی رمز وحید ہیں۔ خدا انہیں زندہ وسلامت رکھے اور شیعان پاکستان کو اپنی قیادت سے نوازنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

قائدِ ملت جعفریہ مفتی جعفر حسینؒ، ملک فیض بخش کی زبانی

- مرحوم مفتی جعفر حسین کے داماد ملک فیض بخش سے خصوصی مصاحبہ کا احوال
- مفتی جعفر حسین کی سادگی ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکی ہے
- دوست مفتی جعفر کو اُنکو ابوزر زماں بھی کہتے تھے
- ملک فیض بخش کے ہم عصر اپنی محفلوں میں "داماد ملت جعفریہ" کے نام سے یاد کرتے تھے

مصاحبہ کار: توقیر ساجد کھرل

ملک فیض بخشِ امامیہ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن پاکستان کی پہلی اور دوسری مرکزی کابینہ کے رکن رہے ہیں۔ 2014 میں جب ان سے مصاحبہ کیا تو وہ اس وقت دنیا ٹی وی میں اپنی صحافتی خدمات انجام دے رہیں تھے، آپ اس سے پہلے ایرنا نیوز ایجنسی میں بطور بیورو چیف خدمات انجام دیتے رہے، ملک فیض بخش کے مطابق انہیں امام خمینی رضوان اللہ تعالٰی کی دست بوسی کرنیکا بھی شرف حاصل ہوا تھا۔ وہ جامعہ جعفریہ گوجرانوالہ کے مسئول بھی رہے۔ تنظیمی احباب میں قائد ملت جعفریہ علامہ مفتی جعفر حسین مرحوم سے تعلق ہی انکا تعارف تھا۔ ان کے ہم عصر اپنی محفلوں میں "داماد ملت جعفریہ" کے نام سے یاد کرتے تھے۔ راقم الحروف نے 27 اگست 2014 کو اسلام ٹائمز کیلئے نے مفتی جعفر حسین مرحوم کی برسی کی مناسبت سے اُن کے داماد ملک فیض بخش سے مفتی مرحوم کی شخصیت اور انکی زندگی کے حوالے سے انٹرویو کیلئے لاہور میں جیل روڈ پہ ملاقات کی ،انہوں نے انٹرویو سے قبل مفتی جعفر حسین کا اپنی اکلوتی بیٹی سے پدرانہ شفقت سے بھرپور تعلق کا ذکر کیا کہ وہ اپنی بیٹی کی تربیت کیلئے آئمہ طاہرین کی سیرت طیبہ کو مدنظر رکھتے تھے۔ انٹرویو کے بعد مجھے بتایا کہ عرصہ بعد آج کسی نے مفتی جعفر صاحب کا ذکر چھیڑا ہے۔ میرے پاس ان کی نایاب تصاویر بطور امانت محفوظ ہیں وہ بھی پبلش کر دیں تا کہ نئی نسل بھی ان نایاب تصویریں سے استفادہ کرسکیں۔ ملک فیض بخش مرحوم سے مصاحبہ کے بعد متعدد بار ملاقات ہوئی۔ وہ ہر سال برسی مفتی جعفر حسین کے موقع پہ کربلا گامے شاہ میں مزارِ اطہر پہ آئی ایس او پاکستان کے زیر اہتمام برسی میں شریک ہوتے اور مرحوم کی خدمات کو خراج تحسین پیش کرتے تھے۔ امامیہ اسکاوٹس کی حوصلہ افزائی کرتے تھے، مفتی جعفر حسین کے طور سادگی کو ہی ترجیح دیتے تھے۔ وہ علم دوست تھے ان کی لائبریری میں کتب کا ایک قیمتی ذخیرہ تھا، بطور صحافی انہوں نے ملک و بیرون ملک اپنا لوہا منوایا، 19 دسمبر 2019 کو مختصر علالت کے بعد لاہور میں انتقال ہوا۔ انٹرویو کا مختصر احوال پیش خدمت ہے!

آپکے خیال میں قائد ملت جعفریہ مفتی جعفر حسین مرحوم کی قیادت میں 1980ء کنونشن کی کامیابی کے کتنے ثمرات سے ملت نے استفادہ حاصل کیا۔؟

ملک فیض بخش: 1980ء کا اسلام آباد کنونشن دو مقاصد کے لئے تھا، ایک ضیاء الحق حکومت کی طرف سے زکوٰۃ کا نفاذ جو کیا گیا تھا وہ بالکل غیر منصفانہ تھا، چونکہ یہ عبادات کا حصہ ہے، اس لئے اس حوالے سے تمام مسالک کا اپنا اپنا ادا کرنے کا طریقہ کار ہے۔ گو اس میں زکوٰۃ جو کہ عبادت ہے، پر دوسرے مسلک کا ادا کرنے کا طریقہ مسلط کرنا تھا جبکہ یہ بعد میں انکشاف ہوا کہ ضیاء الحق کا زکوٰۃ آرڈیننس مسلمانوں کے کسی بھی مسلک سے مطابقت نہیں رکھتا تھا۔ یعنی ناقص آرڈیننس تھا، اس لئے مطالبہ تھا کہ اس آرڈیننس کو منسوخ کروایا جائے، جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ ضیاء الحق کے زمانے سے سپاہ صحابہ وجود میں آئی اور اسی دور میں انقلاب اسلامی ایران کا بھی زمانہ تھا، پاکستان میں انقلاب کی حمایت سے باز رکھنے اور اس انقلاب کی حمایت کی تحریک کو کمزور کیا جا سکے، کے لئے

متشدد گروہ تشکیل پائے اور ملت تشیع پاکستان پر تشدد کا سلسلہ ٹارگٹ کلنگ کی شکل میں شروع ہو گیا۔ یعنی دوسرا مطالبہ تھا حکومت ان عناصر کی حوصلہ شکنی کرے اور ملت تشیع کو تحفظ فراہم کرے۔ اس کنونشن کا فائدہ یہ ہوا کہ زکوٰۃ آرڈیننس سے شیعہ مسلک کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا گیا اور اسی وجہ سے ملت تشیع کا دائرہ وسیع ہونا شروع ہوا، اس کنونشن کے ثمرات میں یہ بات انتہائی اہمیت کی حامل ہے، ملت تشیع پاکستان پہلی مرتبہ بیدار ہوئی، اپنے حقوق سے آگاہ ہوئی اور ملت کو ایک راستہ بھی معلوم ہو گیا کہ اپنے حقوق کو منوانے کیلئے ایک مضبوط قیادت کی ضرورت کیا ہوتی ہے۔

قائد مرحوم کو بزرگی کے عالم میں بھی ضیاء الحق جیسے ظالم کے دور میں بھی کبھی مایوس نہیں دیکھا گیا، اس کی کیا خاص وجوہات ہیں۔؟

ملک فیض بخش: مایوسی کسی بھی حقیقت آگاہ شخص کے نزدیک نہیں بھٹکتی ہمیشہ امید کے ساتھ جدوجہد کی جاتی ہے۔ وہ اپنی زندگی میں بھی کبھی مایوس نہیں ہوئے مفتی جعفر نے زمانہ طالبعلمی سے جب وہ لکھنو میں زیر تعلیم تھے اور جب نجف تشریف لے گئے تو انتہائی کٹھن حالات تھے، ایک امید کے ساتھ آگے بڑھتے رہے اور زیور علم سے خود کو آراستہ کیا۔ ان کی زندگی کا دوسرا پہلو تصنیف و تالیف ہے جب نہج البلاغہ کا الہامی ترجمہ کرنے کے دوران اس میں آپ نے ۱۴ سال صرف کئے ہیں اس زمانہ میں چونکہ ان کے گھر پر بجلی کی سہولت نہیں تھی اپنے اپنے مکان کی چھت پہ لالٹین کی روشنائی سے کتابوں سے استفادہ اور ترجمہ نہج البلاغہ لکھتے تھے پھر صحیفہ کاملہ کے بعد سیرت امیر المومنین علیہ السلام زیر تصنیف تھی کہ آخری وقت قریب آ گیا قیادت کے دور میں بھی انتہائی عزم، حوصلہ اور امید کے ساتھ اپنا یہ فریضہ بڑے احسن طریقہ سے انجام دیا۔

قائد مرحوم کے انداز قیادت کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ موجودہ قیادت کو کس روش پر دیکھتے ہیں۔؟

ملک فیض بخش: مفتی جعفر حسین کے زندگی کے پہلو کا جائزہ لیا جائے تو ایسا لگتا ہے کہ مفتی مرحوم شریعت مطاہرہ کے احکامات کے وجود کا حصہ بن چکے تھے جب انکی زندگی کے آخری ایام تھے اور وہ کینسر کے مرض میں مبتلا تھے تو وضو نماز کی تاکید کرتے تھے۔ کچھ لوگوں کو دیکھ کر فرمایا کہ قرآن و اہلبیت کا باہمی تعلق کیا ہے؟ اگر اہلبیت (ع) کا اسوہ مبارک ہمارے سامنے نہ ہو تو ہمیں معلوم نہ ہوتا کہ قرآن کا مقصود کیا ہے، یعنی وہ ایسی شخصیت تھے کہ احکامات اسلامی، اسوہ محمد و آل محمد نہ صرف جانتے ہی نہیں تھے بلکہ وجود کے اوپر نافذ بھی کیا۔ قیادت کے سلسلہ میں بھی احکامات شریعت ہمیشہ مفتی جعفر کے پیش نظر ہوتے تھے اور 2 چیزیں بہت نمایاں تھیں، ''تصرف فی النفوس اور تصرف فی الاموال'' میں جب تک شرعی جواز نہ ملتا تھا کوئی اقدام نہیں کرتے تھے۔ تصرف فی النفوس یعنی جب کسی بھی موقع پر میٹنگ کی ضرورت محسوس کرتے تھے تو صرف اس وقت میٹنگ کی کال کرتے تھے اور تصرف فی الاموال کی مثال یہ ہے کہ انہوں نے اپنے دور قیادت میں تحریک نفاذ جعفریہ کے فنڈ سے صرف ایک ہزار روپیہ لیا تھا اور اس میں سے ساڑھے چھ سو روپیہ نمونہ کے زکوۃ فارم پر لوگوں کی رہنمائی کیلئے خرچ ہوئے ساڑھے تین سو روپے انکی وفات کے بعد شہید قائد عارف الحسینی کو دیئے۔ وہ دورہ جات کے دوران بھی اپنی جیب سے خرچ کرتے تھے یعنی کیا اگر ہم یہ تمام جدوجہد دین و آئمہ (ع) کے اسوہ کے نفاذ کی خاطر میں کرتے ہیں تو کیا ہماری اس جدوجہد کا انداز بھی انہی کے اسوہ و تعلیمات کے مطابق نہیں ہونا چاہیئے؟ اس فرق کو آپ محسوس کریں۔

مفتی جعفر حسین مرحوم کے نوجوانوں بالخصوص آئی ایس او کے جوانوں سے کیسے تعلقات تھے۔؟

ملک فیض بخش: آپ آئی ایس او کے جوانوں سے پیار کرتے تھے اور ان کو ایک نوید اور امید کی کرن قرار دیتے تھے انکے اجتماعات میں شرکت کرتے تھے۔ نوجوان جب انکے پاس آتے تھے تو انکو زیادہ وقت دیتے اور رہنمائی فرماتے تھے اگر کوئی اختلاف رکھتا تھا تو مخالفت نہیں رکھتے تھے کچھ لوگ تو الٹا مفتی جعفر کے لیڈر بننے کے بھی خواہشمند تھے لیکن مفتی صاحب اپنا کام مطمئن طریقہ سے پوری زندگی کرتے رہے۔

مفتی جعفر حسین مرحوم کی سادگی کے حوالے سے بیان فرمائیں۔؟

ملک فیض بخش: مفتی مرحوم کی سادگی ایک ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکی ہے کہ وہ اپنی ذات پر کم از کم صرف کرتے تھے۔ لباس انتہائی سادہ، خوراک سادہ تھی۔ دورہ جات کے دوران سواری کیلئے عام بس کا انتخاب کرتے تھے راستے میں اگر کہیں کھانے کا وقت ہوتا تو ایک نان اور دو پکوڑوں پر اتفاق کر لیتے تھے انکا گھر انتہائی سادگی کے ساتھ آراستہ تھا اور ایک انتہائی اہم بات وہ اپنی ذاتی ضروریات کے لئے سوال کرنے کی بجائے صبر کرنے کو ترجیح دیتے تھے اور تکلیف آنے پہ برداشت کرنے کی تلقین کرتے تھے گویا اس دور میں تعلیمات محمد و آل محمد (ص) کا امین کی کوئی چلتی پھرتی شکل نظر آتی تھی وہ مفتی جعفر حسین تھے ان کے کچھ دوست انکو ابوزر زماں (رض) بھی کہتے تھے۔

قائد علامہ مرحوم مفتی جعفر حسینؒ

مولانا امداد حسین گھلو

سر پر عمامہ بنیان کے بغیر قمیص، اوپر شیروانی پاؤں میں سلیپر کبھی بس میں تو کبھی کسی عقیدت مند دوست کی کار میں اور یہ بھی میسر نہ ہو تو کبھی پیدل بھی، آنکھوں میں حیا لہجے میں دھیما پن زبان صاف اور شستہ جیسے کوثر میں دھلی ہو درمیانہ قد پست نہ طویل رنگ سانولا، تیکھے نقوش سادہ سے فریم کی عینک لگائے نمود و نمائش سے دور مگر اپنے حلقۂ تعارف کے دل کا سرور؛ یہ تھے ممتاز عالم دین اور مجتہد علامہ مفتی جعفر حسینؒ۔ (جنہیں میں نے دیکھا، کوثر نیازی، ص ۹۱)

آپ کی کوششوں سے گجرانوالہ کے ماسٹر اللہ دتہ مرحوم نے اپنا مکان مدرسہ کیلئے دیدیا۔ دوسرے مدرسین کے علاوہ مفتی صاحب خود بھی طلباء کو پڑھاتے تھے۔ کچھ عرصہ بعد وسائل کی کمی کے سبب مدرسہ کو بند کر دینا پڑا۔ یہ تقریباً ۱۹۴۳ء کی بات ہے جب تحریک پاکستان زور پکڑ رہی تھی۔ آپ نے بھی اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان کے بعد آپ نے نہج البلاغہ کا اردو ترجمہ شروع کیا۔

ادارہ تحفظ حقوق شیعہ پاکستان

مارچ ۱۹۴۸ء میں اس ادارہ کی ضرورت اس وقت محسوس کی گئی جب مفاد پرست اور ذاتی مقاصد رکھنے والے چند نام نہاد روایتی رہنماؤں نے ''آل پاکستان شیعہ کانفرنس'' کے پلیٹ فارم سے ایک قرارداد منظور کروائی جس کا مفہوم کچھ اس طرح سے تھا کہ ''ہم شیعیان حیدر کرار کے پاکستان میں وہی حقوق ہیں جو دوسرے اہلسنت برادران کے ہیں اور دیگر مسلمانوں سے الگ ہمارے کوئی حقوق نہیں ہیں'' اس اجلاس کی صدارت راجہ غضنفر علی کر رہے تھے۔ (خورشید خاور، ص ۱۱۵)

ظاہری سی بات ہے کہ اگر وہ قرارداد مان لی جاتی تو اس وقت جن سیاسی اور مذہبی مسائل سے ہماری قوم دوچار ہے اور ان کی دست یابی کے لئے قربانیاں دے رہی ہے وہ سب بے سود ہو کر رہ جاتیں اور کسی طرح بھی ہم اپنے مطالبات پیش نہیں کر سکتے تھے کیونکہ اس ''آل پاکستان شیعہ کانفرنس میں ہم یہ قرارداد منظور کر چکے ہوتے کہ ہمارے کوئی مستقل حقوق نہیں تو اب مستقل مذہبی آزادی کی گفتگو کرنا ہمارے لئے قانونی طور پر مشکل ہو جاتا۔ لہذا جب اس کی خبر حضرت علامہ مفتی جعفر حسین مرحوم اور علامہ حافظ کفایت حسین مرحوم کو ہوئی تو انہوں نے دور اندیشی کے ساتھ انتہائی سخت ردعمل کا اظہار کیا اور کہا: ''یہ غلط ہے کہ ہمارے دوسرے مسلمانوں سے الگ کوئی اور حقوق نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ دوسرے مسلمانوں سے ہماری کچھ الگ خصوصیات اور حقوق ہیں کہ جن کے تحفظ سے ہم دستبردار نہیں ہو سکتے ہیں''۔ (مجلہ المخزن، سلسلہ اشاعت ۶، ص ۴۶)

ان نازک حالات میں مذکورہ کانفرنس کے چند ہی دنوں بعد ''ادارہ تحفظ حقوق شیعہ پاکستان'' کا لاہور میں قیام عمل میں آیا۔ (خورشید خاور، ص ۱۱۵) جس کے صدر مفتی جعفر حسین صاحب، سینئر نائب صدر حافظ کفایت حسین صاحب، جونیئر نائب صدر خطیب آل محمد (ص) سید اظہر حسن زیدی صاحب منتخب ہوئے اور پروفیسر محمد صادق قریشی سیکرٹری جنرل ہوئے مفتی جعفر حسین صاحب نے اپنے منصب کی احساس ذمہ داری کے تحت ملک بھر کے طوفانی دورے کئے شہر شہر، گاؤں گاؤں قریہ قریہ اور گلی گلی جا کر ملت کو سازش سے آگاہ کیا اور بتایا کہ ہمارے کچھ جداگانہ حقوق بھی ہیں آپ کی شب و روز کی محنت رنگ لائی اور اس طرح ایک طرف سے ملت کے اندر اجتماعی شعور اور بیداری کی لہر پیدا ہوئی تو دوسری طرف سے پوری قوم نے یک زبان ہو کر ''شیعہ کانفرنس'' میں منظور کردہ قرارداد کو مسترد کر دیا۔

تحریک کا قیام اور علامہ مفتی جعفر حسین کی قیادت

جولائی ۱۹۷۷ء میں ذوالفقار علی بھٹو کی اقتدار سے اچانک معزولی اور جنرل محمد ضیاءالحق کے مارشل لاء نے ملک میں عجیب کیفیت پیدا کردی۔ پاکستان قومی اتحاد" کی جدوجہد کے باعث ملک میں موجود مذہبی احساسات کے پیش نظر ضیاءالحق نے "اسلامی نظام" کی حامی بھر لی۔(پاکستان کی سیاسی جماعتیں، ڈاکٹر مہدی حسن، ص ۲۱۴) تحریک کے قیام کا بنیادی سبب یہ تھا کہ جنرل ضیاءالحق نے اسلامائزیشن کا اعلان کیا اور بعض مبہم اعلانات کئے جن سے اہل تشیع میں خدشات پیدا ہوئے کہ ان پر ایک مخصوص فقہ اور نظریات مسلط کئے جا رہے ہیں اس طرح قانون سازی میں اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے ۱۲ اپریل ۱۹۷۹ء کو تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کی بنیاد ڈالی گئی۔(رپورٹ تحریک جعفریہ پاکستان، انور علی آخونزادہ، ص ۲) بھکر کی سرزمین سے چلنے والے اس عظیم قافلے کی قیادت چونکہ براہ راست علماء حق کے پاس تھی اس لئے تمام طبقات نے مل کر جدوجہد کرنے کو اپنے لئے باعث فخر سمجھا۔ یوں تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کے نام سے ایک جماعت وجود میں آئی۔ اور اسی موقع پر ہی شیعہ عوام نے براہ راست متفقہ طور پر اپنی مرکزی قیادت کا انتخاب کیا۔ ایک اندازہ کے مطابق شرکاء کی تعداد دس لاکھ تھی۔ اس کنونشن میں علامہ مفتی جعفر حسین صاحب قبلہ کو شیعیان پاکستان کا متفقہ طور پر قائد تسلیم کیا گیا۔(سفیر نور، ص ۲۷ سفیر انقلاب، ص ۹۸) پوری فضا ایک ہی قائد ایک ہی رہبر
مفتی جعفر، مفتی جعفر کے نعرے سے گونج اٹھی۔ بقول B.B.C LONDON آیۃ اللہ خمینیؒ کے بعد مفتی جعفر حسین جنوبی ایشیا کے دوسرے بڑے روحانی پیشوا تھے کہ جنہیں عوام کی اتنی بڑی تعداد نے ووٹ دیا۔(خورشید خاور، ص ۱۱۸)

پریل ۱۹۷۹ء کو تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کا پہلا وفد ضیاءالحق سے ملنے کے لئے اسلام آباد پہنچا اور جنرل ضیاء کی ملاقات سے قبل وزیر مذہبی امور محمود اے ہارون سے ملاقات کی انہوں نے ضیاءالحق سے تبادلہ خیال کے بعد تحریک کے وفد کو صدر پاکستان جنرل ضیاءالحق سے ملاقات کے لئے ۲۶ اپریل کا وقت دے دیا لیکن جب طے شدہ تاریخ پر تحریک کے وفد سے ضیاء نے ملاقات نہ کی تو یہ وفد ۲۸ اپریل کو گورنر پنجاب جنرل سوار خان سے ملا اور ان سے اپیل کی کہ صدر اپنے رائج کردہ اسلامائزیشن نظام میں ملت جعفریہ کی بھرپور نمائندگی اور تحفظ کا اعلان کرے بصورت دیگر، ۳۰ اپریل تک تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کے وفد سے ملاقات کرکے انہیں اپنے موقف سے آگاہ کرے۔ جنرل موصوف نے ۲۹ اپریل کو وزارت مذہبی امور کے توسط سے جواب دینے کا وعدہ کیا مگر قائدین تحریک کو ۲۹ اپریل تک کوئی جواب موصول نہ ہوا۔ ۳۰ اپریل کی صبح کی اخبارات اور ریڈیو میں یہ خبر منظر عام پر آئی کہ صدر مملکت ۵ مئی کو شیعہ وفد سے ملاقات کرکے ان کا موقف معلوم کریں گے! اس تعجب خیز خبر سے تحریک کے اکابرین میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی کہ تحریک کے اکابرین تو اپنا موقف بیان کر چکے ہیں اور حکومت کے جواب
کے منتظر ہیں۔

چنانچہ ملت جعفریہ سے جنرل ضیاء کی اس بے رخی اور لاپرواہی کے بدولت ۳۰ اپریل ۱۹۷۹ء کو قائد تحریک علامہ مفتی جعفر حسین نے لاہور میں ایک پریس کانفرنس منعقد کرکے احتجاجاً اسلامی نظریاتی کونسل سے مستعفی ہونے کا اعلان کرتے ہوئے حکومت پر واضح کیا کہ اب صدر ضیاءالحق سے ملاقات کا وقت تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کے اعلیٰ اختیاراتی ادارے معین کریں گے۔

مفتی صاحب کی وارننگ کو سمجھتے ہوئے ۵ مئی ۱۹۷۹ء کو ضیاءالحق نے تحریک کے وفد سے ملاقات کرنے کی خواہش کی جس پر تحریک کے فیصلے کے مطابق قائد ملت علامہ مفتی جعفر حسین کی سربراہی میں مولانا مرزا یوسف حسین مرحوم، علامہ حسین بخش جاڑا مرحوم، علامہ محمد حسین نجفی، علامہ ملک اعجاز حسین نجفی خوشاب اور سید وزارت حسین نقوی پر مشتمل چھ رکنی وفد نے صدر ضیاء سے ملاقات کی، صدر نے وعدہ کیا کہ وہ اس سلسلے میں ۹ مئی ۱۹۷۹ء کو کراچی کی پریس کانفرنس میں اہم اعلان کریں گے(سفیر نور، ص ۷۴۔۷۵) لیکن ۹ مئی کو جنرل ضیاء نے کراچی میں غیر مبہم سا اعلان یوں کیا کہ "نظام مصطفیٰ" کے نفاذ میں کسی فقہ کو مایوس نہیں کیا جائے گا صدر کا یہ اعلان اور جزئیات فقہ جعفریہ کے پرسنل لاء تک محدود تھیں جبکہ تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان پبلک لاء میں اپنے حقوق کے تحفظ کا مطالبہ کر رہی تھی۔

جنرل ضیاء الحق کا یہ غیر مبہم سا اعلان سن کر علامہ مفتی جعفر حسین نے عوامی رابطہ مہم تیز کردی اور ملک گیر دورہ جات کی صورت میں قوم کو حقائق اور خدمات سے آگاہ کرنے لگے قائد کے ان دورہ جات اور ہمت نے ملک کے اندر ایک تہلکہ مچادیا۔

۶ جولائی ۱۹۸۰ کا تاریخ ساز کنونشن اور معاہدہ اسلام آباد

قائد ملت جعفریہ حضرت علامہ مفتی جعفر حسین اور ان کے رفقاء تحریک کے استحکام اور درپیش مسائل کے متعلق لائحہ عمل تیار کرنے میں مصروف تھے کہ وقت کے ڈکٹیٹر نے اپنی اور اپنے آقاؤں کی پسند کا اسلام نافذ کرنے والے

خواب کے تحت ۲۰ جون ۱۹۸۰ء کو زکوۃ اور عشر آرڈیننس جاری کیا جس میں مکتب تشیع کو یکسر نظر انداز کیا گیا تھا جنرل ضیاء کے اس اقدام سے ملت جعفریہ کی مایوسیوں میں مزید اضافہ ہوا جس پر تحریک کے ذمہ داران، اکابرین اور قائد ملت کو حکومت کے پے در پے ایسے اقدامات کے بارے میں مجبوراً راہ تلاش کرنا پڑی۔ لہذا قائد مرحوم مفتی جعفر حسین نے ٤ / ٥ جولائی کو اسلام آباد میں ایک شیعہ کنونشن کا اعلان کردیا ملک بھر سے اس فیصلے کا خیر مقدم کیا گیا۔ علامہ مفتی جعفر حسین کے اس اعلان نے ضیاء الحق کو از حد پریشان کردیا جس کے ازالہ کے لئے اس نے ۲ جولائی کے روز چند روایتی نام نہاد شیعہ رہنماؤں (جن کا تحریک کے ساتھ دور کا بھی تعلق نہ تھا) سے ملاقات کرکے تمام شیعہ مطالبات تسلیم کرلینے کا اعلان کیا جسے قائد مرحوم نے رد کرتے ہوئے اسے روایتی مکاری قرار دیا کیونکہ در اصل یہ حکومت کی طرف سے قومی کنونشن کو سبوتاژ کرنے کی سازش تھی ۔قوم نے اپنے محبوب قائد علامہ مفتی جعفر حسین کی قیادت میں اسلام آباد کی شاہراؤں پر ایک بہت بڑی احتجاجی ریلی نکالی ابھی احتجاج کا سلسلہ جاری ہی تھا کہ تین بجے سہ پہر کو قائد مرحوم مفتی جعفر حسین کی خدمت میں وفاقی وزیر مذہبی امور محمود ہارون کی مذاکراتی دعوت پہنچائی گئی جس کے بعد آپ علماء کے وفد سمیت مذاکرات کے لئے تشریف لے گئے مگر مذاکرات بے سود رہے ،علامہ مفتی صاحب نے قوم کے درمیان واپس آتے ہی مختصر خطاب کیا اور قوم کو سیکریٹریٹ کی جانب مارچ کرنے اور مطالبات کی منظوری تک اسے اپنے حصار میں رکھنے کا حکم دے دیا۔

شیعہ قوم نے اپنے محبوب قائد کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے مکمل طور پر مرکزی سیکریٹریٹ کا محاصرہ کرتے ہوئے اسے اپنے قبضہ میں کرلیا جو پاکستان کی تاریخ میں اپنی نوعیت کا اہم ترین واقعہ تھا البتہ اس تاریخی کارنامے میں ہمارے کچھ جوان پولیس مقابلے میں زخمی ہوئے اور اسی طرح ہمارا قیمتی جوان محمد حسین شاد شہادت کی موت سے ہمکنار ہوا۔

تمام ترکاوٹوں کے باوجود مفتی صاحب کی قیادت میں مرکزی سیکریٹریٹ کا محاصرہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا گیا تو اس کے مقابلے میں فوج نے بھی ٥

اور ٦ جولائی کی شب مظاہرین کے خلاف اپنے مورچے سنبھال لئے اور فوجی دائرہ بھی تنگ تر ہوتا نظر آنے لگا مصدقہ اطلاعات کے مطابق اسلام آباد کے سرکاری ہسپتالوں میں کئی وارڈ خالی کروادئے گئے اور ایمبولینسوں کو بھی الرٹ کردیا گیا تھا جبکہ دوسری جانب طوفانی، موسلہ دھار بارش نے لاکھوں افراد کو بے حال کردیا تھا مگر ان تمام نامساعد حالات کے باوجود کسی فرد کے پایہ استقلال میں لغزش نہ آئی اور مرتے دم تک اپنے محبوب قائد کی آواز پر لبیک کہنے کے لئے اسی عزم وجزم کے ساتھ ثابت قدم رہے۔

جب خفیہ اداروں کی وزیر مذہبی امور سے مذاکرات کی ناکامی کے بعد اور شیعہ اجتماع کے جذبہ کے متعلق موصولہ اطلاعات ضیاء الحق پر صورتحال واضح ہوئیں تو اس نے ٦ جولائی کے روز تحریک کے اکابرین اور قائد ملت کو مذکرات کی دعوت دی۔

صدر سے ملاقات کے لئے علامہ سید صفدر حسین نجفی، علامہ سید گلاب علی شاہ صاحب اور کرنل فدا حسین پر مشتمل ایک وفد قائد ملت مرحوم مفتی جعفر حسین کی زیر قیادت صدر ہاؤس روانہ ہوا جہاں مذاکرات کے بعد صدر ضیاء الحق کی جانب سے کسی قوم کے ساتھ یہ پہلا تحریری معاہدہ تھا جو شیعہ قومی قیادت کے ساتھ طے پارہا تھا جسے بعد میں معاہدہ اسلام آباد کے نام سے شہرت ملی۔ (رپورٹ تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کے حکومت کے ساتھ مذاکرات ۱۹۸۰ء) اس طرح سے اسلام کی تاریخ نے دیکھا کہ بالآخر وقت کے ڈکٹیٹر جنرل ضیاء نے تحریری طور پر شیعہ مطالبات پر دستخط کردیئے۔

معاہدہ کے بعداس اعلیٰ اورفاتح وفدنے اپنی قوم کومبارکباد پیش کی اورقائدملت مرحوم مفتی جعفرحسین نے مختصر خطاب میں قوم کے حوصلوں اوراعتماد کوسراہتے ہوئے مذاکرات کی صورتحال سے آگاہ فرمایااوراسی کے ساتھ انہیں پرامن طور پرمنتشر ہونے کاحکم بھی دے دیاجس کے بعدلاکھوں افرادشہیدمحمدحسین شادکی یادمیں ”شہیدفقہ جعفریہ خون تیرارنگ لایاہے“ کے نعرے لگاتے ہوئے سیکرٹریٹ سے واپس چل پڑے۔

شیعہ قوم نے حضرت علامہ مفتی جعفرحسین کی دورقیادت میں اپنے حقوق کے تحفظات کے لئے جومطالبات حکومت کے سامنے پیش کئے وہ اس طرح سے تھے۔

۱۔آزادانہ طور پرعزاداری امام حسین علیہ السلام کی اجازت ہونی چاہئے اوراس کے تمام ترحفاظتی امورحکومت پرعائدہوتے ہیں۔

۲۔شیعہ اسٹوڈنٹس کے لئے اسکولوں میں جداگانہ اپنی فقہ کے مطابق نصاب دینیات کاانتظام ہوناچاہئے۔

۳۔درسی کتب سے قابل اعتراض ودل آزارموادکااخراج کیاجائے۔

٤۔تمام ترشیعہ اوقاف کی نگرانی کے لئے شیعہ بورڈکاقیام عمل میں لایاجائے۔

٥۔حکومت کی طرف سے (بنک اکاؤنٹ) زکواۃ کی وصولی سے استثناء قراردیاجائے۔

ملت تشیع کے اس عظیم اورتاریخی کارنامے سے بہت مثبت نتائج ابھرکرسامنے آئے سب سے پہلی بات یہ تھی کہ شیعہ قوم نے ایک مضبوط پلیٹ فارم سے اپنے حقوق کے تحفظ کی جنگ لڑکر اپنی طاقت کالوہامنوایاجس سے دوسرے مکاتب فکر کے لوگوں کوبھی شیعہ قوم کی طاقت کااندازہ ہواتودوسری طرف پاکستان کاحکمران طبقہ جوعرصہ درازسے مکتب اہل بیت علیہم اسلام کے پیروکاروں کوسیاسی اوراجتماعی طور پرایک مردہ قوم سمجھ کرہمیشہ نظرانداز کرتارہاتھا،یہ باورکرناپڑاکہ شیعیان حیدرکرارایک مہذب قوم ہونے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کاایک قوی اور طاقتورفرقہ ہے،اس سے بڑھ کرخودشیعہ قوم کوبھی اپنے اتحادووحدت کے اثرات کے علاوہ اپنے مکتب کی ترجمانی کے لئے ایک مستقل سیاسی ومذہبی پلیٹ فارم کی اہمیت اورضرورت کااندازہ ہوا۔

بہرحال وقت کی نزاکت کوسمجھتے ہوئے جنرل ضیاء نے مفتی صاحب کے تمام ترقومی حقوق کوتسلیم کرتے ہوئے معاہدہ اسلام آبادپردستخط کر دیئے۔ پارلیمنٹ ہاؤس کاگھیراؤ اوراپنے مطالبات تسلیم کرانے کیلئے تحریک جعفریہ کے کارکنان کامظاہرہ تاریخ میں ہمیشہ رقم ہوگیااورآج جب بھی کوئی گروہ اپنے حقوق کے تحفظ کی بات کرتاہے تواسے لامحالہ اس عظیم الشان

مزاحمت کویادکرناپڑتاہے وہ صرف زکوٰۃ آرڈی نینس کے خلاف مظاہرہ نہ تھابلکہ پاکستان میں موجودتمام حقوق کے تحفظ اورقومی مسائل کے حل کی طرف پہلاقدم تھا۔اس سے یہ تاثرنہیں لیناچاہیے کہ شیعہ زکوٰۃ دینا نہیں چاہتے تھے بلکہ ان کااپناایک نقطہ نظرتھاجس کی روشنی میں زکوٰۃ دینا چاہتے تھے اس اندازکی زکوٰۃ کی مخالفت تومولانامفتی محمودمرحوم سمیت کئی اہل سنت علماء نے بھی کی تھی۔

قائدمرحوم اس جدوجہدمیں نہ صرف شیعیان حیدرکرار کے حقوق کے تحفظ کے لئے سرگرم عمل رہے بلکہ شیعہ قوم کی ترجمانی کرتے ہوئے ملک وملت کے مفادمیں ہونے والے ہراس مثبت اقدام کاساتھ دیااوران امورمیں بھی سرگرم رہے جن کی اس وقت ملک وملت کوضرورت تھی۔

حضرت علامہ مفتی جعفرحسین مرحوم نے اپنی سواچارسالہ قیادت میں اپنی بیماری اورضعیف العمری کوبالائے طاق رکھ کربے پناہ قومی خدمت کی۔ علم وحلم کا یہ بیکراں سمندراپنی موجوں سے قوم کی کشتی کوکنارا عطاکر گیا۔۔۔۔وہ کسی مقام پرمصلحت کاشکارہوئے نہ کسی مرحلہ پرظلم کی طرفداری کی۔۔۔۔وہ پیرسالی میں بھی چٹانوں کی طرح آمریت کے سامنے سینہ سپررہےاورقومی مفادات کوجان سےعزیزترسمجھا۔۔۔۔وہ زندگی کی جوان سانسوں سے روح کی تھرتھراتی منزل تک حکومت کے متعصّبانہ اقدامات سے برسرِپیکاررہے۔اسلئے

اس حسن پاکباز کی آتی ہے اب بھی یاد
نور سحر کے ساتھ کبھی چاندنی کے ساتھ

تحریک نفاذفقہ جعفریہ پاکستان کی ناؤ کے پہلے ناخدااورملت جعفریہ پاکستان کے دوسرے قائد۲۹اگست ۱۹۸۳ءکواس دارفانی سے رخصت ہوئے۔(مفتی جعفرحسینؒ،ص۵۸)

☆☆☆☆☆

قائد ملت مفتی جعفر حسین قبلہؒ نے علالت کے باعث تحریکی ذمہ داریاں ادا کرنے کے لیے ایک ورکنگ کمیٹی تشکیل دی

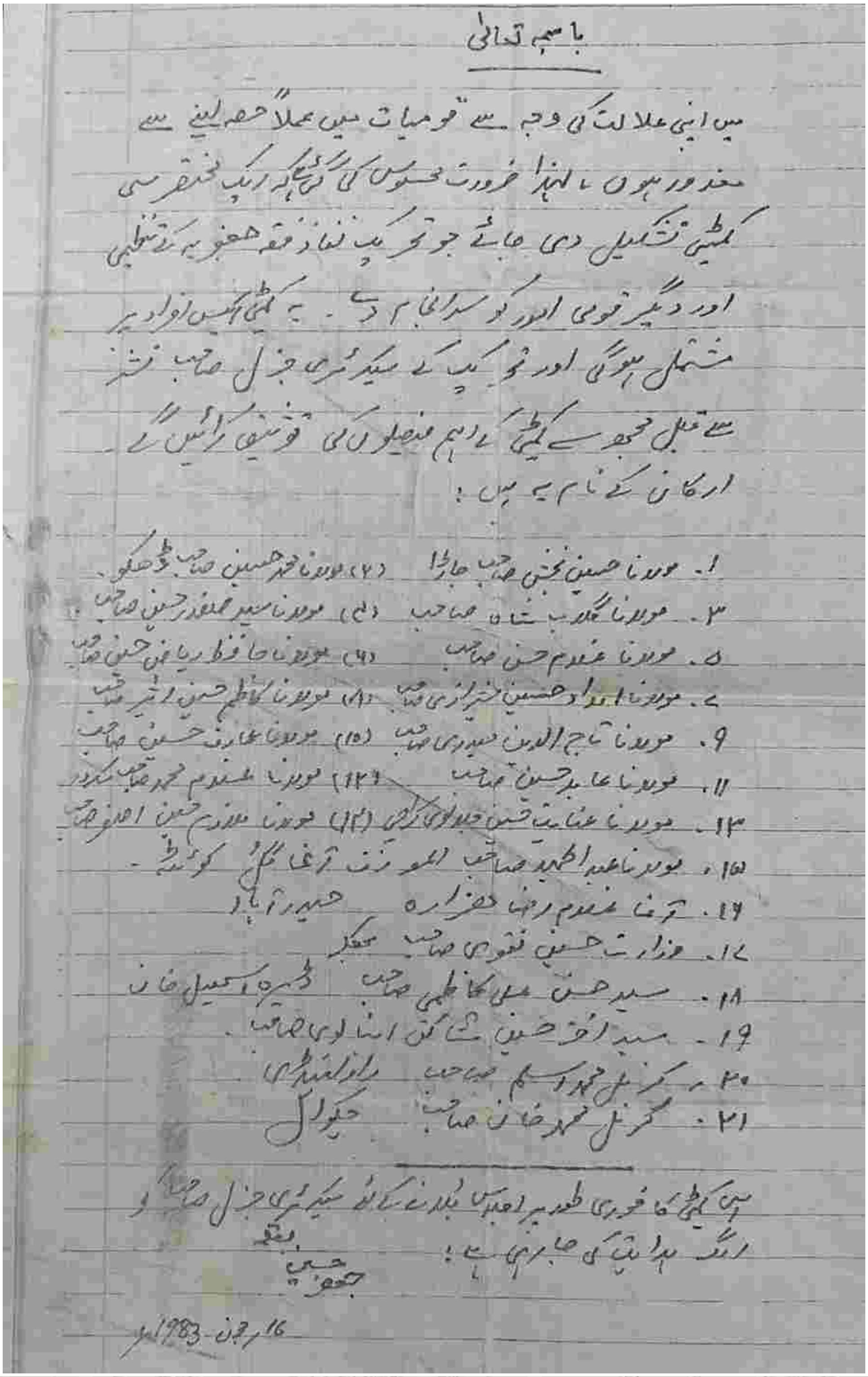

باسمہ تعالیٰ

میں اپنی علالت کی وجہ سے قومیات میں عملاً حصہ لینے سے معذور ہوں۔ لہٰذا ضرورت محسوس کی گئی کہ ایک مختصر سی کمیٹی تشکیل دی جائے جو تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے تنظیمی اور دیگر قومی امور کو سرانجام دے۔ یہ کمیٹی حسبِ ذیل افراد پر مشتمل ہوگی اور تحریک کے سیکرٹری جنرل صاحب نشر سے قبل مجھ سے کمیٹی کے اہم فیصلوں کی توثیق کرائیں گے۔ ارکان کے نام یہ ہیں:

1. مولانا حسین بخش صاحب جاڑا (2) مولانا محمد حسین صاحب ڈھکو
3. مولانا گلاب شاہ صاحب (4) مولانا سید صفدر حسین صاحب
5. مولانا مخدوم حسن صاحب (6) مولانا حافظ ریاض حسین صاحب
7. مولانا امداد حسین شیرازی صاحب (8) مولانا کاظم حسین اثیر صاحب
9. مولانا تاج الدین حیدری صاحب (10) مولانا عارف حسین صاحب
11. مولانا عابد حسین صاحب (12) مولانا مخدوم محمد صاحب سکردو
13. مولانا عنایت حسین جلالوی کراچی (14) مولانا ملازم حسین اعلیٰ صاحب
15. مولانا عبد الحمید صاحب المعروف آغا گل کوئٹہ۔
16. آغا مخدوم رضا دفتر دارہ حیدرآباد
17. نوازش حسین نقوی صاحب سکھر
18. سید حسن علی کاظمی صاحب ڈیرہ اسماعیل خان
19. سید اختر حسین شاہ گل اسلامی صاحب۔
20. کرنل محمد اسلم صاحب راولپنڈی
21. کرنل محمد خان صاحب چکوال

اس کمیٹی کا فوری طور پر اجلاس بلانے کا سیکرٹری جنرل صاحب کو ہدایت کی جا رہی ہے۔

بقلم
جعفر حسین

16 رجون 1983ء

خراجِ عقیدت وقطعۂ تاریخ

نتیجۂ فکر ڈاکٹر مسعود رضا خاکیؔ

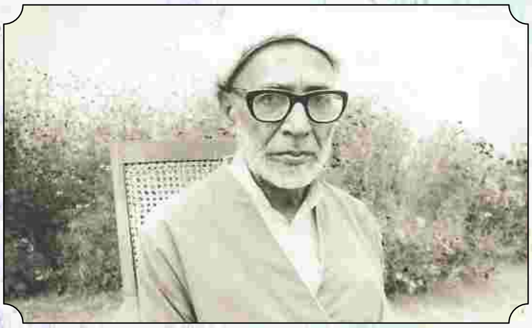

تھا چراغ راہ حسن سیرت جعفر حسین
باعث نقصان ملت رخصت جعفر حسین
شارح نہج البلاغہ مفتی دین مبین
ہر لقب آئینہ دار عظمت جعفر حسین
ایک مرکز پر کیا تھا جمع پوری قوم کو
کون بھولے گا بھلا یہ خدمت جعفر حسین
خدمت ملت کی خاطر رہتے تھے گرم سفر
عہد پیری میں جوان تھی ہمت جعفر حسین
آخری دم تک رہا قائد کو ملت کا خیال
اور کیا ہوگا ثبوت الفت جعفر حسین
بادہ حب علی ہے ساغر اخلاص میں
۱۹۸۳ء
یہ صدا آئی بوقت رحلت جعفر حسین
فکر کیوں کرتا ہے خاکی سال ہجری کے لیے
کربلا میں ہے نشان تربت جعفر حسین
۱۴۰۳ھ

قائد ملت مفتی جعفر حسین قبلہؒ کا دورۂ ایران، مراجع عظام سے ملاقاتیں

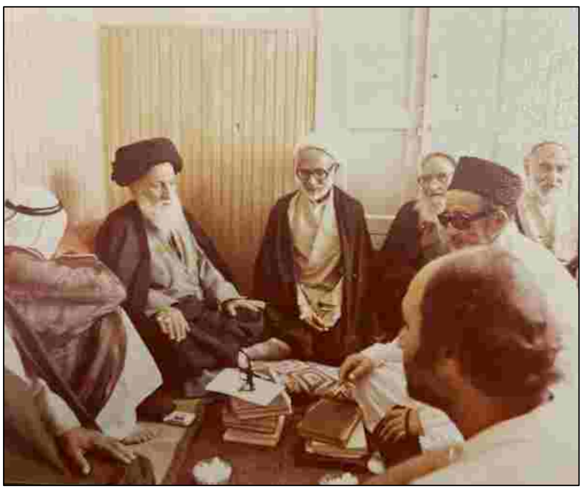

امروز

صدر ترکی نے افغانستان سمیت اہم عالمی امور پر بات چیت

میرے دورہ سے دونوں ملکوں کے تعلقات مزید مضبوط ہوں

ممتاز شیعہ رہنما

مفتی جعفر حسین انتقال کر گئے

اناللہ وانا الیہ راجعون

مرحوم کو کربلا گامے شاہ میں سپردِ خاک کر دیا گیا

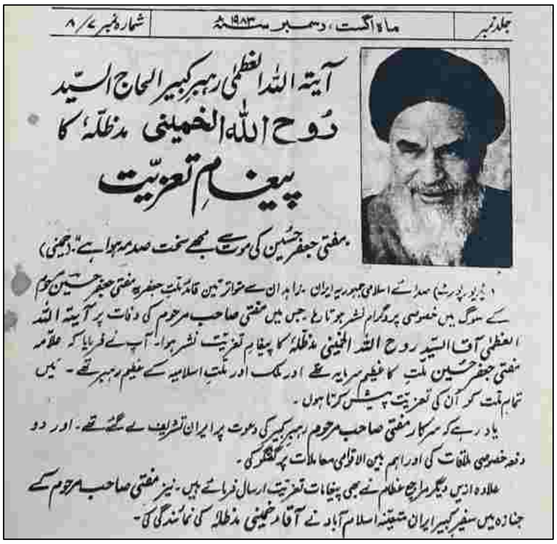

جلد نمبر	ماہ اگست، دسمبر ۱۹۸۳ء	شمارہ نمبر ۷/۸

آیۃ اللہ العظمیٰ رہبرِ کبیر الحاج السید

روح اللہ الخمینی مدظلہٗ کا

پیغامِ تعزیت

"مفتی جعفر حسین کی موت سے مجھے سخت صدمہ ہوا ہے" (خمینی)

(ریڈیو رپورٹ) صدائے اسلامی جمہوریہ ایران، زاہدان سے متواتر تین قائد ملتِ جعفریہ مفتی جعفر حسین مرحوم کے سوگ میں خصوصی پروگرام نشر ہوتا رہا۔ جس میں مفتی صاحب مرحوم کی وفات پر آیۃ اللہ العظمیٰ آقا السید روح اللہ الخمینی مدظلہٗ کا پیغامِ تعزیت نشر ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ علامہ مفتی جعفر حسین ملت کا عظیم سرمایہ تھے اور ملک اور ملتِ اسلامیہ کے عظیم رہبر تھے۔ میں تمام ملت کو ان کی تعزیت پیش کرتا ہوں۔

یاد رہے کہ سرکار مفتی صاحب مرحوم رہبرِ کبیر کی دعوت پر ایران تشریف لے گئے تھے۔ اور دو دفعہ خصوصی ملاقات کی اور اہم بین الاقوامی معاملات پر گفتگو کی۔

علاوہ ازیں دیگر مراجعِ عظام نے بھی پیغاماتِ تعزیت ارسال فرمائے ہیں۔ نیز مفتی صاحب مرحوم کے جنازہ میں سفیرِ کبیر ایران متعینہ اسلام آباد نے آقا خمینی مدظلہٗ کی نمائندگی کی۔

ممتاز شیعہ عالم مفتی جعفر حسین مجتہد انتقال کر گئے

نمازِ جنازہ میں ہزاروں افراد کی شرکت، لوگ دھاڑیں مار کر رو رہے تھے، کربلا گامے شاہ میں سپردِ خاک کر دیا گیا

مفتی جعفر حسین نے مسلم امہ کے اتحاد کیلئے انتھک جدوجہد کی: صدر ضیاء الحق

انتخابات مارچ ۱۹۸۵ء میں ہی ہوں گے

کا کوئی امکان نہیں: صدر ضیاء الحق

ممتاز شیعہ عالم مفتی جعفر حسین رحلت فرما گئے

مرحوم نہج البلاغہ اور صحیفۂ کاملہ کے مترجم اور شارح تھے

موت العالم موت العالم

ممتاز شیعہ عالم مفتی جعفر حسین رحلت فرما گئے

انا للہ وانا الیہ راجعون

مشرق

مفتی جعفر حسین کے ناگہانی انتقال سے

Mufti Jafar passes away

ممتاز شیعہ عالم مفتی جعفر حسین

DAWN

مشرق

جعفر حسین انتقال کر گئے

PAKISTAN TIMES

Mufti Jaffar passes away

نوائے وقت

Mufti Jaffar passes away

قائدِ ملت جعفریہ علامہ مفتی جعفر حسینؒ

1914ء–1983ء

روانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا
ہمیں سو گئے داستان کہتے کہتے

Monthly Afkar-e-Al-Arif Lhr. Regd. CPL # 60

قائد ملت مفتی جعفر حسین قبلہؒ اور قائد شہید علامہ سید عارف حسین الحسینیؒ